فہرست مضامین شرر

جلد سوم

سیریز نسواں - حصہ اول

دیگر مصنفین کی کتابیں ملنے کا پتہ

شیخ غلام علی اینڈ برادرز تاجران کتب لوہاری

مضامینِ شرر جلد سوم

سیرِ نسوانؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لیلائے اخیلیہ

ایک نامی گرامی شہسوار عرب عبداللہ بن الرحال کی بیٹی اور دورِ اولین اسلام کی ایک نہایت ہی پُراثر اور نازک خیال شاعرہ گذری ہے۔ جو مشہور و مستند شاعر عرب توبہ بن حمیر کی پاکدامن و خوش خصال معشوقہ تھی۔ مذکورہ لیلیٰ کے اجداد میں معویہ نام ایک شخص گذرے تھے جو گھوڑوں کے اپنے شوقین اور اس پایہ کے سوار تھے کہ "اخیل" (بڑے گھوڑے باز) مشہور ہو گئے۔ اُن کا یہ لقب اُن کی نسل میں چلا۔ اور آخر لیلیٰ اُس کی وارث ہوئی۔ اور "لیلائے اخیلیہ" کہلانے لگی۔

ابتدائی حالات میں سوا اس کے کہ جناب معاویہ کے زمانے میں اُس کا نشو و نما ہوا ہے اور کچھ نہیں معلوم ہے۔ توبہ بن حمیر جس وقت اُس کے ذریعہ عاشق ہوا ہے اُس وقت تک اس نازنین عرب کے اشعار کو کوئی شہرت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ بلکہ شک ہے کہ اُس زمانے میں وہ شعر کہتی بھی تھی یا نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے عشق ہی نے لیلیٰ کو شاعرہ [illegible]

[illegible]

... نا کہتے ہین کہ توبہ نے اُس کے جمال جہان آرا پہ فریفتہ
... کے باپ کو پیام شادی دیا - عرب لوگون مین رواج تھا
... ی ظاہر کرے اُس کے ساتھ اُس کی شادی ہرگز نہ کرتے
... بہت سے عشاق کو اپنی معشوقہ نازنین کے فراق مین زندا
... مجنون عامری بھی اسی کی بدولت اپنی معشوقہ لیلا سے عامر
... م رہا تھا - توبہ نے جیسے ہی شادی کی خواہش ظاہر کی
... باپ نے قبیلہ اصلع کے ایک نوجوان کے ساتھ اُس کا عقد
... بن حمیر کا سوا اس کے کہ شب و روز معشوقہ نازآفرین کے
... ور کچھ زور نہ چل سکتا تھا - مگر تاہم اپنے دل کے ہاتھون مجبو
... کے دیکھنے کو جاتا - اور لیلا کے دل مین اُس کے سچے عشق
... پیدا کر دیا تھا کہ وہ بھی اُس سے آکے ضرور مل جاتی جب
... ے والے بہت ہی بگڑے - دل از دست دادہ لڑکی کو ڈانٹا
... ن پہ بھی اُن دونون عاشق و معشوق کا ملنا نہ موقوف ہو
... یادی ہوے - اور جناب معاویہ کے سامنے آکے شکایت کی
... لیا کہ "توبہ اب کبھی لیلی سے نہ ملے - اور اگر اس حکم کے بعد بھی
... باز نہ آئے تو لیلی کے قبیلے والون کو اختیار رہے کہ جب موقع پا
... ن پائین قتل کر ڈالین"
... قبیلے والے جب خوش خوش گھر مین آئے تو لیلی کو فکر ہوئی
... وجہ سے کہ توبہ بن حمیر کو ابھی تک یہ حکم خلافت نہین معلوم تھا
... ی کی تاک مین بیٹھے - اور لیلی نے یہ کیا کہ جس روز اُسے معلوم ہ
... مجھ سے ملنے کو آئے گا کوئی بہانہ کرکے اپنے قبیلے کی فرودگاہ سے
... سر راہ اس وضع سے کھڑی ہو گئی کہ بخلاف پیشتر کے چہرے پر
... - توبہ آیا اور لیلی کو دور ہی سے اس وضع مین دیکھ کے کہ آج
... ت آج منہ کھولے ہوے ہے اُلٹے پاؤن واپس چلا گیا - پھر جب
... کے مقام مین پہونچ لیا تو لیلی کے عشق مین ایک قصیدہ کہا جس

شعر یہ تھا۔

وکنت اذا ما جئت لیلیٰ تبرقعت فقد رابنی منہا الغداۃ سفورہا

ں طرح خود لیلیٰ نے اُس کی جان بچادی۔ ورنہ اگر وہ اس حد سے ذرا
ی آگے بڑھتا تو معشوقۂ نازنین کے اعزا و اقارب بلا تامل پکڑ کے قتل
ڈالتے۔

اب لیلائے اخیلیہ اور توبہ بن حمیر کا ملنا اور ایک دوسرے کی صحبت سے
طف اُٹھانا موقوف ہوگیا۔ توبہ تو اپنے جوش جنون کو شاعری اور شاعرانہ
وش عشق کے ذریعے سے بہلایا کرتا۔ مگر لیلیٰ یہاں سخت آفت اور مصیبت
ن مبتلا تھی۔ اول تو توبہ کے تعلقات کی وجہ سے اُس پر بدگمانی تھی ہی
س پر یہ قیامت ہوئی کہ بنی ادلع میں سے جو شوہر ملا وہ فطرۃً نہایت
ی بدگمان تھا۔ اور بات بات پر اُسے بے عصمتی اور آوارگی کا الزام دیتا۔

عرب کا معمول ہے کہ قبائل عرب کھُلے میدانوں اور وادیوں میں اپنے
ے ڈال کے رہا کرتے ہیں۔ اور مسافر اور سیاح دن دن بھر کی بلکہ بعض
قات چار چار پانچ پانچ دن کی دشت نوردی کے بعد کسی بدوی کا خیمہ
کھ پاتے ہیں تو رات بسر کرنے کے لیے اُس کے قریب آکے ٹھہر جاتے ہیں۔
یسے موقعوں پر صاحب خیمہ کا فرض ہوتا ہے کہ اُن کی مہمانداری کرے اور
ہاں تک امکان میں ہو اُنھیں آرام پہونچائے۔ اکثر اوقات مرد شکار یا
طلب معیشت کے لیے باہر چلے جاتے ہیں۔ اور عورتیں اور لڑکیاں ہی سیاحو
ور مسافروں کی خبرگیری کرتی ہیں۔ اور یہی وہ فیاضی ہے جو سرزمین عرب
ین قدیم الایام سے شرافت کا جوہر سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی معمول کے مطابق
ور ہفتے میں عادت مستمرہ کے موافق کوئی نہ کوئی مسافر لیلیٰ کے خیمے کے پاس
بھی آکے فروکش ہو جاتا۔ اور لیلیٰ کا شوہر بدگمان ہو کے بی بی کو مارتا پیٹتا
ور سخت سزا دیتا۔ مگر وہ ہمیشہ اطاعت کرتی اور رو پیٹ کے بیٹھ رہتی۔

چنانچہ ایک معزز سیاح عرب کا بیان ہے کہ مجھے صحرا میں شام ہو گئی تھی
ور پھر ایک خیمہ نظر آیا۔ اُس کے قریب جاکے ٹھہر گیا۔ مگر حیرت تھی کہ اُس

ترجمہ۔ میری جب کبھی آتا تھا لیلیٰ اپنا منہ چھپا لیا کرتی تھی۔ مگر کل جو میں نے منہ کھولے دیکھا تو دل میں کھٹکا

خیمے مین اگرچہ بچے بھی تھے اور عورتین بھی مگر کوئی بھی میری خبرگیری کو نہ
اتنے مین رات ہو گئی۔ اور ایک شخص اونٹ سوار قریب آیا۔ اور دیکھتے مین
جاتے ہی نہایت بے رحمی کے ساتھ بی بی کو بلا کے پوچھنے لگا کہ "یہ کون شخص ہے؟"
عورت نے عاجزی کے لہجے مین جواب دیا "کوئی مسافر ہے آفتاب غروب ہوتے
وقت یہان آ کے ٹھہر گیا ہے"۔ مرد نے کہا "نہین یہ بات نہین ہے۔ تیرے
ملنے والون مین سے کوئی ہے"۔ اور اتنا کہتے ہی غریب عورت کو نہایت بے رحمی
سے مارنے پیٹنے لگا۔ عورت عجیب درد کے ساتھ چلاتی تھی اور اسے ترس
نہ آتا تھا۔ آخر اُس عورت سے کہنے لگا "یہ شخص جو ٹھہرا ہوا ہے جب تک خود آ کے
سفارش نہ کرے گا مین تجھے نہ چھوڑون گا"۔ اُس کی زبان سے یہ سن کے
عورت نے چلانا شروع کیا "اے میان مسافر! اے شتر سوار! خدا کے لیے
مجھے آ کے بچاؤ"۔ اب یہ چیخین سن کے مجھ مین ضبط کی تاب نہ تھی۔ جھنجھلا کے
ایک حربہ اٹھا لیا اور خیمے مین گھستے ہی ظالم مرد پر تین چار وار اس زور
سے کیے کہ عورت بیچ مین آ گئی۔ اور کہنے لگی "میان تم جاؤ۔ ہمارے جھگڑون مین پڑ
دینے سے تمھین کیا مطلب!" عورت کی یہ نیک نفسی دیکھ کے مین واپس چلا
اور کہا "اب اس ظالم شخص کے خیمے کے پاس نہ ٹھہرون گا"۔ اُسی وقت
پر سوار ہو کے آگے چل کھڑا ہوا۔ صبح کو ایک ایسے مقام پر پہونچا جہان اہل
بادیہ کے چند خیمے پڑے ہوئے تھے۔ مین وہان ٹھہرا۔ اور ایک لونڈی کو پا
سے گزرتے دیکھ کے اپنے پاس بلایا۔ رات کی سرگذشت بیان کی اور پوچھا
جانتی ہو وہ کون شخص ہے؟" میرے اس سوال پر وہ بہت ہنسی اور کہنے
"کیا تم نہین جانتے جو مجھ سے پوچھتے ہو؟" مین نے کہا "مین بالکل نہین جا
تب اُس لونڈی نے بتایا کہ "وہ لیلائے اخیلیہ کا خیمہ ہے۔ یہ شخص سے وہ نہا
ہی حسین و صاحب جمال واقع ہوئی ہے۔ اور شوہر ایسا ملا ہے جو بات بات
مارنے پیٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسی وجہ سے لوگون نے اُس کے خیمے
پاس ٹھہرنا چھوڑ دیا۔ آپ ناواقف تھے اسی سبب سے وہان ٹھہر گئے
اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ باوجود کہ شوہر بدمزاج ملا ہے۔

صحرائے عرب مین سفر کر رہی تھی کہ اتفاقاً
ق توبہ بن حمیر کی قبر تھی۔ شوہر سے کہنے
ے رو کا۔ مگر لیلیٰ نے نہ مانا اور ایسی ضد
اس نے اُس ٹیلے پر جس پر عاشق مرحوم
سامنا ہوتے ہی چلا کے کہا "السلام علیک
نے ساتھ تھے۔ سلام کے بعد اُن ہمراہیون
سے کہنے لگی" لوگو! اس سے پہلے مجھ پر توبہ کا کوئی
نے پوچھا" جھوٹ کیا؟" بولی "کیا تم نے توبہ

تھا مگر لیلیٰ اُس سے پوری طرح
سے نفع اُٹھا کے قاضی کے سامنے
کبھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔
اُس کا عاشق زار توبہ بن
ہونے کے ساتھ ایک بڑا
ور شجاعت کی ہر طرف
استعداد قبائل اُس کے نا
ایک دفعہ اتفاقاً بنی
بڑی خوبصورتی وزیبائی ا

وَلَوْ أَنَّ لَيْلَى الْأَخْيَلِيَّةَ سَلَّمَتْ عَلَيَّ وَدُونِي تُرْبَةٌ وَصَفَائِحُ
لَسَلَّمْتُ تَسْلِيمَ الْبَشَاشَةِ أَوْزَقَى إِلَيْهَا صَدًى مِنْ جَانِبِ الْقَبْرِ صَائِحُ

نے یہ کہا تھا تو پھر جواب کیون نہین دیتا؟"
حیرت کے ساتھ یہ سوال کر رہی تھی کہ ایک بڑا اُلّو جو قبر کے کسی کونے مین
تھا ایک دفعہ گھبرا کے اور پھر پھڑا کے اُڑا۔ اور اپنے آشیانے سے نکلتے
ہی لیلیٰ کے اونٹ کے مُنہ سے اس زور کے ساتھ ٹکرایا کہ اونٹ بھڑکا۔ اور
نے پھاندنے لگا کہ لیلیٰ محمل سے نکل کے دُور جا گری۔ اور گرتے ہی
خون ریز ہو کر گئی۔ اُسکے شوہر اور تمام ہمراہیون نے اس واقعے کو حیرت سے
سے قیامت کا انتظار کرنے کے لیے اُسی کے عاشق صادق کے پہلو مین
کو روانہ ہوئے۔

زبّاء ملکۂ عرب

لوگ جو تاریخ مین بصیرت سے جانتے ہین کہ جب اسکندر اعظم نے ہجرت
سال پیشتر شہر اربل کے قریب دارائے ایران کو شکست دی

لیلیٰ مجھے سلام کرے اور میری یہ حالت ہو کہ مجھ پر خاک کا ڈھیر ہو اور پتھر کی سلین ہو
سے سلام کا جواب دونگا۔ یا قبر کے پہلو سے پہاڑ کی گونج کی آواز بلند ہو کے اُسکے سلام
(ترجمہ) کی ہے۔
سے جیتے ہو کہ یہ
در ہو کے اور ادھر

مجھ کو تاجدار فارس سے خالی کر دو اگر کوئی بھی میری خبر گیری کو نہ آیا
طوائف الملوکی ہو گئی۔ کوئی ایک ... وار قریب آیا۔ اور جیسے ...
اور صوبے ہیں جس کو موقع مل گیا وہ ... لگا کہ "یہ کون شخص ہے ..."
کہ جو اپنے اپنے علاقوں پر حکمران تھے ... آفتاب غروب ہو رہے
میں لڑتے بھڑتے رہا کرتے تھے اور جن کی ... ٹوٹی ہے۔ تیر ...
ایک مسلسل بدنظمی کا دور دورہ تھا۔ یہاں ... عورت نہایت ...
اور ہجرت نبوی سے ۶ ۹ ۳ برس پہلے اردشیر ... ی اور ...
نے اٹھ کے تمام ملوک طوائف کو مغلوب کیا
کر کے ایک نئی ایرانی شاہنشاہی قائم کی۔ ا... ے جب تک خود ...
کا بانی بن گیا جس کا خاتمہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے
فاروق اعظم کے عہد معدلت مہد میں ہوا۔

مذکورہ بالا ملوک طوائف میں زباء نام ایک بڑی مشہور و معروف ہوشیار ملکہ گذری ہے۔ جس کے حالات زندگی میں گو ملکۂ کلیوپیٹرا کی آ... کی چاشنی نہیں مگر پھر بھی وہ بہت کچھ دلچسپ ہیں۔ زباء کو اگرچہ اُرد... جگہ نہیں ملی۔ مگر عربی لٹریچر میں اُس کا نام بہت مشہور رہے۔ اُس کو شہ... ہوئی بلکہ اُس کی زبان کے بہت سے جملے اس وقت تک ضرب المث... ہیں۔

جو علاقہ عرب کے شمال میں عراق سے ملا ہوا اور دریائے فرات ... درمیان میں واقع ہے اسے لوگ الجزیرہ کہتے ہیں۔ اسی علاقۂ الجز... زباء حکمران تھی۔ اس کا زمانہ مصر کی ملکۂ کلیوپیٹرا کے ساٹھ برس بعد ...ا مسیح کی ولادت کے ۳۰ سال بعد تھا۔ اور چونکہ حضرت مسیح نے ۳۰ ... اُس پر اظہار نبوت کیا تھا۔ لہذا یوں کہنا چاہیے کہ جن دنوں حضرت مسیح ... حسین و صاحب بیت المقدس میں پھیلے ہوئے تھے اُنھیں دنوں یہ ملکہ ...سنے بیٹھنے کو تیار رہی تھی۔

...س ٹھہرنا چھوڑ کے زمانے میں شہر حیرہ پر خاندان بنی ایاد کا ایک بادشہ...
اس وا...

ا گر لیلیٰ اُس سے پوری طرح ہمدردی کرنے کو تیار تھی۔ ممکن تھا کہ شرعی آزادیوں
ے نفع اُٹھا کے قاضی کے سامنے خلع کی درخواست پیش کر دیتی۔ مگر اُس نے
ھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔

اُس کا عاشق زار توبہ بن حمیر عرب کے عام شرفا کی طرح گران پایہ شاعر
ونے کے ساتھ ایک بڑا زبردست بہادر اور سپہگر بھی تھا۔ اُسکی شہسواری
ور شجاعت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے سورما اور کثیر
لتعداد قبائل اُس کے نام سے لرزتے تھے۔

یک دفعہ اتفاقاً بنی عذرہ مین اُس کا گذر ہوا۔ جس قبیلے کے لوگ
پنی خوبصورتی و زیبائی اور اپنے حسن و عشق کے اعتبار سے سارے عرب
ین مشہور تھے۔ اس قبیلے کی مشہور معشوقۂ عرب بثینہ سامنے کھڑی تھی۔ اور
مین اتفاق سے اُسے کسی قدر غور و توجہ سے دیکھنے لگی۔ بثینہ کا عاشق زار
یل شاعر بھی پاس کھڑا تھا۔ اپنی معشوقہ کی توجہ ایک دوسرے شخص کی طرف
یکھ کے دل مین کچھ ایسی آتش حسد بھڑکی کہ غیرت کے جوش مین آگے بڑھا۔ اور
وبہ سے کہنے لگا "آپ کو شہسواری کا بڑا دعوے ہے۔ آیئے کشتی ہو جائے؟"
بہ نے کہا "بسم اللہ آیئے!" جمیل جب مقابلے کو آنے لگا تو اُس کی کمر بثینہ
خود اپنے ہاتھ سے باندھی۔ اور وہ توبہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تھوڑی ہی
ر مین جمیل نے توبہ بن حمیر کو دے مارا۔ اب جمیل نے کہا "کشتی مین تو آپ
ر گئے۔ اب آیئے تیراندازی مین مقابلہ ہو۔" توبہ راضی ہو گیا۔ اور اس فن
ین بھی جمیل سے ہارا۔ توبہ نادم کھڑا تھا کہ جمیل نے کہا "تو آیئے دوڑ مین بھی
قابلہ ہو جائے۔ شاید آپ کے دل مین کچھ ہوس باقی ہو۔" توبہ نے اس مین بھی
لہ کیا۔ اور اس مین بھی ہارا۔ اس طرح ایک گھڑی بھر مین اپنی شجاعت و
رت کو خاک مین مل جاتے دیکھ کے دل مین سوچا۔ اور یکایک چونک کے
ولا "اوہو! مین اب سمجھا۔ یہ ساری کارسازی ان بی صاحبہ (بثینہ) کی ہے۔
صاحب۔ اس مقابلے کا اعتبار نہین۔ تم محض اس وجہ سے جیتے ہو کہ یہ
یک بخت سامنے کھڑی تھین۔ جب جانون کہ انکی نظر سے دور ہو کے اور ادھر

اُس وادی میں چل کے مقابلہ کرو۔" جمیل کے دل میں جیتنے سے دعویٰ تو پیدا ہو ہی گیا تھا۔ توبہ کو ساتھ لے کے اُس وادی میں گیا۔ اور جس نے سُنا اُسے حیرت ہو گئی کہ یہاں آتے ہی تینوں باتوں میں توبہ بن حمیر نے اُسے مار لیا۔

لیکن حضرت معاویہ ہی کے زمانے میں اُس کی شجاعت و بسالت کا یہ خوفناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ ایک نازک موقع پر بہت سے قوی اور بہادر دشمنوں کے نرغے میں گھر کے عجیب جوش و خروش اور بے نفسی و بے خوفی سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اور دشمنوں نے اُسی وادی میں جہاں مارا گیا تھا ایک ٹیلے پر دفن کر کے اُس کی قبر بنا دی۔

جب یہ خبر لیلائے اخیلیہ کو پہونچی تو دنیا اُس کی آنکھوں میں تنگ ہو گئی۔ اور بے تکلف اور بغیر اس کے کہ کسی کا پاس و لحاظ کرے توبہ بن حمیر کے مرثیے کہنے لگی۔ جن میں اُس معزز شہسوار عرب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی تھی اور دکھاتی تھی کہ اُس سے بڑا اور زبردست اور قابل قدر کوئی شخص نہیں گذرا۔ اُس کے شوہر نے جب دیکھا کہ توبہ مارا جا چکا تو وہ بھی خاموش ہو رہا۔ اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بی بی کی اس مرثیہ گوئی کو مجبور ہو کے وہ گوارا کر لیا کرتا تھا مگر جس طرح پہلے توبہ کے اشعار سارے جزیرہ نمائے عرب بلکہ اسلامی قلمرو میں مقبولیت کے ساتھ رواج پا رہے تھے اُسی طرح اب لیلیٰ کے ان مرثیوں کا چرچا ہوا۔ اور عرب لوگوں کی ہر صحبت میں حیرت و استعجاب اور پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے۔ چنانچہ وہ مرثیے جناب معاویہ کے کان تک پہونچے۔ اور اُنھوں نے جب دیکھا کہ یہ شاعرۂ عرب اپنے پُرسوز مرثیوں کے ذریعہ سے اپنے شہید عشق کو انتہا درجے کا نیک نفس اور پاکباز بتا رہی ہے تو ایک مرتبہ اُسے بُلوا کے پوچھا "تم توبہ کی ایسی تعریفیں کرتی ہو۔ مگر جو لوگ یہ باتیں مشہور کر رہے ہیں کیا سچ نہیں ہیں؟" اصل یہ ہے کہ توبہ کے اشعار جس کسی کے گوش گذار ہوئے تھے اُسے یقین آ گیا تھا کہ اُس سے لیلیٰ سے ناجائز تعلق تھا لیلیٰ نے حضرت معاویہ کا یہ سوال سُن کے جواب دیا "حضور۔ ہر وہ بات جو لوگوں میں مشہور ہو سچ نہیں ہوا کرتی۔" یہ کہہ کے توبہ کی ہزارہا خوبیاں اور اُس کے

تعاقب و اتفاق کے حالات بیان کرنے لگی۔ معاویہ نے کہا "مگر لوگ تو اُسے
زانی بتاتے ہیں"۔ لیلیٰ نے اب اپنا ایک قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس میں
توبہ کی خوبیاں اور نیکیاں بہت زور دے کے بیان کی تھیں۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے متعلق اکثر لوگ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اور
وہ سب کو آزادی سے جواب دیا کرتی تھی۔ توبہ کی حمایت میں اُس کی پاکدامنی
کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے جس زمانے
میں کہ وہ بالکل بوڑھی اور بدصورت تھی اُس سے تعریضاً کہا "تم میں وہ
کون سی ادا تھی جسے دیکھ کے توبہ عاشق ہو گیا"؟ لیلیٰ نے نہایت ہی جرأت
سے اُس کو یہ الزامی جواب دیا کہ "اور آپ میں وہ کون سی خوبی ہے جسے
دیکھ کے لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنا لیا؟" اس جملے پر عبدالملک کو اس قدر
ہنسی آئی کہ لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں والی عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے ایک دفعہ اس سے کہا
"لیلیٰ۔ اب تو تمھاری جوانی گذر گئی۔ سچ سچ بتاؤ تم سے اور توبہ سے کسی قسم کا
تعلق تو نہ تھا؟" اُس نے قسم کھا کے کہا کہ "وہ اپنے عشق میں ہمیشہ پاکباز تھا"
پوچھا "اچھا کبھی اُس نے تم سے کوئی ناجائز خواہش تو نہیں کی؟" بولی "کبھی
نہیں۔ صرف ایک مرتبہ اتنا ضرور ہوا کہ اُس نے نفس کے غلبے سے مجبور ہو کر
کچھ ارادہ کیا تھا۔ مگر میں نے یہ دو شعر پڑھے اور وہ نادم ہو کے خاموش ہو گیا۔

وذی حاجة قلنا له لا تبح بها فلیس الیها ما حییت سبیل
لنا صاحب لا ینبغی ان نخونه وانت لاخری فارغ وحلیل

اس کے بعد پھر کبھی اُس نے ایسا قصد نہیں کیا۔

ان باتوں سے حجاج کا دل نہیں بھرا تھا۔ پوچھا "پھر کیا ہوا؟" اُس نے
کہا "توبہ نے ایک مرتبہ اپنے ایک دوست کو بھیجا اور کہہ دیا کہ ہمارے قبیلے میں

ترجمہ (۱) اور حاجت والے نے اپنی حاجت پیش کی تو ہم نے کہا یہ تمھارے لیے نہیں جائز ہے
اور زندگی بھر اس کی کوئی راہ نہ ہوگی (۲) ہمارا ایک صاحب ہے جس کی ہمیں خیانت نہ کرنی چاہیے
اور تم بھی دوسری عورت سے وابستہ اور اُس کے شوہر ہو۔

بنی عبادہ کے فرودگاہ کے پاس کسی ٹیلے پر چڑھ کے یہ شعر پڑھنا۔

عفا اللہ عنہا ہل اَبیتنّ لیلۃ ۔ من الدہر لا یسری الیّ خیالہا[عہ]

اُس شخص نے اس ہدایت کے موافق ہمارے خیمے کے سامنے ایک بلندی پر کھڑے ہو کے یہ شعر پڑھا تو میں سمجھ گئی کہ یہ توبہ کا قاصد ہے ۔ فوراً اسکے جواب میں میں نے بھی اُسے یہ شعر سُنا دیا۔

وعنہ عفا ربی واحسن حفظہ ۔ عزیز علینا حاجۃ لا ینالہا[عہ]

اس پاکدامنی کا اعتراف صرف لیلیٰ ہی نے اپنے اشعار میں نہیں کیا بلکہ خود توبہ بھی اپنے ایک شعر میں صاف طور پر اپنی معشوقہ کے دعوائے عصمت کی تصدیق کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے ۔

علیّ دماء البدن ان کان بعلہا ۔ یری لیّ ذنباً غیر انی ازورہا[عہ]

لیلائے اخیلیہ جب حجاج سے ملی ہے تو اُس نے اُسے دس ہزار درہم انعام میں دیے اور پوچھا " اگر کوئی اور آرزو ہو تو وہ بھی بیان کرو ۔ " اُس نے کہا "میرے چچا زاد بھائی قتیبہ بن مسلم جو ان دنوں ترکستان میں ہیں اُن کے دیکھنے کی تمنا ہے ۔ اگر وہاں تک پہونچوا دیجیے تو نہایت ممنون ہوں گی ۔ " قتیبہ بن مسلم کا نام غالباً ہمارے ناظرین نے اکثر سُنا ہوگا ۔ اس لیے کہ یہ عرب کا بہت مشہور اور بہادر سپہ سالار تھا ۔ جو خراسان سے ترکستان اور وہاں سے بڑھ کے کاشغر میں جا پہونچا تھا اور اس ارادے میں تھا کہ فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا مملکت چین میں پہونچ جائے ۔ حجاج نے لیلیٰ کی خواہش کے مطابق اُسے ترکستان میں بھیج دیا ۔ جہاں بھائی سے مل کے وہ واپس آئی ۔ اور بعض لوگ لکھتے ہیں کہ اسی سفر سے واپس آتے وقت شہر رَے میں پہونچ کے پیوند زمین ہو گئی ۔

لیکن یہ غلط ہے ۔ اُس کی موت کا اصلی واقعہ یہ ہے کہ ترکستان سے واپس

عہ خدا اُس نازنین کے گناہ معاف کرے ۔ بھلا کبھی مجھے وہ رات نصیب ہوگی جو خیال میں بھی نہیں آتی ؟

عہ اور خدا اُسکے گناہ معاف کرے اور اُسے اپنی امان میں رکھے اُسکی وہ حاجت جو کبھی نہ بر آئیگی ہمیں بہت عزیز ہے

عہ مجھے کفارے میں اونٹوں کی قربانیاں دینی پڑیں اگر اُس کا شوہر بتا سکے کہ میں اُس سے ملنے جانے کے سوا میری اور کوئی خطا پا سکے ۔

کے ساتھ

کے ماتحت ملوک طوائف مین تھا - چونکہ یہ تاجدار

اس سے عربون مین اسکی بڑی وقعت تھی - اور

- اب سے شمار کرتے تھے - اُس کی قلمرو نہر فرات

تک پھیلی ہوئی تھی - جذیمہ اگرچہ شرفاے عرب

کہا جائے تو نو دولت تھا - اس لیے کہ حیرہ

ہی نے حاصل کی تھی - اور وہی پہلا شخص

پہلے پہل شہر حیرہ پر قابض و متصرف ہوا - حیرہ

س مقام پر تھا جس کے قریب ہی عہد اسلام مین

عرب کے ملوک بنی لخم کا مرکز سلطنت رہا - اور یہی

اس کو عربون مین زیادہ شہرت حاصل ہوئی - ظہور اسلام کے وقت

اگرچہ اُس کی سلطنت قائم تھی - گو دولت ساسانی کی اطاعت کا دم بھرتی تھی -

جس قدر یہ جذیمہ نے تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد اپنی قوت کو ترقی دی - اور

اور شجاع تھا لہذا بہت سے ملوک طوائف پر غالب آکے اُنکے علاقون

و متصرف ہوگیا - اُس کے فتوحات اور اُس کی کامیابیان یقین

کہ اگر اُسے ملکہ زبا سے سابقہ نہ پڑا ہوتا تو شاید وہی ساسان اول

کی جگہ لے لیتا - اور ساسانی خاندان سے پہلے ہی ایادی خاندان

- اور شاہنشاہی گھرانا بن جاتا - لیکن اس کی نوبت نہین آنے پائی -

لوگ زمانۂ جاہلیت مین اپنے اس وطنی تاجدار کی بہت تعریفین کرتے

بہت سی چیزون کی ابتدا، کو اُس کی جانب منسوب کرتے تھے - کہتے

کے پہلے اسی بادشاہ نے تیل بتی کے چراغون کو چھوڑ کے نفیس اور

عطری شمعین اپنے محلون مین روشن کین - اور لڑائی مین منجنیقون سے

اسی نے کام لیا - شاید یہ مشکل ہوگا کہ ان چیزون کی ایجاد ہی جذیمہ

منسوب کی جائے - مگر اس مین شک نہین کہ عربون کو دنیا وی ترقیون

سب کے پہلے اسی تاجدار نے دکھائے - اور اُنھون نے اُسی کے قصر

مین پہلے پہل حیرت کی نگاہون سے یہ چیزین دیکھین -

جذیمہ نے جہاں اور بہت سے ملوک طوائف کو شکستیں دیں اور بہتوں کو قتل کیا
وہاں زبّا کے باپ فرماں روائے الجزیرہ کو بھی شکست دی۔ عین میدان
جنگ میں اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کے بہت سے ملک پر قابض ہو گیا۔ زبّا
نہایت پریشانی و بدحواسی سے بھاگ کے الجزیرہ کے اُس کنارے پر چلی گئی
اور ایک مضبوط قلعے میں پناہ گزین ہو کے بیٹھ رہی۔ چونکہ اُس میں مردانہ ہمت
تھی لہذا اطمینان سے بیٹھتے ہی آمادہ ہوئی کہ جس طرح بنے اپنے باپ کے خون کا
بدلا لے۔ انتقام کا مادّہ عرب میں قدیم الایام سے چلا آتا تھا۔ اور وہ لوگ
اپنے ہر مقتول کا بدلہ لینا زندگی کا سب سے مقدم فرض خیال کرتے تھے۔ لیکن
اس موقع پر زبّا جانتی تھی کہ میدان جنگ میں جذیمہ سے پیش پانا غیر ممکن ہے
وہ خوب سمجھی ہوئی تھی کہ نہ مجھ میں جذیمہ کی سی بہادری و سپہگری آ سکتی ہے
اور نہ میں اُس کی سی زبردست اور تجربہ کار فوجیں پا سکتی ہوں۔ نہ میرے
جذیمہ کے سے آلات حرب ہیں اور نہ ایسی قلعہ شکن منجنیقیں ہیں۔

سوچتے سوچتے آخر وہ اُسی حربے سے کام لینے پر آمادہ ہو گئی جو عور
قدیمی اور اصلی حربہ ہے۔ یعنی حسن و جمال اور مکر و فریب۔ یہی خیال کر کے
جذیمہ کے پاس پیام بھیجا کہ "آپ مجھ سے شادی کر لیجیے تو یہ باقیماندہ ملک
آپ کا ہو جائے۔ اور میں بھی آپ کے ساتھ مل کے ایک بڑے ملک اور ا
باجبروت سلطنت کی ملکہ بن جاؤں گی۔" زبّا کے حسن و جمال کا شہرہ ہو
رہا تھا۔ جذیمہ اس پیام کے پہنچتے ہی دل و جان سے عاشق زار ہو گیا۔
ملک گیری کی طمع ایسی غالب ہوئی کہ باوجود پیر فانی ہونے کے نکاح کر
ٹھان لی۔ عرب کہتے ہیں کہ وہ پورے سو برس تک حکمران رہا تھا جس
پتہ لگ سکتا ہے کہ اِن دنوں اُس کی عمر کیا ہو گی۔ مگر عشق اور طمع دونوں
عقل کی دشمن ہیں۔ فوراً اس پیام کے منظور کر لینے پر آمادہ ہو گیا۔

تاہم بڑھاپے نے اتنی احتیاط سوجھائی کہ وزرائے دولت کو جمع کر
مشورہ کیا۔ اور سب وزیروں نے تو خوشامد سے اس تجویز کو بہت ہی پسند کی
قصیر بن سعد نام ایک شخص نے جو اُس کا خالص دوست اور بڑا ہی صاحب

عقل و فراست تھا۔ دیر تک سوچ کے اور غور کر کے کہا "اس پیام کو تو آپ نہ قبول کیجیے۔ اس لیے کہ اس میں مکاری و کیا دی کی بو آتی ہے۔" مگر جذیمہ کے دل پر تو عشق اور طمع کے دو زبردست دیو مسلّط تھے وہ بھلا ایسی عاقبت اندیشی کی نصیحت کو کیونکر سن سکتا تھا؟ خیر اندیش وزیر کی بات ماننے سے قطعاً انکار کیا۔ اور زبّا کے پاس کہلا بھیجا کہ "میں تو مدت سے تمھارے رُخِ زیبا کا دیوانہ ہوں۔ ممکن ہے کہ شادی سے انکار کروں؟" یہ پیام بھیجتے ہی معشوقۂ ناز آفریں سے ملنے اور دولتِ وصل حاصل کرنے کے شوق میں چل کھڑا ہوا۔

قصیر نے جب دیکھا کہ بادشاہ میری سنتا ہی نہیں تو ادب سے عرض کیا اچھا حضور میری رائے نہیں مانتے ہیں تو ایک کام کریں۔ حضور جب وہاں پہنچیں اور زبّا کا لشکر استقبال کو آئے تو اس بات کو غور کر کے دیکھیں کہ فوج کس طرح پیش آتی ہے۔ اگر سامنے آتے ہی وہ لوگ پاپیادہ ہو جائیں ادب سے کھڑے ہو کے آدابِ شاہی بجا لائیں تو سمجھیے کہ میری رائے غلطی اور میں محض بدگمانی میں مبتلا تھا۔ اور اگر وہ لوگ آداب بجا لاتے آپ کو گھیر کے کھڑے ہو جائیں تو جانیے کہ وہ دغا دینے اور آپ کو ضرر دینے پر آمادہ ہیں۔ میں حضور کے قریب ہی رہوں گا۔ اگر یہ آخری صورت آئی تو فوراً حضور کے اصطبل کا بے مثل و بے نظیر اور ہوا سے باتیں کرنے والا جس کا نام عصا ہے آگے بڑھ کے پیش کر دوں گا۔ حضور بلا تامل اس پر سوار ہو کے بھاگ کھڑے ہوں۔ اور اپنی جان بچا کے واپس چلے آئیں۔ اگر اس کی فوج نے گھیرنے کا رُخ بھی کیا تو یقین جان لیجیے کہ زبّاء آپ کے ساتھ دشمنی کر کے باپ کا بدلہ لینے پر تُلی ہوئی ہے۔"

یہ تجویز ٹھہر جانے کے بعد جذیمہ مع قصیر کے روانہ ہوا۔ اور شوق کے پروں پر اڑتا ہوا چند ہی روز میں خاص اُس قلعے کے نیچے جا کھڑا ہوا جس میں ملکہ رہتی تھی۔ زبّا کا لشکر اور اُس کے سردار و معززین استقبال کے لیے باہر آئے۔ سامنے آ کے آدابِ شاہی بجا لائے۔ اور ساتھ ہی چاروں طرف سے ہجوم کر کے

جذیمہ کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔ قصیر یہ رنگ دیکھتے ہی گھستا ہوا اپنے تاجدار کے پاس پہونچا اور عصا نام گھوڑے کو پیش کر دیا۔ لیکن عشق نے جذیمہ کو اسقدر اندھا کر رکھا تھا کہ اُس نے گھوڑے کی طرف رُخ بھی نہ کیا۔ اور زبا کا جمال جہان آرا دیکھنے کے شوق میں قلعے کے اندر چلا گیا۔ یہ حالت دیکھ کے قصیر مایوس ہو گیا۔ اور اُس شاہی گھوڑے پر خود سوار ہو کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اُسے جاتے دیکھ کے بے اختیار ایک حسرت کے ساتھ جذیمہ کی زبان سے نکل گیا "ما ذل من جرت به العصا" (جسے عصا لیے جاتا ہو اُسے کبھی ذلت نہ نصیب ہو گی)۔

جذیمہ جب قلعے میں داخل ہوا تو لوگ اُسے اوپر قصر شاہی میں لے گئے۔ اور امیدوار کیا کہ اب آپ کو اپنی معشوقۂ جادو نگاہ کا دیدار نصیب ہی ہوا چاہتا ہے۔ تھوڑی دیر میں لوگ اُسے یہ کہہ کے "اب خلوت کدۂ عروسی میں چلیے" ایک دوسرے کمرے میں لے گئے۔ جہاں ملکۂ زبا کا اُس کا سامنا ہوا۔ بادشاہ تو شاید بیتابی کی رو نمائی میں اپنی جان شیریں قربان کرنے کو تیار ہی ہوگا۔ مگر افسوس ملکۂ زبا بھی اسی قربانی کی طالب تھی۔ وہ سادے اور معمولی لباس میں تھی اُس عہد کی وضع کے موافق بال کھلے ہوئے تھے۔ زلفیں شانوں پہ لہرا رہی تھیں۔ تاج سر پر تھا۔ ریشمی کرتا گلے میں تھا۔ اور شمشیر برہنہ ہاتھ میں تھی۔ جذیمہ کی صورت دیکھتے ہی مسکرا کے بولی "میرے پاس دُلھن بننے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ اور نہ اس قابل ہوں کہ مجھ سے کوئی لطف اُٹھا سکے۔" شاید اس جملے کا یہ مطلب ہوگا کہ میں باپ کے غم میں ایسی غمزدہ ہوں کہ میری صحبت میں کسی کو مسرت نہیں حاصل ہو سکتی۔ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را۔

بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کے نہایت ہی بانکپن سے یہ دو جملے کہہ کر اُس نے حکم دیا کہ ایک نطع[ع] (چرمیں فرش) بچھایا جائے۔ اور بادشاہ کو اُس پر بٹھا دو۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ جذیمہ ایک چمڑے کے بچھونے پہ بٹھا دیا گیا۔ اور اُس کے دونوں ہاتھوں کی نبضیں زبا کا اشارہ ہوتے ہی کھول دی گئیں۔

ع نطع ایک قسم کا چمڑے کا دسترخوان ہوتا تھا۔ اُس پر یا تو کھانا کھایا کرتے تھے اور یا اس پر بٹھا کے لوگوں کی گردن ماری جاتی تھی تاکہ خون کے دھبے اُچھلے فرش میں نہ لگنے پائیں۔

زباد کے دربار کے نجومیوں نے اُس سے کہا تھا کہ اس بات کا پوری طرح لحاظ رکھا جائے کہ جذیمہ کے خون کا کوئی قطرہ زمین پر نہ گرے۔ زمین پر اُس کا خون گرا اور یقین جان لیجیے کہ کوئی نہ کوئی اُس کے خون کا انتقام لینے کو اُٹھ کھڑا ہوگا اور وہ انتقام لے لے گا۔ اسی غرض سے یہ چمڑے کا فرش بچھوایا گیا تھا۔

جذیمہ عشق کے پھندے میں پھنس کے اور زلف گرہ گیر کا قیدی ہو کے اپنی خوبصورت و دلربا قاتلہ کے ہاتھ میں گرفتار تو ہو گیا تھا۔ مگر بالذات بڑا ہی بہادر اور دل کا مضبوط تھا۔ جس استقلال و مردانگی سے اُس نے جان دی اُس پر سب دیکھنے والے عش عش کر رہے تھے۔ دونوں کلائیوں سے خون کے فوارے چل رہے تھے اور وہ متانت و استقلال سے بے خوف و ہراس بیٹھا ہوا تھا۔ بہتے بہتے خون کا ایک قطرہ چمڑے کے فرش کے باہر گرا تو ملکہ زبا چونک گئے اور گھبرا کے بولی "دیکھو! یہ بادشاہوں کا خون ہے۔ کوئی قطرہ ضائع نہ جانے پائے۔" جذیمہ نے یہ سنتے ہی نہایت ہی متانت مگر حسرت آمیز استقلال سے جواب دیا "جس خون کو خود اُس کے لوگوں نے ضائع کر دیا اُسے جانے ہی دو۔" اس سے یا تو اُس نے خود اپنی ذات سے مراد لی تھی کہ میں ہی نے اپنے خون کی قدر نہ کی تو اور کوئی کیا قدر کرے گا۔ اور یا شاید اپنی قوم کے لوگ مراد ہوں کہ افسوس یہ خون ضائع جا رہا ہے اور کوئی انتقام لینے والا نہیں۔ بہر حال یوں ہی خون بہتے بہتے جذیمہ ناتوان ہو کے گرا۔ اور تھوڑی دیر میں مر گیا۔

قصیر بادشاہ جذیمہ کا ساتھ چھوڑ کے بھاگ تو گیا تھا۔ مگر ادھر ہی اُدھر لگا رہا تاکہ بخوبی تحقیق کر لے کہ بادشاہ کا کیا حشر ہوا۔ جب اُسے یہ ساری سرگذشت معلوم ہو گئی تو حسرت و اندوہ کے ساتھ روتا ہوا حیرہ میں واپس گیا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ بادشاہ جذیمہ کے عشق کا کیا انجام ہوا۔ سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ اور ناگہان در و دیوار پر ایک حسرت سی برس گئی۔ چونکہ جذیمہ کی کوئی اولاد نہ تھی لہذا اُس کی جگہ اُس کا بھانجا عمرو تاج شاہی پہن کے تخت حیرہ پر بیٹھا۔ اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ لیکن قصیر کے دل میں بادشاہ کی موت ایک کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ وہ اسی دُھن میں تھا کہ جس طرح بنے زبا سے بدلہ لیا جائے۔ ایک دن عمرو کے

پاس بیٹھ کے کچھ ایسے مؤثر الفاظ میں جذیمہ کی بےکسی کی موت کی تصویر دکھائی کہ عمرو اپنے بھائی اور ماموں کا انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ اُس نے فوج کشی کا ارادہ کیا تو قصیر نے روکا اور کہا "یوں آپ اُس ہوشیار شاہزادی سے پیش نہ پائیں گے۔ اول تو اُس کے قلعے پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہے۔ اور بفرض محال قبضہ بھی ہو جائے تو وہ اس چالاکی اور پھرتی سے نکل جائے گی کہ آپ ہاتھ مل کے رہ جائیں گے۔" عمرو نے پوچھا "پھر کیا کیا جائے؟" جواب دیا "اس کا بندوبست میں کروں گا۔ آپ فقط میری تدبیروں کے موافق مدد دینے کا اور جس وقت میں کہوں اٹھ کھڑے ہونے کا وعدہ کریں تو میں اپنی تدبیریں شروع کر دوں۔ جس حربے سے زباء لڑی ہے اُسی حربے سے اُس کے مقابل لڑنا چاہیے۔ اور جس مکاری سے اُس نے اپنا مطلب نکالا ہے اُسی مکاری سے میں اپنا مطلب نکالوں گا۔" عمرو نے کہا "بہتر۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری پوری مدد کروں گا۔ اور جب کہو گے اُٹھ کھڑا ہوں گا۔"

عمرو سے مدد کا وعدہ لینے کے بعد قصیر نے زباء کے قلعے کی راہ لی۔ راستے میں اپنی ناک اور کان کٹوا ڈالے۔ اور اس حیثیت سے اپنی مصیبت پر روتا اور آہیں کرتا ہوا زباء کے علاقے میں داخل ہوا۔ اور اُس کے قصر کے نیچے پہونچا۔ ملکہ زباء نے ترس کھا کے اوپر بلوایا اور پوچھا "تم پر یہ مصیبت کیونکر اور کس کے ہاتھوں سے نازل ہوئی؟" کہا "ظالم فرمانروائے حیرہ عمرو کے ہاتھ سے۔ اور بغیر اس کے کہ میں نے کوئی خطا کی ہو یا کوئی جرم مجھ سے سرزد ہوا ہو۔" زباء کو اُس کے حال پر ترس آ گیا۔ اور کہا "خیر اب اس غم کو دل سے دور کرو۔ اور میرے پاس اطمینان آرام سے رہا کرو۔" یہ تو قصیر چاہتا ہی تھا۔ فوراً راضی ہو گیا۔ اب وہ شب و روز قلعے میں رہتا اور ملکہ کے مزاج میں در خور پیدا کرتا تھا۔ چونکہ نہایت ہی لائق زبان آور شخص تھا۔ اور مدت تک ایک بڑے دربار کی وزارت کر چکا تھا۔ چند روز میں شاہزادی پر اس قدر حاوی ہو گیا کہ اُس کی نظر میں نہ کوئی اس سے اُونچے آدمی سے اچھا شخص تھا اور نہ کوئی اتنا معتبر و معتمد علیہ تھا۔

چونکہ قصیر ایک سیاح و جہاں دیدہ آدمی تھا لہذا شاہزادی نے پہلے

نے کام لینا شروع کیا کہ اُسے دیگر بلاد مین سوداگر بنا کے بھیجتی۔ اور اُس کی معرفت اپنی ضرورت اور اپنے شوق کی چیزین منگواتی۔ اُس کی فرمایشین پوری کرنے کے بہانے قصیر بار بار حیرہ مین آتا۔ عمرو سے کہتا "اب انتقام لینے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تیار رہیے گا۔ جس وقت مین کہون بس اُسی وقت چل کھڑے ہوجیے۔" اور اسکے جواب مین وعدے لے کے زبا کی فرمایشین خریدتا اور اُس کے قلعے مین حاضر ہو جاتا۔

اب قصیر کا اعتبار و اعتماد اس قدر بڑھ گیا کہ شاہزادی زبا نے اپنے خزانون کی تمام کنجیان اُس کے ہاتھ مین دے دین۔ اور کہا "اس مین سے جس قدر تمھارا جی چاہے خرچ کرو۔" اپنے تمام راز کھول دیے۔ اور اُس کے تمام رموز سے اُسے واقفیت ہو گئی۔ خزانے کی کنجیان ہاتھ مین لے کے قصیر نے شاہزادی سے کہا "اس دولت و حشمت کا شکریہ یہ ہے کہ اسی روپے سے مین حضور کے لیے نہایت اعلیٰ درجے کا سامان اور مال و اسباب لے آؤن۔ اور عراق کی ساری نفیس چیزین ہماری شاہزادی کے قلعے مین جمع ہو جائین۔" ملکۂ زبا نے اجازت دی۔ اور وہ بہت کچھ مال و دولت لے کے قلعے سے چل کھڑا ہوا۔ وہان سے نکلتے ہی سیدھا حیرہ مین آیا۔ اور عمرو سے مل کے کہا "چلیے۔" عمرو نے فوج لے کے شاہی شان و شوکت سے سفر کرنے کا ارادہ کیا تو قصیر نے کہا "یون نہین۔" عمرو نے کہا "پھر کس طرح؟" کہا "تھوڑے سے چیدہ چیدہ تلے اور بہادر و آزمودہ کار سپاہی چن لیجیے۔ اُن کو خود و زرہ اور تمام اسلحۂ جنگ سے آراستہ کیجیے۔ پھر کوئی دو سو چمڑے کے مشبک صندوق بنوائیے جو اندر ہی سے بند کر لیے جائین۔ اور اندر ہی سے کھول لیے جا سکین۔ اُن سب سپاہیون کو کہیے کہ مع اپنے اسلحے کے اُن کے اندر بیٹھ کے اندر سے بند کر لین۔ پھر اُن سب صندوقون کو اچھے تیز رَو اونٹون پر لادیے۔ اور بہت سے سپاہیون کو ساربان بنایے جو زرہ کے اوپر ساربانون کے کپڑے پہنے ہون۔ اسی طرح ہم آپ ایک تاجرانہ قافلے کی شان سے چلین۔ تا کہ کسی کو بدگمانی نہ ہو۔"

عمرو نے یہ سب سامان درست کر دیا۔ اور چند ہی روز بعد یہ پُر مکر و فریب

قافلہ تاجروں کی وضع قطع سے روانہ ہوا۔ ہر ہر اونٹ پر دو دو صندوق تھے اور ایک ایک ساربان۔ جو دن بھر کوچ کرتے اور رات کو سڑک سے علیحدہ ہو کے کسی جنگل میں ٹھہر جاتے۔ جہاں وہ سب لوگ آزادی سے باہر نکل کے کھاتے پیتے اور آرام کرتے۔

آخر قطع منازل کے بعد یہ قافلہ ملکہ زبّا کے قلعے کے سامنے پہونچا۔ قصیر ہمراہیوں کو قافلے پر چھوڑ کے ملکہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور نہایت ہی ادب و عاجزی سے آداب شاہی بجا لایا۔ ملکہ نے کمال شفقت سے خیریت دریافت کی اور پوچھا ہمارے لیے کیا کیا لائے؟" عرض کیا "میرا قافلہ شہر سے باہر ٹھہرا ہوا ہے۔ آپ کی حضور کے اقبال سے مجھے بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ اور ایسا سامان لایا ہوں جیسا کبھی حضور کی نظر سے نہ گذرا ہوگا" زبّا نے خوش ہو کے کہا "تو قافلے کو اندر لاؤ۔ میں بھی اپنے قصر کے برج میں بیٹھ کے اُس کے آنے کی سیر دیکھوں گی۔" قصیر نے زمین بوس ہو کے عرض کیا "ضرور ملاحظہ ہو۔ یہی بات عرض کرنے کے لیے میں قافلے سے پہلے چلا آیا۔"

الغرض ملکہ زبّا شاہانہ ٹھاٹھ سے قلعے کے برج میں جا کے بیٹھی۔ جہاں سے گرد کا منظر دور دور تک نظر آتا تھا۔ اور وہ خوشنما سڑک جو مشرق و مغرب کے قافلوں اور مسافروں اور سیاحوں سے اکثر بھری رہا کرتی تھی کسی خوش جمال کی مانگ کی طرح نشیب و فراز عالم کا تماشا دکھاتی ہوئی فرسخوں تک دوڑتی چلی گئی تھی۔ وہ اپنے برج میں آ کے بیٹھی ہی تھی کہ سامنے سے وہ عظیم الشان قافلہ نمودار ہوا۔ اونٹ گردنوں کو ہلاتے اور جھومتے ہوئے چلے آتے تھے اُنکے گلے میں گھنگرو بج رہے تھے۔ جلاجل و بوق جنھیں قافلے والے بجاتے تھے انکی بلند آوازیں گرد کے دشت و کوہسار میں گونجتی اور قلعے کی دیواروں سے آ آ کے ٹکراتی تھیں۔ حدی خوانوں کا نغمہ گرد کی فضا میں ایک محویت و بیخودی کا سماں پیدا کر رہا تھا۔

آخر قافلہ آتے آتے خاص قلعے کے نیچے پہونچا۔ جس کا دروازہ چشم انتظار کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اور پہرا ان دوست نما دشمنوں کے استقبال کے لیے گویا

آغوشِ شوق کھولے ہوئے تھے۔ اب اس قافلے کا بہت سا حصہ قلعے میں داخل ہوگیا۔ اور کچھ باہر تھا کہ ملکہ ان قطاروں کی تھکی ہوئی رفتار میں کوئی غیرمعمولی بات دیکھ کے کھٹکی۔ اور دو شعر پڑھے جن کا ماحصل یہ تھا کہ "یہ اونٹ کیوں جست کرتے ہوئے چلتے ہیں؟ کیا ان پر لشکر ہے؟ یا لوہے کی زرہیں اور اسلحہ ہیں؟"۔

قلعے میں داخل ہوتے ہی تمام سپاہی جو پہلے سے مسلح اور جنگی لباس سے آراستہ تھے صندوق کھول کھول کے باہر نکل پڑے۔ اور دفعۃً زور وشور سے قلعہ والوں پر حملہ کر دیا۔ اور آناً فاناً قتل وخون کا بازار گرم ہوگیا۔ مرد تہِ تیغ ہونے لگے۔ عورتیں اور بچے گرفتار کیے جانے لگے۔ اور فریاد و واویلا کا شور بلند ہوا۔

ملکہ زبا نے یہ حالت دیکھی تو سمجھی کہ اُسے فریب دیا گیا۔ اور قصیر دوست نہیں بلکہ اُس کا دغاباز دشمن تھا۔ اس وقت اور کوئی تدبیر نہ بن سکتی تھی ارادہ کیا کہ اُس مخفی سرنگ کی راہ سے جو قلعے سے باہر تک گئی ہے نکل جائے اور بھاگ کے کسی اور جگہ جو رہے۔ مگر قصیر کو جہاں قلعہ کے اور سب راز معلوم ہو گئے تھے وہاں اس سرنگ کا حال بھی معلوم ہوگیا تھا۔ اور اسی خیال سے کہ ملکہ اس راہ سے نکل نہ جائے اُس نے خود عمرو کو لیجا کے پہلے ہی سے اُس سرنگ کے دہانے پر کھڑا کر دیا تھا۔ شاہزادی جیسے ہی بدحواسی اور گھبراہٹ کے ساتھ وہاں پہونچی عمرو تلوار لیے کے دوڑا اور بولا "کہاں جاتی ہو؟ جذیمہ کا خون بے انتقام نہیں رہ سکتا"۔ یہ دیکھتے ہی وہ ٹھٹھک کے کھڑی ہو گئی۔ عمرو کی صورت دیکھی جو سراپا ہیبت و خوف کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ پھر ہوش سنبھال کے بولی "یہ نہ ہوگا۔ وقت ہی آ کے برابر ہوگیا ہے تو اور چارے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ مروں گی۔ مگر عمرو کے ہاتھ سے نہیں۔ بلکہ خود اپنے ہاتھ سے"۔ یہ کہتے ہی ایک بجلی کی پھرتی سے اپنا ہاتھ منہ کے پاس لے گئی۔ ہیرے کی انگوٹھی کے نگ کو دانتوں سے کتر کے کھا گئی۔ اور قبل اس کے کہ عمرو حربہ کرنے کی جرأت کرے۔ زمین پر بیتاب ہو کے گری۔ اور تڑپ تڑپ کے مر گئی۔

یوں اس لائق۔ ہوشیار۔ اور خوبصورت ملکہ کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔ اور گو

خودکشی نامردی و بزدلی سمجھی جاتی ہے۔ مگر وہ اپنی اس بہادرانہ خودکشی سے ایک اعلیٰ درجے کی شجاعت کا نمونہ دنیا کو دکھا گئی۔ اس کے بعد اس قلعہ اور اس کے تمام توابع پر عمرو کا قبضہ ہو گیا۔ اور قصیر جس نے پرائے شگون کے لیے اپنی ناک کٹوائی تھی مدتوں تک حیرہ کے دربار کا وزیر و معتمد علیہ رہا۔

حسن کی کرشمہ سازیاں

غالباً دنیا کا کوئی حصہ اور کوئی ملک نہ ہوگا جہاں عورت اور مرد کے تعلقات نے نئے نئے کرشمے نہ دکھائے ہوں۔ بیشک دنیا کی تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے کہ زبردست تاجداروں اور نامور پہلوانوں نے اپنے زور بازو اور اپنی شمشیر خارا شگاف سے بڑی بڑی سرکش قوموں کو مغلوب و مقہور کر دیا مگر انھیں کے سلسلے میں بہت سے ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں جن میں عورتوں نے اپنے حسن عالمگیر کی قوت اور اپنے دلربائی کے اسلحہ۔ اپنی نظر کے تیروں اور گیسوؤں کی کمندوں سے اُن مشہور و معروف ناموروں کو بھی مغلوب و مقہور کر دیا جو بڑی سخت اور سرکش قوموں کو اپنا غلام اور تابع فرمان بنا چکے تھے۔ دلگداز میں ہم اس قسم کی حسین عورتوں کے حالات کا ایک سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین پر روشن ہوگا کہ دنیا میں حسن زاہد فریب نے کیسے کیسے کرشمے دکھائے ہیں۔ اور کیسی کیسی فتحیں حاصل کی ہیں۔

زلیخا

(ملک مصر میں)

یوں تو ناز آفرینی و ناز برداری اور دل ربائی و دل فروشی کی گرم عشق و محبت کے چراغ کو ہمیشہ اور ہر جگہ اُکساتی اور تیز کرتی رہتی ہے۔ مگر اس بارۂ خاص میں ساری دنیا پر ایک نمایاں فوقیت حاصل ہے۔ شعرائے عجم ترکوں کے حسن و جمال کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان اور ایک شیرازی کے خالِ ہندو پر سمرقند و بخارا کو قربان کرتے رہے۔ گرجستان

حسن و جمال کا ایک زمانہ گرویدہ ہو رہا ہے - اور وہ کوہ قاف کی پریاں ہی ہیں جو صدیوں اور مدت ہائے دراز سے ایران و روم کے شاہی محلوں کی زیب و زینت بنی ہوئی ہیں - متھرا جی کی گوپیوں نے سری کرشن جی کی دیوتائی کی شان میں زندہ دلی کی جان ڈالی ہے - مگر سرزمین مصر نے اپنی نازنین مہوشوں کی دلربائی و دلفریبی کے جیسے جیسے کارنامے صفحات تاریخ پر درج کرا دیے ہیں اور کسی ملک کو نہیں نصیب - کیونکہ زلیخا اور قلوبطرہ (کلوپیٹرا) کی سی نازنین دلبروں کو کسی ملک کی تاریخ نہیں پیش کر سکی - جنھوں نے دلبری و دلستانی کو ایک فن بنا کے اُس میں انتہا درجے کا کمال دکھا دیا -

زلیخا کے حالات کو یہاں تک شہرت و نمود حاصل ہے کہ توریت اور قرآن کے روحانی لٹریچر میں بھی انھیں جگہ مل گئی - اور قلوبطرہ کے واقعات مورخین روم کے ذریعے سے اس قدر مشہور ہوئے کہ آج ہر زبان کے مورخین کی زبان پر ہیں - اور متین سے متین اہل تاریخ کے بیان میں بھی اُن کا تذکرہ آتے ہی ایک شاعرانہ رس اور مزہ پیدا ہو جاتا ہے - اپنے حسن و جمال کے اثر اور اپنی سحر آفرین آنکھوں کے جادو بھرے تیروں سے کسی کے دل کو زخمی کر دینا ایک ایسا فن ہے جس میں ہر ملک کے حسین کمال رکھتے ہیں - اور ہر جگہ کے عشاق خستہ جگر اپنے دلرباؤں کی بے رحمی کی شکایت کر رہے ہیں - رومی شاعر اووڈ کی مثنوی "آرٹ آف لو" (فن عشق بازی) کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روم کی نازآفریں حسینیں کس خوبصورتی سے دل چھین لیا کرتی تھیں - اور اُنکے ہاتھوں سے عشاق کیسے خستہ ہو رہے تھے - مگر مصر کی یہ دونوں عالم حسن کی ہیروئنیں جنھوں نے داستانوں میں قیامت تک یاد رہنے والی شہرت حاصل کی تھیں سب سے زیادہ رکھتی ہیں کہ اپنے حسن کو موثر بنانے اور اپنے تیر نظر میں جہانگیری پیدا کرنے میں اُنھوں نے جو کمال دکھا دیا اور کہیں کی نازک ادا دلربائیں نہ دکھا سکیں -

زلیخا کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسفؑ کو اُنکے نامہربان بھائیوں نے عرب کے ایک اسماعیلی قافلے والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تو وہ لوگ آپ کو لیکے

مصر کے بازارِ حسن میں پہونچے - اور قطفیر نام ایک معزز عہدہ دار مصر نے [illegible] خرید کر ڈالا - جو دربار فراعنہ میں وزیر خزانہ کی خدمت پر مامور تھا - اور عزیز [illegible] عزیز نے حضرت یوسفؑ کو لا کے اپنی بی بی کے سپرد کیا - جس کا نام [illegible] کے نزدیک تو راعیل تھا مگر خدا جانے کیونکر ایران و ہند کے متاخر شعرا و مورخین میں "زلیخا" مشہور ہو گیا - اور چونکہ اس معزز خاتون کا یہی نام ایران و ہندوستان کے بچے بچے کی زبان پر ہے - لہذا ہم بھی اُسے اسی مشہور نام سے یاد کرتے ہیں عزیز نے حضرت یوسفؑ کو اپنی بی بی کے حوالے کرتے وقت یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ چونکہ ہم لاولد ہیں اس لیے اس خوبصورت کنعانی لڑکے کو بیٹا بنا لیں گے -

جب آپ بڑے اور جوان ہوے - اور آپ کے حسن و جمال میں جوانی کی دلربائی نے جلوہ دکھایا تو زلیخا آپ کی صورت پر فریفتہ ہو گئی - اور اپنے دام میں گرفتار کرنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگی - مگر ایک معصوم پیمبر زادے کے قدم کو لغزش ہونا غیر ممکن تھا - کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی - تب اُس نے مولانا جامی کی روایت کے مطابق ایک مکان کو ایسے طریقے سے سجایا اور آراستہ کیا کہ انسان کیسا ہی بے حس ہو اُس میں قدم رکھتے ہی اُس کے دل میں ایک شورش عشق پیدا ہو جاتی ہر طرف در و دیوار میں ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں جنھیں دیکھ کے دل بے قابو ہو جاتا رہتا - اور ممکن نہ تھا کہ انسان اپنے دل پر قابو رکھ سکے - اُس مکان کے اندر زلیخا یوسفؑ کو تنہا لے گئی - سب دروازے بند کر لیے - اور کمال بیتابیِ عشق کے ساتھ یوسف سے لپٹ گئی - یہاں کے عالم کو دیکھ کے یوسف بھی از خود رفتہ ہو کے قریب تھا کہ اُس کے دام زلف میں گرفتار ہو جائیں - مگر ساتھ ہی تنبہ ہوا - اور بے اختیار بھاگے - زلیخا نہایت ہی بیتابی سے پیچھے دوڑی اور دامن پکڑ لیا مگر یوسف نے ایسا بے اختیاری سے جھٹکا دیا کہ دامن پھٹ کے اُس کے ہاتھ میں رہ گیا اور دروازہ کھول کے باہر نکل پڑے -

---

حاشیہ: توراۃ اور قرآن مجید میں اس خاتون کا کوئی نام نہیں بتایا گیا ہے اور وہ عزیز کی زوجہ "امرأۃ العزیز" کے الفاظ سے یاد کی گئی ہیں - عرب کے قدیم مورخین ابن اثیر وغیرہ اس محترم خاتون کا نام راعیل بتاتے ہیں - مگر اب مسلمانوں میں اُس کا نام زلیخا مشہور ہے -

باہر نکلتے ہی عزیزِ مصر کا سامنا ہو گیا۔ جس نے دونوں کو اس حالت میں دیکھا کہ آگے آگے تو نہایت بدحواسی کے عالم میں یوسف ہیں۔ پیچھے اُس کی جورو جو …ور یوسف کا پھٹا ہوا دامن اُس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ دیکھ کے اُدھر تو وہ بھونچکا …رہ گیا۔ اِدھر ان دونوں کا یہ عالم ہوا کہ ع۔ "کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں"۔ مگر …لیخا کی پُرفن طبیعت اور پُرفن فطرت نے اُسے سنبھالا۔ شوہر کی طرف دیکھ کے بے تحاشا چلائی "تمہاری بی بی کے ساتھ جو کوئی بُرا ارادہ کرے اُس کی سزا قید …کے سوا بھلا کیا ہو سکتی ہے؟" یہ سُن کے یوسف میں تاب نہ رہی۔ بولے "خود ہی میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ اور اُلٹے مجھی کو الزام دیتی ہیں۔ میں جان بچا …ے بھاگا تو میرے پیچھے دوڑیں اور میرا دامن پھاڑ لیا۔" اب عزیزِ مصر متردد …کہ کیا فیصلہ کرے۔ اور کسے الزام دے کہ اُس کا چچازاد بھائی جو اتفاقاً اُسکے [illegible] …ہی کے دیکھنے سے دونوں کا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ اگر [illegible] …کا دامن پھٹا ہو تو جانئے کہ زلیخا سچی ہیں اور یوسف جھوٹے [illegible] …دامن پھٹا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یوسف سچے ہیں اور یہ [illegible] …تجویز کے مطابق کُرتے کا جو معائنہ کیا گیا تو نظر آیا کہ پچھلا دامن [illegible] …ثبوت کے بہم پہنچتے ہی زلیخا کا سر ندامت سے جھک گیا۔ …بی بی کی طرف دیکھ کے کہا "یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ سچ یہ ہے کہ تم …بڑی مکار ہوتی ہو۔" بی بی کو سزا کیا دیتا؟ اور پھر عزیز سا ناکارہ آدمی …مشہور تھا کہ عورتوں کے کام ہی کا نہیں ہے۔ اس واقعہ کو اتنے …دیا کہ زلیخا سے کہا "بی بی۔ سارا قصور تمہارا تھا۔ لے اب گناہ سے …ور پھر ایسا نہ ہو۔"

…موقع تھا جبکہ زلیخا نے اپنے حسن و جمال کے اثر۔ اپنے ناز و انداز …ل دلبری سے ایک پیغمبر زادے کے دل پر فتح پانے کی کوشش کی …پیغمبری کے دامنِ عفت میں دھبہ لگانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ …با نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن ایک دوسرے موقع پر جب اُس نے حسن …یان دکھانے کے ہنر میں کمال چالاکی دکھا کے اس بات کی

کوشش کی کہ حسن یوسف کا اثر تمام پریوش خاتون مصر کے دلوں پر ڈال دے اور اپنے آپ کو معذور ثابت کرے پوری طرح فتحیاب ہوئی۔

یہ سین بھی نہایت ہی دلفریب تھا۔ اور سوا مصر کی سرزمین کے اور کہیں شاید نہ نظر آیا ہوگا۔

اس کی بنا یہ تھی کہ زلیخا کے دل ہاتھ سے دے بیٹھنے کا حال جب اُمرا مصر کے گھروں میں مشہور ہوا اور تمام معزز خاتونیں انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ کاٹ کے زلیخا کو الزام دینے لگیں کہ "دلی شوق پورا کرنے کے لیے ایک غلام ہی تھا۔ زلیخا کو کوئی شریف زادہ نہ ملتا تھا؟" تو اپنے سر سے یہ الزام اُٹھانے کے لیے زلیخا نے ایک دن تمام خاتونان مصر کی دعوت کی جس میں بڑا ہی تکلف کا سامان کیا۔ دو کمرے نہایت دولتمندی سے آراستہ کیے۔ جدھر جاتی سونے کی جھالریں جھلک رہی تھیں۔ زرد مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ پردے دیبا و حریر کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ اور اُن کی آراستگی میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا تھا۔ پھر ایک کمرے میں اُس نے چابکدست مشاطاؤں کو حکم دیا کہ یوسف کو بنا چُنا کے دولہا بنا دیں۔ آپ کے بالوں میں کنگھی کر کے موتی پرو دیے گئے۔ حریر زرد کے کپڑے پہنائے گئے جس میں سنہرے روپہلے اور سرخ گل بوٹوں پر سبز رنگ کی چڑیاں بٹھائی گئی تھیں۔ اطلس سرخ کا پائجامہ اور سر پر موتیوں اور جواہرات کا مرصع تاج پہنایا۔ اُس تاج کے نیچے سے آپ کی خم دار زلفیں نکلی ہوئی تھیں جو پیشانی پر مار پیچاں کی طرح بل کھانے کے بعد چہرے کے گرداگرد چکر کھاتی ہوئی سینے پر لٹکا دی گئی تھیں۔ ادھر اُدھر دونوں رخساروں پر دو زلفیں بچھوؤں کے ڈنک کی طرح مناسب خم کے ساتھ نکال دی گئی تھیں اور باقی زلفیں پیٹھ پر بکھری ہوئی تھیں جن میں موتی گوندھ کے اور طلائی ڈال کے عجب پُرلطف جال شانوں اور پیٹھ پر پھیلا دیا گیا تھا۔ دونوں کانوں میں دو اعلیٰ درجے کے موتیوں کے گوشوارے پڑے تھے۔ گلے میں طلائی طوق تھا۔ کمر میں سونے کا پٹکا تھا جس میں یاقوت کی گھنڈیاں اور موتیوں کی جھالریں لگی تھیں۔

جب حضرت یوسف اس طرح بنائے چُنائے اور سنوارے جا چکے تو دوسرے
اُس سے زیادہ پُر تکلف کمرے میں دسترخوان بچھایا گیا۔ جس پر تمام حسین و
نازآفرین مہمانوں نے بیٹھ کے ہر قسم کے الوانِ نعمت کا لطف اُٹھایا۔ اسکے
بعد جامِ شراب کا دَور چلا۔ اور شراب کے بعد جب میوہ خوری کا وقت آیا
تو ہر خاتونِ مصر کے سامنے ایک ترنج اور ایک چھُری لا کے رکھ دی گئی۔ تاکہ
اُنھیں کاٹ کے کھائیں۔ ابھی وہ پھلوں کو کاٹنے نہیں پائی تھیں کہ زلیخا
نے اُن سب خاتونوں کی طرف متوجہ ہو کے کہا "بی بیو۔ میں نے سُنا ہے کہ
ایک غلام کے متعلق تم سب مجھے الزام دیتی ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟" سب نے
کہا "ہاں سچ ہے۔ ہمارے خیال میں آپ کا حُسن و جمال اُس مرتبے کا ہے کہ
اُس پر بادشاہوں اور شاہزادوں کی نظریں پڑنی چاہییں تھیں۔ نہ یہ کہ
ایک غلام پر فریفتہ ہو کے آپ اپنی بے قدری کر دیں!" زلیخا نے کہا "مگر تم
اس امر کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتی ہو" پھر حکم دیا کہ مغرب کی طرف کے زربفت
کے پردے اُٹھا کے حضرت یوسف لائے جائیں۔ مشاطائیں اُسی شانِ رعنائی
سے یوسف کو اندر لائیں۔ صبح کا وقت تھا اور اس کا پہلے سے انتظام رکھا گیا
تھا کہ یوسف جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوں اُنکے چہرے پر آفتاب کی
شعاعیں پڑیں۔ چنانچہ آپ لائے گئے۔ سورج کی نرم شعاعوں نے چہرے
پر سنہرا پانی پھیر کے آپ کے حُسن کو اور چمکا دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ آسمان سے
کوئی فرشتہ اُتر آیا ہے یا آسمانی حُسن دنیا میں جلوہ افروز ہو گیا۔ ساری
خاتونیں مبہوت اور بُت بن کے رہ گئیں۔ زلیخا نے کہا "کیوں کیا ہوا؟ یہ
تم باتیں کرتے کرتے رُک کیوں گئیں؟" سب نے جواب دیا "یہ انسان نہیں
فرشتہ ہے" اس کے بعد سب نے ترنج کاٹنے کا قصد کیا تو بے اختیاری و
بیخودی میں ترنجوں کے عوض اپنی اُنگلیاں کاٹ لیں۔ اُنکی یہ حالت دیکھ
کے زلیخا بولی "یہی وہ غلام ہے جس کے بارے میں مجھے الزام دیا جاتا ہے۔
اور یہی ہے جس پر تم سب مجھے لعنت ملامت کرتی تھیں۔ مگر تمھیں انصاف
کرو کہ ایسے جوان رعنا کو انسان چاہے نہ تو کیا کرے" اب سب نے زلیخا

کی معذوری تسلیم کر لی تو زلیخا نے اُن سے التجا کر کے کہا "جب تمھارا یہ خیال ہے تو خدا کے لیے اسے سمجھا بجھا کے راضی کر دو۔" اب سب عورتوں نے اُٹھ اُٹھ کر حضرت یوسف کو فریب دینا شروع کیا۔ اور بعض بجائے اس کے کہ وہ زلیخا کی وکالت کرتیں۔ آپ کو خود اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مگر بظاہر زلیخا ہی کی سفارش کر رہی تھیں۔

درحقیقت یہ بھی نہایت ہی موثر سین تھا کہ حضرت یوسف۔ سجے سجائے دولھا بنے ہوئے خاموش کھڑے ہیں اور مصر کی ساری حسین و پری جمال عورتیں لباس فاخرہ اور زیور پہنے اور ہر قسم کا بناؤ چناؤ کیے ہوئے آپ کو یا تو زلیخا کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور یا اپنے دام میں پھانسنا چاہتی ہیں۔ بے شک یہ زلیخا کا پہلے سے بھی بڑھا ہوا فریب تھا۔ مگر پیمبرانہ عصمت اس پر بھی غالب آئی۔ اور کسی کا زور نہ چلا یہاں تک کہ زلیخا جب بالکل عاجز و مایوس ہوئی اور کوئی زور نہ چلا تو آپ کو قید خانے میں بھیجدیا۔

قلوبطرہ۔ کلوپیٹرا

زلیخا کے بعد مصر میں قلوبطرہ کے حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ جس کا پا... حیثیت سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ وہ اُس سرزمین کے کسی معزز گھرانے کی ... بلکہ خود ملکہ تھی۔ اور چونکہ وہ اپنے حسن کی کمند کسی پیمبر زادے پر نہیں ڈ... اس لیے اپنے اغراض میں کامیاب بھی خوب ہوئی۔ اور شہوت پرستی ... کے نشیب و فراز میں پڑ کے آخر خود اپنے ہی کرشمہ سازیوں اور نازآفرینیو... ہو گئی۔

سکندر کے ہاتھ سے جب مصر کا پرانا خاندان فراعنہ پامال ہوا۔ او... کا خاتمہ ہو چکا تو اسکے بعد بطلیموس لاغوس کے فرمانروائے مصر ہونے ... بطلیموسیوں کا ایک نیا یونانی خاندان شاہی شروع ہوا۔ جس کے تا... بڑے حامیان علم و فن گذرے ہیں۔ اور انھیں میں وہ بڑا نامی گرا... بطلیموس یا بطلیموس گذرا ہے جسے اکثر لوگ بجائے بادشاہ کے ایک ...

وہ ہندسی جانتے ہیں اور جو پرانے نظام فلکی کا پہلا بانی تصور کیا جاتا ہے۔
اسی خاندان کے پچھلے تاجدار بطلیموس اولی طس کی دو اولادیں تھیں۔ ایک لڑکا بطلیموس اور ایک چھوٹی لڑکی قلوبطرہ۔ قلوبطرہ کے حسن وجمال اور اُس کی ذہانت و قابلیت کے باعث باپ کو اُس سے ایسی محبت تھی کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ میرے بعد قلوبطرہ اور بطلیموس دونوں مل کے سلطنت کریں۔ مگر افسوس دولت وسلطنت وہ چیز ہے جو محبت و قرابت کے تمام رشتوں کو قطع کر دیا کرتی ہے۔ نوعمر بطلیموس سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی بہن کے حق میں ایک نامہربان بھائی بن گیا۔ اور اُسے اُسکے حقوق وراثت سے محروم کر کے گھر سے نکال دیا۔ مگر قلوبطرہ بھی کوئی دبنے والی شہزادی نہ تھی۔ مقابلے کو اُٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا لشکر جرار جمع کر لیا۔
یہ ۶۱۷ قبل محمدؐ یعنی ولادت مسیح سے اڑتالیس سال پیشتر کا زمانہ تھا۔ دولت روم اپنے شباب پر تھی۔ اور وہ دور شروع ہو گیا تھا جبکہ جمہوریت کا زور توڑ کے یولیوس قیصر (جولیس سیزر) سلطنت روم کے سیاہ وسفید کا مالک ہو گیا تھا۔ یولیوس اپنے حریف فامفئی (پامپی) کے تعاقب میں وارد مصر ہوا۔ اور ساحل اسکندریہ پر قدم رکھتے ہی فامفئی کا سر اُسکے سامنے لاکے پیش کر دیا گیا۔ اب وہ واپس چلا جاتا مگر دولت روم کا چونکہ یہ اصول تھا کہ قرب وجوار بلکہ ممالک دور ودراز میں بھی جہاں تک بنے سلطنتوں کے معاملات میں دخل دہی کر کرکے اپنی قوت بڑھائی جائے۔ لہذا یولیوس قیصر مصر کے خاندان شاہی کا جھگڑا چکانے کے لیے اسکندریہ میں ٹھہر گیا۔ اُس کی آمد کی خبر سنتے ہی قلوبطرہ بھی اسکندریہ پہونچی اور کوشش کرنے لگی کہ کسی صورت سے قیصر کے دربار میں پہونچے۔ اُسے اپنے حسن وجمال پر ناز اور دعوے تھا۔ اور سمجھتی تھی کہ ممکن نہیں کوئی شخص میری دلفریب صورت دیکھے اور میرا طرفدار نہ بن جائے۔ اس لیے وہ تو اس فکر میں تھی کہ کسی طرح قیصر سے چار آنکھیں ہو جائیں۔ اور قیصر کی یہ حالت تھی کہ اُس کی صحبت میں بار پانا قریب قریب غیر ممکن تھا۔ اور غالباً یہ بھی قلوبطرہ کے بھائی بطلیموس کی سازش کا نتیجہ تھا جو قلوبطرہ کی کسی صورت سے قیصر تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر قلوپطرہ نے قیمتی کپڑون کے ایک گٹھر مین اپنے آپ کو بندھوایا۔ اور وہ گٹھا تاجرانہ حیثیت سے قیصر کے سامنے پہونچایا گیا۔ جب اُس کی نگاہ کے روبرو وہ گٹھر کھلا تو اُس مین سے قلوپطرہ نکلی۔ جس کی صورت دیکھتے ہی پولیوس دنگ رہ گیا۔ اب مصر کی حسین شاہزادی نے اپنی مظلومی اور اپنی حالت و کیفیت ایسے ناز و انداز سے بیان کی۔ اور اُس کے عالم آشوب حسن۔ اُسکی سُریلی آواز۔ اور اُس کے دلفریب لہجے نے پولیوس پر ایسا جادو کر دیا کہ۔ ع۔ وہ نظرہی وداع طاقت تھی۔ اُس کا دم بھرنے لگا۔ اور جو جھگڑا پیش نظر تھا اُس مین یہی مشہور فیصلہ کر دیا کہ "حق لیلیٰ بود"

اب قیصر یہان تمام دنیا و مافیہا کو بھول گیا۔ نہ روم کی سلطنت یاد تھی اور نہ چند وہ باقی ماندہ حریف جو اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ دو سال تک اسکندریہ ہی مین پڑا رہا۔ دن عید اور رات شب برات۔ قلوپطرہ ہر وقت پہلو مین تھی۔ اور اُس کے تمام ارادون اور حوصلون پر حکومت کر رہی تھی۔ غریب بطلیموس کی قسمت کا یہ فیصلہ ہوا کہ وہ بیچارہ دریائے نیل مین ڈوب کے مار ڈالا گیا۔ اور حشمت فراعنہ کی مالک اکیلی قلوپطرہ تھی جو شب و روز پولیوس قیصر سے ہم آغوش رہا کرتی۔

دو سال کی عیش پرستی کے بعد قیصر کو اپنے مقاصد سلطنت یاد آئے۔ ایشیا اور افریقہ کے دیگر صوبجات کی راہ لی۔ اور قلوپطرہ امن و امان اور آزادی و خود مختاری سے مصر مین حکومت کرنے لگی۔ پولیوس بڑے فتوحات حاصل کر کے نہایت ہی دھوم دھام سے رومۃ الکبریٰ مین داخل ہوا۔ اور اسکے بعد چندہی روز وہان ٹھہرا تھا کہ طرفداران جمہوریت کے ایک سازشی گروہ نے اُسے بیدردی سے قتل کر ڈالا۔ اور اُس کے بعد روم مین سخت جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قتور (سسرو) جمہوریت کے طرفدارون کے ساتھ الگ خوشیان منا رہا تھا۔ پولیوس کی بہن کا پوتا اُکتاویانوس جس نے پولیوس کے گھر اور اُسی کے آغوش مین نشو و نما پایا تھا۔ جو چند روز بعد اُگسطس کا لقب اختیار کر کے دوسرا شہنشاہ روم بنا۔ اور جس کے ہاتھون وہان کی جمہوریت ہمیشہ کے لیے پامال ہوگئی۔ اُسنے

ایک حقدار وراثت کی حیثیت سے سلطنت کا دعوے کیا۔ اور تیسری طرف یولیوس کے نامی گرامی افسر انطونی نے عوام الناس کے ایک بڑے بھاری گروہ کو جمع کر کے یولیوس کے خون کا انتقام لینا چاہا۔ چند روز میں اقطادیانوس اور انطونی باہم مل گئے۔ اور اتفاق کی برکت سے اپنے سب حریفوں اور یولیوس کے دشمنوں اور قاتلوں پر کامیاب ہوے۔

اس کامیابی کے بعد اقطادیانوس تو رومۃ الکبری میں چلا گیا۔ اور انطونی نے ممالک مشرق کی راہ لی کہ وہاں کی سلطنت کو سنبھالے۔ چونکہ مصر پر یہ کہ عائد کیا گیا تھا کہ اُس نے روم کے غالب گروہ کی کوئی مدد نہیں کی۔ لہٰذا ایشیاے کوچک میں پہونچتے ہی انطونی نے نہایت درشتی کے الفاظ میں قلوپطرہ کو لکھا کہ فوراً شہر طرسوس میں حاضر ہو کے جوابدہی کرے۔ جن سخت الفاظ میں یہ فرمان بھیجا گیا تھا اُس سے دولت مصر کی بے شک توہین ہوتی تھی۔ مگر قلوپطرہ عورت تھی اور بہت ہی زِکی تھی۔ ہوشیار اور پُرفن عورت۔ اُس نے دل میں کہا۔ ع۔ گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو۔ جانتی تھی کہ میں کس خوبی اور کیسے دعوے کے ساتھ انطونی کو شیشے میں اُتار سکتی ہوں۔ ان الفاظ کا ذرا بھی بُرا نہ مانا۔ اور فوراً جوابدہی کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسکندریہ سے تو وہ اپنے معمولی جہازوں پر بیٹھ کے گئی۔ مگر طرسوس میں داخل ہونے کی شان ایسی عجیب و غریب تھی کہ ہر طرف ہلچل پڑ گئی۔ اور جس کسی نے دیکھا مبہوت و بدحواس رہ گیا کہ یہ کوئی شاہزادی ہے یا آسمان کی پریاں اور دیویاں زمین پر اُتر آئی ہیں؟ شہر طرسوس سمندر سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ اور اُس کے نیچے دریاے قدنوس بہا ہے۔ قدنوس کے دہانے سے وہ اس طرح چلی کہ اُس کی کشتی نہایت ہی پُرتکلف۔ خوبصورت۔ خوشنما اور زرنگار تھی۔ کیونکہ اس پر جابجا سونے چاندی کا پانی پھرا ہوا تھا۔ اور نظر فریب نقش و نگار اور گل بوٹے بنے ہوے تھے۔ پتوار اور سکّانے کی بلیاں چاندی کی تھیں۔ اور ایک ارغوانی رنگ کا نہایت ہی خوشرنگ پال چڑھا ہوا تھا۔ جو ہوا کے بھرنے سے عجب بہار دکھاتا تھا۔ کشتی کے اوپر ایک زربفت کا شامیانہ بڑی نفاست سے

کھنچا ہوا تھا۔ جس کی مقیش کی جھالر شعاع آفتاب پر چشمک زنی کرتی تھی۔ اُسکے نیچے وہ خود سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے۔ سر سے پانوں تک مرصع زیور اور مغرق کپڑے پہنے اور جواہرات سے لدی ہوئی دیویوں کی شان سے بیٹھی تھی۔

اُن دنوں چونکہ سارے ملک کا مذہب یونانی اور رومی بت پرستی تھی۔ اور اہل روم و یونان کے عقیدے میں حسن و جمال کی دیوی وینس (زہرہ) تھی۔ اُس کی خوبصورتی و رعنائی کی شہرت تھی۔ جس کی نہایت ہی حسین مورتیں ایک عاشقانہ وضع اور ادا میں بنا کے مندروں میں رکھی اور پوجی جاتی تھیں۔ اور انھیں مندروں میں عشق کا دیوتا کیوپڈ ایک معصوم صفت پردار بچے کی وضع میں بنایا جاتا تھا۔ جس کے ہاتھوں میں تیر کمان ہوتے۔ یعنی وہ دلوں پر عشق کا تیر برسایا کرتا ہے۔

اسی عام خیال کے مطابق قلوپطرہ وینس کا بہروپ بھر کے اور اُسی کی ادا آفرینی کی نشست میں عجیب آن بان اور تمکنت و وقار سے اُس شامیانے کے نیچے طلاکار اور مرصع گاؤ تکیے سے پیٹھ لگا کے بیٹھی۔ خوبصورت خوبصورت لڑکے عشق کے دیوتا کیوپڈ کے روپ میں تھے اور تیر و کمان لگائے ہوئے تھے اس کے کھڑے پنکھا جھلتے اور مگس رانی کر رہے تھے۔ صدہا حسین و پری جمال دوشیزہ لڑکیاں جو آسمانی پریوں کے بھیس میں تھیں خدمت کو حاضر تھیں۔ کچھ تو دست بستہ مؤدب سامنے کھڑی تھیں کچھ اُسکے اشاروں پر کام کاج کے لیے دوڑ رہی تھیں۔ اور بہت سی حور وش اور مہ پارہ لڑکیاں جل پریوں کے بھیس میں تھیں جو پانی میں اُتری ہوئی کشتی کو چڑھاؤ پر ڈھکیل ڈھکیل کے بڑھاتی اور لیے جاتی تھیں۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ اصلی وینس آسمان سے اُتر آئی ہے اُسکے تخت کو پریاں اُڑائے لیے جاتی ہیں

ایسا دلفریب اور ہوش رُبا منظر آج تک کبھی کسی کی نظر سے کاہے کو گزرا تھا۔ جو دیکھتا ساتھ ہو لیتا۔ اور دریا کے کنارے ہی کنارے بدحواس کشتی کے ساتھ دوڑنے لگتا۔ اور دین و دنیا بھول جاتا۔ اس شان سے جب یہ ... میں داخل ہوئی تو دونوں طرف دریا کے کنارے خلقت کا ہجوم تھا۔ اور ...

مین ہُلّڑ ہو گیا کہ آسمان سے پریان اُتر آئین - انطونی اُسوقت دربار عام کر رہا تھا - اس خبر کے اُڑتے ہی تمام لوگون نے اُسے چھوڑ دیا - تماشا دیکھنے کے لیے دریا کے کنارے چلے گئے - اور وہ اپنی کرسی پر اکیلا بیٹھا رہ گیا - اتنے مین اُسے خبر پہونچی کہ ملکۂ مصر قلوبطرہ آپ سے ملنے کو آئی ہے - انطونی نے اپنی شاہانہ شان کے قائم رکھنے کے لیے ضبط سے کام لیا اور کہلا بھیجا کہ "وہ یہین چلی آئین - اور اُن کی دعوت ہے" قلوبطرہ نے یہ پیام سُن کے دل مین کہا "اگر انطونی نے میرے آنے کی یہ شان نہ دیکھی تو کچھ نہ ہوا" جواب مین کہا "اُن سے جا کے عرض کرو کہ پہلے آپ میری دعوت قبول کر لین - پھر مین بھی حاضر ہو جاؤن گی" انطونی کو خود ہی اُس شان رعنائی کے دیکھنے کا شوق تھا جس پر ایک زمانہ غش غش کر رہا تھا - بے تکلف دریا کنارے چلا گیا -

وہان جا کے ایک ایسا عالم نظر آیا کہ ہوش و حواس جاتے رہے - اور ایک جان چھوڑ ہزار جان سے ملکۂ قلوبطرہ کا شیدا ہو گیا - اس آراستگی و نمائش - حسن و عشق کے اس کامل بہروپ - اور پھر اس کے ساتھ ملکۂ مصر کی دل لبھانے والی باتون نے ایسا فریفتہ کیا کہ نہ روم کی سلطنت ہی یاد رہی اور نہ اپنی محبت والی بی بی فلویا - جو روم مین بیٹھی اُس کے نام پر جی رہی تھی - اب انطونی کی چوٹی قلوبطرہ کے ہاتھ مین تھی - چنانچہ اُسے لے کے اُس نے اسکندریہ کی راہ لی - جہان بیٹھ کے انطونی عیش و عشرت مین پڑ گیا اور رات دن جشن منانے لگا -

ان دونون نے اپنے اس عیش نشاط کے زمانے مین جیسے جیسے لطف اُٹھائے ہین اور اپنی عشرت پرستی کے جوش مین جیسی جیسی فضول خرچیان کی ہین دائرۂ اعتدال سے باہر ہین - اور ایسی ہین کہ لوگون کو مشکل سے اُن کا یقین آسکتا ہے ایک بار ایک دوسرے کو جلسہ دینے مین باہم مقابلہ ہوا کہ کون زیادہ فیاضی و بے جگری سے روپیہ لُٹاتا اور سامان عیش فراہم کرتا ہے - انطونی نے کہا "اس مین تم مجھ پر فوقیت نہین لے جا سکتین" قلوبطرہ بولی "مین تو ایک گھونٹ پر دس لاکھ روپیہ اُڑا دون گی - تم کیا کر سکتے ہو؟" اور یہ کہہ کے اپنے کان کی لٹکن مین سے ایک بڑا بھاری موتی جس کی قیمت لاکھون کی تھی بہر کے جام

مین ڈال دیا۔ اور جب وہ گھل گیا تو اُٹھا کے پی گئی۔ دوسری انی کے ویسے ہی
اور اسی قیمت کے موتی کے اُس نے دو ٹکڑے کیے اور اُنھین وینس دیوی کے سنگار
مین صرف کر دیا۔ اُس کی یہ بے جگری دیکھ کے انطونی عش عش کر گیا۔ اور مان گیا
کہ میری محبت مین جو کچھ قلوپطرہ کر سکتی ہے مین نہین کر سکتا۔

چند روز بعد انطونی کو روم جانا پڑا۔ کیونکہ اُس کی بی بی فلویا بیمار تھی۔ فلویا
اُسکے پہونچنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوئی تو اُس نے قیصر کی بہن اُقتاویہ
سے شادی کر لی۔

یہ شاہزادی حسین و صاحب جمال ہونے کے ساتھ بڑی باعصمت خاتون تھی۔
اور سچ یہ ہے کہ انطونی اس قابل نہ تھا کہ ایک ایسی پاکدامن شاہزادی کی قسمت
اُس کے ہاتھ مین دے کے چھوڑ دی جائے۔ انطونی کے دل و دماغ مین قلوپطرہ
اس قدر بسی ہوئی تھی کہ اُسے اقتاویہ سے کسی طرح اُنس نہ ہوا۔ اور شادی کی
رسوم سے فارغ ہوتے ہی اُس نے ارض مشرق کی راہ لی تاکہ قلوپطرہ کے آغوش
شوق کے مزے لوٹے۔

دوبارہ مصر مین آ کے انطونی پھر عیش و عشرت مین پڑ گیا۔ اور قلوپطرہ کی
صحبت مین روز بروز اندھا ہوتا جاتا تھا۔ نہ اپنے فرائض سے تعلق تھا اور نہ
اپنے انجام کی پروا تھی۔ قلوپطرہ کی محبت کے جوش مین نا عاقبت اندیشی کی نوبت
اس حد تک بڑھی کہ شاہزادی اقتاویہ کے پاس طلاق نامہ لکھ کے بھیج دیا۔ اور
کہلا بھیجا کہ "تم سے پہلے میری شادی ملکۂ مصر کے ساتھ ہو چکی تھی"۔ اس واقعہ سے
شاہزادی کے بھائی قیصر اُقتاویانوس کی نہایت ہی دلشکنی ہوئی۔

اُقتاویانوس کو پہلے ہی سے اس بات کا خیال تھا کہ کسی طرح انطونی کو
گرا کے دولت روم کے کُل سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے۔ اور اپنے چچا
یولیوس قیصر کا سچا اور پورا جانشین بنے۔ بہانہ ہی ڈھونڈھ رہا تھا۔ بہن کی
دل آزاری کی تاب نہ لایا۔ سارے رومیون کو اس بات پر برہم کر دیا کہ انطونی
دغاباز اور لوگون کو پھانسنے اور لُبھانے والی ملکۂ مشرق کے مقابلے مین اُس نے
کی ایسی باعصمت اور پاکدامن شاہزادی کی توہین کی گئی۔ رومیون کے دلون مین

مین جوش انتقام پیدا کرکے قیصر نے حملے کے لیے جہازون کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ اُدھر سے اپنے جہازون کا بیڑا لے کے انطونی اور قلوبطرہ پہونچے۔ دور علاقۂ اپائرس کی ایک راس کے پاس دونون بیڑون کا مقابلہ ہوا۔

زور و شور سے لڑائی ہو رہی تھی اور فتح و شکست کے آثار کسی طرف نمودار نہین ہونے پائے تھے کہ ناگہان قلوبطرہ لڑائی سے مرعوب اور دہشت زدہ ہو کے بھاگی۔ اور اُس کے ساتھ ہی سارے مصری جہازون نے بھی لڑائی سے رُخ پھیر کے مصر کی راہ لی۔ انطونی اگرچہ بڑی بہادری سے لڑ رہا تھا مگر اپنی معشوقہ کو واپس جاتے دیکھ کے اُس نے بھی لڑائی کو ناتمام چھوڑا۔ اور اُس کے پیچھے چلا۔ دونون بھاگ کے اسکندریہ مین پہونچے۔ اور عیش و طرب کے جشنون مین اس خیال کو بھی بھلا دیا کہ دشمن قیصر تعاقب کرتا ہوا چلا آتا ہے اور عنقریب یہان پہونچا چاہتا ہے۔

اقتیاویانوس قیصر بھی نہایت ہی چالاک تھا۔ اُس نے بھی دل مین ٹھان لی کہ قلوبطرہ کو اُسی کمند مین پھانسنا چاہیے جس مین وہ اورون کو پھانسا کرتی ہے۔ اسکندریہ کی بندرگاہ کے قریب پہونچتے ہی اُس نے مراسلت کر کے قلوبطرہ پر اپنا اشتیاق اور عشق ظاہر کیا۔ قلوبطرہ نے دل مین کہا "یہ جاتا کہان ہے؟ جس طرح مین نے انطونی کو اپنی زلف گرہگیر مین پھانسا ہے اِسے بھی پھانسون گی۔ اور ایسا گرفتار کرون گی کہ ہلنے نہ دون گی"۔ تو وہ سمجھ ہی گئی تھی کہ اب انطونی مین دم نہین رہا ہے۔ اس لیے اپنے تمام فوجی افسرون اور جہازون کے کپتانون کو حکم دے دیا کہ کسی قسم کی مزاحمت نہ کی جائے۔ قیصر آتا ہے تو اُسے بے تکلف آنے دو۔ مگر جب قیصر نے اسکندریہ پر قابض ہو کے اُس کی گرفتاری کا حکم دیا تو ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے۔ آخر جب اُس کا کچھ زور نہ چل سکا تو اپنی دو وفادار سہیلیون کو ساتھ لیا۔ اور ایک بُرج مین جسے سلاطین مصر نے عام طرز کے موافق تعمیر کرا کے اپنا مدفن قرار دیا تھا جا کے چھپ رہی۔ اور شہر مین مشہور ہو گیا کہ قلوبطرہ مر گئی۔ اُس کے مرنے کی خبر سنتے ہی انطونی ایسا بیقرار ہوا کہ فراق معشوقہ کی تاب نہ لا سکنے کے باعث خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اپنی ہی

تلوار سے اپنے آپ کو ایسا زخمی کر لیا کہ زندگی کی کوئی اُمید نہیں باقی رہی۔ وہ بستر مرگ پر تڑپ رہا تھا کہ خبر آئی "قلوبطرہ مری نہیں زندہ ہے۔ اور آپ کو اپنے بُرج میں بلاتی ہے"۔ اُس میں چلنے کی طاقت نہ تھی۔ لوگ پلنگ کو کندھوں پر اُٹھا کے اُس بُرج کے پاس لے گئے۔ قلوبطرہ کو دشمنوں کے خوف سے بُرج کا دروازہ کھولنے کی تو جرأت نہ ہوئی مگر پلنگ کو رسیوں میں باندھ کے ایک کھڑکی کی طرف سے اوپر کھینچ لیا۔ اوپر پہنچتے ہی انطونی قلوبطرہ کے سینے سے لپٹ گیا۔ اور اُسی طرح لپٹے ہی لپٹے دم توڑ دیا۔

مگر اب بھی قلوبطرہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آئی۔ اور قیصر کے پھانسنے اور اُس کے مسخر کرنے میں اُس نے کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا لیکن اُکتاویانس بھی اس بلا کا مضبوط آدمی تھا کہ اُس سے کسی طرح پیش نہ گئی۔ وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ قلوبطرہ کو زندہ گرفتار کر لے اور اُس سے اپنی بہن کا انتقام لے۔ نہ اُس نے قلوبطرہ کی کسی شرط کو منظور کیا اور نہ اُسے کسی عہد و پیمان سے امان دی۔ آخر قلوبطرہ کو مایوسی ہو گئی۔ اور ساتھ ہی اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس وقت کی تصویر پھر گئی جب وہ گرفتار کر کے رومۃ الکبریٰ میں لے جائی جائے گی اور وہاں قیصر کے جلوس میں اس شان سے نکالی جائے گی کہ ہاتھ پاؤں میں سونے کی زنجیریں ہوں گی اور اپنی سواری کی مطلا و مرصع رتھ کے آگے پا پیادہ جا رہی ہوگی۔ اس بے عزتی و ذلت پر اُس نے موت کو ترجیح دی۔

دوسری طرف اُکتاویانس کو بے حد شوق تھا کہ اس حسین و شہرۂ آفاق ملکہ کو اہل روم کے سامنے اپنے قیدی کی حیثیت سے پیش کرے۔ لہٰذا اُس نے اس بات کا پورا بندوبست کیا کہ قلوبطرہ خودکشی نہ کرنے پائے۔ جس بُرج میں قلوبطرہ تھی اُس کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ اور قطعی ممانعت کر دی کہ کوئی شخص کسی قسم کا ہتھیار۔ کوئی دوا۔ یا کوئی چیز اندر نہ لے جانے پائے۔ محاصرہ کرنے والوں نے ایک دن انجیر کا ٹوکرا اندر پہونچا دیا۔ جس میں اُن کے نزدیک کسی بات کا اندیشہ نہ تھا۔

اس ٹوکرے کے اندر پہونچنے کے تھوڑی دیر بعد قیصر کو قلوپطرہ کا ایک خط ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ "میرے بچوں کو امان دی جائے"۔ اور اس کی اجازت دی جائے کہ میں اور انطونی دونوں اسی مقبرے میں دفن ہوں جس میں ہم دونوں ہیں۔" قیصر یہ تحریر پاتے ہی لپک کے اُس بُرج کے پاس پہونچا تو دروازہ کُھلا ہوا تھا۔ اندر جا کے قلوپطرہ کے کمرے کو دیکھا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ ملکہ اپنے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ اپنی شاہی مسہری پر آرام کر رہی تھی دونوں سہیلیوں میں سے ایک اُس کے پاؤں کے پاس پڑی ہوئی تھی اور دوسری سرہانے کھڑی اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کے سر پہ تاج کو سنبھالے ہوئے تھی کہ گرنے نہ پائے۔

قیصر کو یہاں کے سناٹے میں موت کا سناٹا نظر آیا۔ پوچھا "یہ کارروائی پوری طرح ہو گئی؟" خادمہ بولی "جی ہاں ہو گئی۔ اور یہی بات ایسی عالی مرتبہ ملکہ کے شایان تھی۔" اتنا جواب دیتے ہی وہ بھی اپنی جگہ پہ گر کے مر گئی۔

اب اس کی جستجو شروع ہوئی کہ قلوپطرہ نے کیونکر جان دی؟ غور کرنے سے ایک چھوٹا نہایت ہی زہریلا سانپ جس کے کاٹتے ہی انسان مر جائے قلوپطرہ کے بازو میں لپٹا ہوا ملا۔ جس سے اپنے آپ کو کٹوا کے ملکہ اور اُس کی دونوں خادماؤں نے جان دی تھی۔

قیصر کو افسوس ہوا کہ قلوپطرہ میرے ہاتھ سے اپنی جان کو بچا لے گئی۔ مگر غرور و نخوت کے جوش میں اُسے اب بھی ترس نہ آیا۔ کیونکہ جب رومۃ الکبریٰ میں گیا ہے تو اُس کے داخلے کے باشان و شوکت جلوس میں ملکۂ قلوپطرہ کی ایک مورت اُس کی اُسی شاہی مسہری پر سوتی ہوئی نکالی گئی۔ جس کے پیچھے قلوپطرہ کی دونوں اولادیں (یعنی اُس کا بیٹا اسکندر اور اُس کی بیٹی قلوپطرہ) تھیں۔ یہ دونوں بچے تھے جن کو قلوپطرہ نے اپنے غرور حُسن اور عیش پرستی کے مذاق سے "اپالو" (دیوتا) اور "ڈیانا" (دیوی) کے خطاب دیے تھے۔

اب ملک مصر دولت روم کا ایک صوبہ تھا۔ اور ان دونوں بچوں کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ قیصر کو تو اپنے جلوس میں اُن کی تشہیر کرانے کے بعد اپنے

اپنے تجنتر کی داد مل گئی۔ مگر اُس کی بہن اُقطاویا کو جو واقعی بڑی شریف شاہزادی تھی یہ خیال کر کے اُن بچون پر ترس آگیا کہ میرے مرحوم شوہر انطونی کی یادگار ہین۔ اُنھین لے کے اپنی ہی اولاد کی طرح پالا۔ تربیت کی۔ اور جب چھوٹی قلوبطرہ بڑی ہوئی تو اُس کی شادی مراکو کے ایک فرمان روا سے کر دی۔

مصر مین قلوبطرہ کی لاش وہان کے دستور کے مطابق ممی بنا کے اور ایک سنہرے تابوت مین بند کر کے اُسی مقبرے مین رکھی گئی جو اُس نے اپنے لیے بنوایا تھا۔ اور اب دو ہزار برس بعد قبر سے نکل کے لندن کے برٹش میوزیم مین پہونچی۔ جہان آج ہر شخص جا کے اُس کے پُر تکلف تابوت اور اُس کے ابدی خواب ناز کی کیفیت دیکھ سکتا ہے۔

استیر۔ اسرائیلیہ

بخت نصر شاہ بابل جب پوری قوم بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے ارض بابل مین لے گیا۔ اور فراعنۂ مصر کے جور و ستم سے نجات پانے کے بعد خدا کی اُس منتخب قوم کو دوبارہ اسیری و غلامی کی مصیبت مین مبتلا ہونا پڑا ہے تو وہان اُنھین انقلابات سلطنت اور مختلف تاجدارون کے اختلاف مذاق سے عجیب عجیب واقعات پیش آئے اہل بابل کے مغلوب اور ایرانیون کے ہاتھ سے تباہ ہونے کے بعد بھی اگرچہ ایک مدت تک یہود کو آزادی نہین نصیب ہوئی۔ مگر اُن دنون اُس اسیری ہی مین کبھی کبھی اُن کا ستارۂ اقبال چمک بھی جایا کرتا تھا۔

اُنھین خوش اقبالی کے واقعات مین سے ایک حسین و پری وش اسرائیلیہ لڑکی استیر کا واقعہ ہے جو سچ یہ ہے کہ اپنے حسن و جمال اور اپنی دلفریب پیاری صورت کی بدولت خود ہی اپنی قوم کا ستارۂ اقبال بن گئی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے دلفریب چہرے مین جیسی نزاکت و نازنینی تھی ویسی اُسکے دل مین نہ تھی۔ کیونکہ اُس نے اپنے حسن کی کرشمہ سازیون سے فقط اپنی قوم کے بچانے ہی پر اکتفا نہین کی بلکہ ہزارہا خلقت کو قومی بُغض کے جوش مین قتل کرا دیا۔

اُس کی داستان جو کتاب مقدس توراۃ (عہد نامۂ قدیم) مین درج ہے یہ ہے کہ جب

شہنشاہ اخشویرش (جو تاجداران فارس میں سے تھا) سریر آراے سلطنت ہوا اور اُس کا حکم حدود ہند سے لے کے بحیرۂ روم تک جاری ہو گیا تو اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال اُس نے ایک بڑا بھاری جشن منایا اور تمام امرا و معززین کو دُور دُور سے بُلا کے خاص اپنے دار السلطنت شوشن میں ٹھہرایا۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی دعوت کی۔ اس جشن کے لیے بڑے بڑے سامان کیے گئے۔ جا بجا باغوں اور چمنوں میں پُر تکلف فرش اور نقرئی و طلائی تخت بچھائے گئے۔ حریر و اطلس کے پردے لٹکائے گئے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں تمام شاہی مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ شراب پلائی گئی۔ شراب کی یہ کثرت تھی کہ گویا ارغوانی کی سبیلیں لگا دی گئیں۔ باہر شہنشاہ نے مرد مہمانوں کی اور محل میں اُس کی مشہور آفاق وشتی ملکہ نے عورتوں کی مہمان نوازی کی۔ اور اُنھیں انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔

جشن شروع ہونے کے ساتویں دن اخشویرش نے جبکہ شراب کے نشے سے مخمور تھا اور جوش سرور زوروں پر تھا خواجہ سراؤں کو بُلا کے حکم دیا کہ ملکہ وشتی سے کہو کہ پُر تکلف لباس پہن کے اور تاج شاہی سر پر رکھ کے یہاں مردانے دربار میں آئے اور میرے برابر جلوہ افروز ہو کے میری رعایا کو اپنا جمال جہان آرا دکھائے۔ خواجہ سراؤں نے بادشاہ کا یہ حکم ملکہ کو پہونچایا تو اُس نے اس مجمع عام میں آنے سے انکار کیا۔ جس پر شہنشاہ اخشویرش نہایت برافروختہ ہوا اور اپنے مشیروں اور ساتوں معزز وزیروں سے جو فارس کے رئیس تھے مشورہ طلب کیا کہ اس نافرمان ملکہ کے بارے میں کیا کیا جائے؟ وزیر اعظم ممو کان نے زمین بوس ہو کے عرض کیا کہ "ملکہ نے فقط حضور کی نافرمانی نہیں کی بلکہ ایک بڑا بھاری قومی گناہ کیا ہے۔ اُس کی نافرمانی کی خبر گھر گھر مشہور ہو گی۔ اور تمام عورتیں یہ دیکھ کے کہ بادشاہ کی ملکہ اُن کا کہنا نہیں مانتی اپنے شوہروں کی نافرمانی کرنے لگیں گی۔ اور سارے شوہر اپنی جوروؤں کی نظر میں حقیر ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ اس رتبے سے کہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہیں محروم کر دی جائیں۔ اور یہ مرتبہ کسی اور ایسی خاتون کو دیا جائے جو حضور کی فرمان برداری کرے۔ اور پھر اُسے دیکھ کے ساری مملکت کی عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت گزار بنیں!" یہ رائے بادشاہ نے

پسند کی - اسی پر عمل ہوا - اور وشتی ملکہ بادشاہ کی محبوبۂ خاص ہونے کے درجے سے محروم کر دی گئی -

اب بادشاہ کے لیے کسی نئی حسینہ کی تلاش شروع ہوئی - بادشاہی غلامون کی تحریک پر ساری قلمرو مین حکم جاری ہو گیا کہ ہر جگہ حسین اور کنواری لڑکیان جمع کی جائین - اور اُن مین سے جو جادو نگاہ عورتین منتخب ہون وہ لا کے ایوانِ شہریاری مین شاہی خواجہ سراؤن کے زیر نگرانی رکھی جائین - تاکہ وہ اُنھین بادشاہ کے ملاحظے مین پیش کرنے کے قابل بنائے - بادشاہ کی خلوت مین پیش ہونے کے لیے ضرور تھا کہ ہر حسینہ ایک سال تک خواجہ سراؤن کے زیر اہتمام رہے جسے چھ مہینے تک مُر اور لوبان اور عود وغیرہ کی دھونی دی جاتی اور چھ مہینے تک اُس کے پنڈے مین عود - اگر - اور دوسری خوشبودار چیزون کے تیل اور اُبٹنے اور عطر ملے جاتے -

الغرض سارے ملک سے آٹھ جادو نگاہ اور سرو قامت دلربائین چُن کے بادشاہ کے لیے رکھی گئین - انھین مین ایک آستیر بھی تھی - جس کی اصلیت یہ تھی کہ ارضِ مقدس سے جو یہودی گرفتار ہو کے بابل مین آئے تھے اُن مین "مرد خاے" نام ایک اسرائیلی تھا جو بنیامین کی نسل سے تھا - آستیر اُس کے چچا کی بیٹی تھی - جو اپنے باپ کے مر جانے سے مردخاے کی تولیت مین تھی - اور مردخاے نے بیٹی بنا کے اُسے ناز و نعم سے پالا تھا - حسن و جمال مین دُور دُور تک اُس کا جواب نہ تھا - اور یہ حالت تھی کہ جس کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھ لیتی اُس کا شیدا اور گرویدہ ہو جاتا - مردخاے نے خود ہی آستیر کو خواجہ سراؤن کے پاس بھیجدیا مگر تاکید کر دی کہ خبردار کسی کو یہ نہ بتانا کہ مین اسرائیلیہ ہون - یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ منتخب کر کے رکھ نہ لی جاتی؟ خواجہ سراؤن نے اُسے پسند کر کے رکھ لیا اور اُس کی تزئین و تدہین ہونے لگی -

برس گذرنے کے بعد اُن آٹھ لڑکیون مین سے ہر ایک بادشاہ کی خلوت مین بھیجی گئی - اور صبح کو ناپسند ہو کے نکل گئی - آستیر کی باری آئی تو بادشاہ اخشورش دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا - اور اُسی کو بادشاہ کی محبوبۂ خاص اور ملکۂ آفاق بننے کی

عزت دی گئی - اس طریقے سے اخشویرش کی تخت نشینی کے ساتویں برس استیر اُسکی ملکہ بنی - ایسی پریشاں اور حوروش نازنین کے ملنے پر بادشاہ نے بڑی خوشیاں کین - جشن منائے - لوگون کو انعام واکرام سے سرفراز کیا - استیر نے اب تک کسی کو اپنا اسرائیلیہ ہونا نہین بتایا تھا - مگر ہر امر مین اپنے مربی مردخاے کی مطیع و منقاد تھی - اور مردخاے کو بھی اُس سے اس قدر محبت تھی کہ اب اُس نے بھی بادشاہ کی ڈیوڑھی پر رہنا شروع کر دیا -

اتفاقاً مردخاے کو شاہی ڈیوڑھی پر پڑے پڑے یہ حال معلوم ہوا کہ بادشاہ کے دو غلام اُس کی جان پر حملہ کرنے کی تاک مین ہین - اس کا حال اُس نے استیر کو بتا دیا - اور استیر نے جاکے بادشاہ سے عرض کر دیا - تحقیقات کی گئی تو ثابت ہو گیا کہ وہ دونون غلام واقعی ایسی نمک حرامی کی تجویز مین تھے - اس جرم کی سزا مین اُن دونون کو سولی دی گئی - اور بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ واقعہ پورا پورا اُس کے روزنامچے مین درج کر دیا جائے -

اس اثنا مین بادشاہ اپنے وزرا مین سے ایک وزیر پر جس کا نام ہامان تھا بہت مہربان ہوا - اس کا تقرب روز بروز بڑھتا گیا - اور ساتھ ہی ساتھ اُسکی عزت و وقعت بھی بڑھائی گئی - یہان تک کہ عام حکم دے دیا گیا کہ "جب وہ قصر شاہی مین آیا کرے تو تمام غلامان شاہی سامنا ہوتے ہی اُس کے سامنے سجدے مین گر پڑا کرین" - سب غلامون نے اس حکم کی تعمیل کی - مگر مردخاے جو ہمیشہ آتے جاتے وقت ہامان کو بادشاہ کی ڈیوڑھی پر بیٹھا نظر آیا کرتا تھا کبھی سجدہ نہ کیا - بعض غلامون نے کہا بھی کہ "تم سجدہ کیون نہین کرتے؟" اُس نے جواب دیا کہ "یہ تو مجھ سے نہ ہوگا کہ ایک مخلوق کے آگے سجدہ کرون" غلامون کا جب مردخاے پر کوئی زور نہ چلا تو ہامان سے جاکے لگا دی کہ یہ شخص آپ کے آگے سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے - اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ یہ یہودی ہے - ہامان یہ سُن کے نہایت برافروختہ ہوا اور ارادہ کیا کہ اس سے انتقام لے - مگر دل مین کہا کہ اکیلے اس ایک متنفس سے بدلہ لیا بھی تو کیا مین اسکی ساری قوم سے بدلہ لون گا - اور اسی فکر مین لگا کہ اخشویرش کی سلطنت مین جتنے اسرائیلی ہین

اُن سب کو قتل کرڈالے۔

اخشورش کی تخت نشینی کے بارھوین سال ہامان نے پوری طرح پتہ لگا لیا کہ ساری قلمرو مین کتنے یہودی ہین اور کہان کہان آباد ہین۔ پھر بادشاہ کی خدمت مین آکے عرض کیا کہ "حضور کے ملک مین ایک سرکش گروہ ہے جو لوگ متفرق و منتشر طور پر جابجا آباد ہین۔ اور سب کی یہ حالت ہے کہ احکام شاہی کی بجا آوری مین تامل کرتے ہین۔ اُن کا کیش دآئین۔ اُن کا طور طریق۔ اور اُن کے رسم و رواج سب جدا ہین۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ زندہ نہ چھوڑے جائین۔ اس لیے اگر حضور کی مرضی ہو تو اُن سب لوگون کے قتل و غارت کا حکم جاری کر دیا جائے تاکہ وہ مطلقاً فنا کر دیے جائین۔ اور اس کے معاوضے مین دس ہزار وزن (جو اُس زمانے مین مروج ہو) چاندی اُن لوگون کے ہاتھون سے جو قتل و غارت کی کارروائی کرین گے خزانۂ شاہی مین داخل کرا دون گا"۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ درخواست قبول کرلی۔ اپنی انگوٹھی اُتار کے اُس کے ہاتھ مین دی اور کہا "یہ میری مُہر ہے۔ جو حکم تم کو مناسب معلوم ہو میری جانب سے جاری کر دو"۔ بادشاہ سے منظوری حاصل کر کے ہامان بے انتہا خوش ہوا۔ اور اُسی وقت تمام ممالک محروسہ اور کل اضلاع و اقطاع مین عہدہ دارون۔ والیون۔ امیرون مرزبانون (تعلقدارون) کے نام فرمان جاری ہو گیا کہ فلان تاریخ ہر جگہ سبھی اسرائیلی ہون بلا استثنا، دامتیاز مع زن و فرزند قتل کرڈالے جائین۔ اور اُنکا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ خبردار کوئی یہودی زندہ نہ بچنے پائے"۔ اس حکم کے جاری ہوتے ہی ہر جگہ تہلکہ پڑ گیا۔ یہود کے دشمن اپنی تلوارین تیز کرنے لگے۔ اور یہودیون مین ایک عام ماتم بپا ہو گیا۔ ہر سمت گھبراہٹ اور اضطراب کا عالم طاری تھا۔ ہان ایک ہامان البتہ بادشاہ کی صحبت خاص مین بیٹھا شراب کے جام لنڈھا رہا تھا۔

مردخاے کو ان باتون کی خبر ہوئی تو اُس نے مارے صدمے کے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ سارے بدن پر خاک ملی۔ اور ایک کھال اوڑھ لی۔ اور وسط شہر مین کھڑے ہو کے چیخین مار مار کے رویا۔ اور اسی وضع سے شاہی ڈیوڑھی پر آیا۔

جہان عام حکم تھا کہ جو کوئی کھال اوڑھے ہوئے ہو چاہے کوئی ہو اندر نہ آنے پائے۔ مردخاے کی اس حالت کی خبر خواجہ سراؤں نے استیر کو پہونچائی تو وہ نہایت ہی ملول ہوئی اور کپڑے بھیجے کہ اُن کی کھال کی پوشاک بدلوا دیں جس سے مردخاے نے قطعی انکار کیا۔ تب استیر نے اپنے رازدار خواجہ سرا ہتاخ کو بھیجا کہ "پوچھو آخر واقعہ کیا ہے؟" ہتاخ سے مردخاے نے ساری کیفیت بیان کردی۔ وہ ستم بتائی جس پر اسرائیلیوں کی جانین مول لی گئی تھین۔ اور شاہی فرمان کی ایک نقل بھیجدی کہ استیر خود ہی پڑھ کے معلوم کرلے کہ اسرائیلیون کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ کہلا بھیجا کہ "تم بادشاہ کے سامنے جاکے روؤ اور اپنی قوم کو اس عام ہلاکت سے بچاؤ۔" یہ پیام سُن کے استیر نے کہلا بھیجا "بڑی خرابی تو یہ ہے کہ مین بالکل مجبور ہون۔ مین ابھی مہینہ بھر تک بادشاہ کے یہان نہ بلائی جاؤن گی۔ اور وہان عام قاعدہ یہ ہے کہ چاہے کوئی ہو مرد یا عورت۔ عزیز ہو یا دوست۔ اگر بے بلائے بادشاہ کی خلوت خاص مین چلا جائے تو بلا تامل قتل کر ڈالا جاتا ہے۔ سوا اُس شخص کے جسے خود بادشاہ اپنے سونے کے عصاے شاہی سے اشارہ کرکے اس عام قاعدے سے مستثنی کردے۔ مین بے بُلائے جاؤن گی تو جب تک وہ متوجہ ہون ہون قتل ہو جاؤن گی۔" اس جواب پر مردخاے بہت آشفتہ و برہم ہوا۔ اور کہلا بھیجا "یہ نہ سمجھ کہ اپنی ساری قوم کے قتل ہو جانے کے بعد تو بادشاہ کے محل مین ہونے کے باعث چین سے بیٹھ سکے گی۔ اگر تو نے اس موقع پر قوم کی سفارش کو ٹال دیا تو بنی اسرائیل تو اُس عالم مین پہونچ کے آرام پالین گے اور سرور و نجات کا مرتبہ پائین گے مگر تو اور تیرا گھرانہ ہلاکت مین پڑ جائے گا۔ اور تیرے دل پہ ہمیشہ ایک کوفت رہے گی۔ خدا کی مصلحتون کو کون جان سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ اسی دن اور اسی گھڑی کے لیے اُس نے تجھے بادشاہ کے محل میں پہونچایا ہو۔"

یہ سُن کے استیر کے دل مین قومی ہمدردی کا جوش پیدا ہوا۔ اور کہلا بھیجا "اچھا مین قوم کے لیے جان دینے کو تیار ہون۔ آپ شہر شوشن کے سارے

اسرائیلیون کو جمع کرکے حکم دیجیے کہ میری طرف سے سب روزہ رکھین - مین اُن کی سفارش کے لیے بے بُلائے بادشاہ کے پاس جاؤن گی - اگر مار ڈالی گئی تو مضائقہ نہین - قوم کی خدمت گذاری مین مرون گی - اور جیتی بچی تو شاید خدا میری سُن لے " یہ جواب پا کے مردخاے واپس گیا - اور کل یہودیون کو روزہ اور دعا و استغفار کی ہدایت کر دی -

جب استیر اور اُس کے ساتھ تمام قوم نے تین دن تک روزے رکھ لیے تو تیسرے دن استیر نے شاہی لباس اور زیور سے آراستہ ہو کے اور اپنے آپ کو خوب بنا چُنا کے بادشاہ کے اندرونی محل مین قدم رکھا - اور اُس کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی - جس مین بادشاہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور جہان سے بادشاہ کا سامنا ہوتا تھا - لوگ اُس کے قتل کے لیے جھپٹنے ہی کو تھے کہ بادشاہ کی نظر پڑ گئی - اور جوش محبت سے بیتاب ہو کے فوراً اپنی سونے کی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی - استیر نے دوڑ کے اُس چھڑی کی نوک کو ادب سے چوم لیا - اور مودب کھڑی ہو گئی - بادشاہ نے نہایت ہی محبت کے لہجے مین کہا " ملکہ استیر کیا چاہتی ہو؟ بتاؤ - مانگو گی تو آدھی سلطنت تک دینے کو تیار رہون " استیر نے عرض کیا کہ " اور نہین بس اتنا چاہتی ہون کہ بادشاہ اور وزیر ہامان آج میری دعوت قبول فرمائین " بادشاہ نے فوراً دعوت قبول کی - اور اُسی وقت ہامان کو بُلوا کے ملکہ کی دعوت مین چلا آیا یہان جب شراب کے دو ایک جام پیے اور سرور ہوا تو جام شراب کو مُنہ سے لگا کے کہا " ملکہ استیر - تمھارا کیا سوال ہے؟ بتاؤ کہ پورا کرون - آدھی سلطنت تک مانگو گی تو دے دون گا " استیر نے عرض کیا " میری تمنا بس یہ ہے کہ کل یونہین حضور اور وزیر ہامان میری دعوت مین شریک ہون " بادشاہ نے یہ دعوت بھی قبول کی - اور استیر دوسرے دن کی دعوت کے لیے بڑے بڑے سامان کرنے لگی -

ہامان خوش خوش یہان سے نکل کے چلا جاتا تھا کہ ڈیوڑھی پر مردخاے کی طرف نظر آئی - جس نے نہ اُسے سلام کیا نہ اُس کے سامنے سجدہ کیا - یہ دیکھ کے اُس

دل مین ایک کانٹا سا لگا جو گھر تک کھٹکتا گیا۔ گھر پہنچتے ہی اُس نے اپنی جورو زرش اور اپنے یاران صحبت سے کہا "خدا نے مجھے بہت دولت و عزت دی ہے اولاد کی طرف سے بھی خوش نصیب ہون۔ قدر و منزلت کی یہ حالت ہے کہ بادشاہ نے مجھے ملک کے تمام امرا سے زیادہ معزز بنا دیا۔ یہان تک کہ دیکھو عالی مرتبہ ملکۂ استیر کی دعوت مین بادشاہ کے ساتھ شریک ہونے کی عزت ساری سلطنت مین میرے سوا اور کسی کو نہین نصیب ہوئی۔ اور کل پھر ملکہ نے کمال الطاف و کرم سے مجھے اور بادشاہ کو اپنے یہان مدعو کیا ہے۔ مگر یہ سب باتین اور ساری عزتین خاک مین مل جاتی ہین جب دیکھتا ہون کہ شاہی ڈیوڑھی پر مردخاے یہودی غرور و نخوت سے بیٹھا ہوا ہے۔ جو نہ میرے سامنے سجدہ کرتا ہے اور نہ مجھے سلام کرتا ہے"۔

میان کی زبان سے یہ باتین سُن کے زرش بولی "تو تم ایک کام کرو۔ آج ہی ایک پچاس ہاتھ کی لمبی ٹکٹکی تیار رکھو۔ اور کل جاتے ہی بادشاہ کی خدمت مین عرض کرنا کہ یہ یہودی ایسا گستاخ و بے ادب ہے۔ اور حضور سے منظوری لے کے اُسے کل ہی اُس ٹکٹکی پر سولی دلوانا۔ اور جب اُسے سولی دے چُکنا تو خوش خوش جا کے ملکۂ آفاق کی دعوت مین شریک ہونا"۔ ہامان نے یہ تجویز پسند کی اور اُس ٹکٹکی کو تیار کرا کے لوگون کو ہدایت کر دی کہ "میرے جانے کے تھوڑی دیر بعد تم اسے لے کے ایوان شاہی مین آ جانا"۔

ادھر آج ہی رات کو بادشاہ اخشویرش کے وہان یہ واقعہ پیش آیا کہ بادشاہ کی نیند اُچاٹ ہو گئی۔ اور جب کسی بات مین جی نہ لگا تو اپنے کاتب کو بُلا کے حکم دیا کہ میرا روزنامچہ تو پڑھ کے سُناؤ۔ روزنامچہ سنتے سنتے جب اس واقعہ پر پہونچا کہ "دو نمک حرام غلامون نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مردخاے کے حسن کارگذاری سے اُن کا فریب کُھل گیا"۔ تو چونک کے بولا "اس شخص مردخاے کے ساتھ اس کارگزاری کے صلے مین کیا سلوک کیا گیا؟" لوگون نے عرض کیا "کچھ نہین"۔ یہ بات رات بھر بادشاہ کے خیال مین رہی اور صبح کو بھی اسی فکر مین تھا کہ سامنے سے ہامان نمودار ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی

اخشویرش بولا "ہان تم خوب آئے۔ بتاؤ کہ جس شخص سے بادشاہ خوش ہو اور اُس کے ساتھ احسان کرنا چاہتا ہو اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" ہامان نے دل مین کہا کہ میرے سوا بادشاہ اور کس سے خوش ہین۔ اور وزیر ہامان کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جس پر وہ احسان کرنا چاہتے ہون؟ - لہذا جوشِ مسرت سے از خود رفتہ ہو کے بولا "خداوند اُسے اپنا ملبوس خاص پہنائین اپنا تاج اُس کے سر پر رکھین۔ اپنے خاص گھوڑے پر اُسے سوار کرائین۔ پھر اس شان سے اُسے شہر مین نکالین۔ اور کسی اپنے مخصوص امیر کو حکم دین کہ اُس کے ہمراہ رکاب رہے اور یہ منادی کرتا جائے کہ جسے حضور بادشاہ سرفراز کرنا چاہین یون سرفراز کرتے ہین"۔ ہامان کی زبان سے یہ الفاظ سن کے بادشاہ اخشویرش نے کہا "بہتر۔ میرا لباس۔ تاج۔ اور گھوڑا لے کے ڈیوڑھی پر جاؤ وہان مردخاے نام ایک یہودی بیٹھا ہے اُس کو لباس اور تاج پہنا کے اور اُس گھوڑے پر سوار کر کے شہر مین پھراؤ۔ اور تم خود اُس کے ہمراہ رہ کے منادی کرو کہ جس کو بادشاہ سرفراز کرتا ہے یون کرتا ہے"۔ یہ حکم سنتے ہی ہامان کے دل مین ایک آگ سی لگ گئی۔ مگر کیا کر سکتا تھا؟ حکم حاکم مرگ مفاجات۔ فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی۔

اس کارروائی کے بعد مردخاے تو پھر جا کے بادشاہ کی ڈیوڑھی پر ٹھہر گیا مگر ہامان خون کے آنسو بہاتا اور اپنے حسد کی آگ مین جلتا بھنتا اپنی بی بی زرش کے پاس پہونچا اور ساری کیفیت بیان کی۔ اُس نے میان کو دلشکستہ دیکھ کے کہا "تم گھڑتے کیون ہو؟ ایسا ہی ہے تو اب قتل ہوو کے دن تم بنی اسرائیل کی خون ریزی کی ابتدا شہر شوشن مین اسی مردخاے سے کرنا۔ اور اسی دن اُسے مصلوب کرنا"۔ میان بیبیون مین یہ باتین ہو ہی رہی تھین کہ شاہی ہرکارون نے آ کے کہا "آپ کی یاد ہوئی ہے۔ ملکۂ آفاق حسین و مہ جبین ملکہ استمیر کی دعوت مین چلیے"۔

اس پیام سے ہامان کی گونہ تسکین ہوئی۔ فوراً درباری کپڑے پہن کے گیا۔ اور بادشاہ و وزیر دونون استمیر کی محل سرا اور باغ مین جا کے کھانے بیٹھے

مین مصروف ہوئے - بادشاہ آج بہت ہی خوش اور شادان تھا - اور ملکۂ آستیر کے حسن نے اُس کو از خود رفتہ بنا رکھا تھا - جام شراب کو منہ سے لگاتے ہی بولا "نازنین و مہ جبین ملکہ! بتا تیرا کیا سوال ہے؟ کہہ چکا کہ نا مانگے گی تو آدھی سلطنت تک دے ڈالون گا"۔ آستیر نے ایک ناز آفرینی کی ہوش ربا ادا سے زمین ادب چوم کے کہا "اگر مجھ پر حضور کی نظر عنایت ہے تو بس اتنی التجا اور یہی تمنا و آرزو ہے کہ میری جان بخشی ہو اور میرے ساتھ میری قوم کی بھی جان بخشی کی جائے۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لیے بیچ ڈالے گئے ہین - اور دو تین روز مین ہم سب قتل ہو جائین گے - کاش اتنا ہی ہوتا کہ ہم لوگ بیچ کے لونڈی غلام بنا لیے جاتے تو مین صبر کرتی - مگر یہان تو ہماری بدنصیبی سے لوگ ہماری جان کے درپے ہین"۔ بادشاہ نے متحیر ہو کے پوچھا "کس نے مول لیا؟ اور وہ کون ہے جس کا ایسا ارادہ ہے؟" اب آستیر مین غصہ ضبط کرنے کی تاب نہ تھی - بولی "یہی کمبخت ظالم ہامان - جو پاس بیٹھا ہوا ہے - اور ہم سب کے خون کا پیاسا ہے"۔ ملکہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کے ہامان تو مارے خوف کے کانپنے لگا - اور بادشاہ اخشویرش شراب پیتے پیتے جام و صراحی کو ہاتھ سے رکھ کے مارے غصے کے اُٹھا اور سامنے باغ مین جا کے ٹہلنے لگا - مگر چہرے سے غیظ و غضب کے آثار نمایان تھے -

بادشاہ کے ہٹتے ہی ہامان ملکہ آستیر کے قدمون پہ گر پڑا - اور عفو تقصیر کے لیے گڑگڑا رہا تھا کہ بادشاہ طیش کے ساتھ واپس آیا - اور ہامان کی طرف جو ملکۂ آستیر کے تخت کے آگے سر بسجود پڑا ہوا تھا مخاطب ہو کے بولا "اور ہان جی میری ملکہ کبھی میرے پہلو سے اُٹھا کے اور بازنجیر کر کے کھینچی جائے گی یا نہین؟" ادھر بادشاہ کی زبان سے یہ آتش بار الفاظ نکلے اور ادھر شاہی غلامون نے مجرمون کی طرح ہامان کا سر کپڑے مین لپیٹ دیا - یہ کارروائی ہو ہی رہی تھی کہ وہ شخص جسے ہامان حکم دے آیا تھا وہ پچاس ہاتھ کی لمبی دھنّی لیے ہوئے شاہی محل مین پہونچا - اور لوگون نے بڑھ کے بادشاہ کی خدمت مین عرض کیا کہ "ہامان نے یہ دھنّی اس لیے تیار کرائی تھی کہ آسیں پہ

مردخاے کو سولی دلواے گا" بادشاہ غصے میں بھرا ہوا تھا ہی حکم دیا کہ "اسی دستی پر ابھی لیجا کے اس ظالم ہامان کو سولی دو" جس کی فوراً تعمیل ہو گئی۔ ہامان کے قتل ہو چکنے کے بعد اخشویرش کا غصہ تھما۔ اور وہ پھر اپنی اسرائیلیہ ملکہ کے گھر میں عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

بادشاہ نے ہامان کا گھر اور اُس کی ساری جائداد ملکہ استیر کو دیدی۔ استیر نے اب موقع پا کے اپنے اور مردخاے کے تعلقاتِ قرابت بادشاہ پر ظاہر کر دیے جن کو معلوم کر کے بادشاہ خوش ہوا۔ اور اُسی وقت اُس کے حسب الطلب مردخاے حاضر دربار ہو کے زمین بوس ہوا۔ بادشاہ نے اپنی انگوٹھی جو ہامان سے چھین لی گئی تھی اپنی اُنگلی سے اُتار کے مردخاے کو عطا کی۔ گویا اس کے ساتھ ہی اُسے خلعت وزارت عطا ہوا۔ اور ان سب واقعات کے بعد مردخاے نے جا کے ہامان کے مکان اور جائداد پر قبضہ کیا۔

لیکن ابھی تک استیر کو اطمینان نہیں ہوا تھا۔ موقع پا کے وہ پھر ایک بار بادشاہ کے قدموں پر گری اور رو رو کے عرض کیا کہ "حضور مجھے اور میری قوم کو ہامان کے شر سے بچائیں۔ کیونکہ قتل و غارت یہود کا حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا ہے" بادشاہ نے اپنی طلائی چھڑی اُس کی طرف اُٹھا دی۔ جو کہ امان دینے کا اشارہ تھا۔ اور استیر نے ہاتھ جوڑ کے اور مؤدب کھڑے ہو کے کہنا شروع کیا کہ "اگر میں حضور کی نظر میں بھلی اور حضور کی مورد عنایت ہوں تو فرمان جاری ہو کہ ہامان کے جاری کیے ہوے حکم منسوخ ہوں۔ ورنہ سارے اسرائیلی قتل ہو جائیں گے اور میں اپنی قوم کے قتل عام کو کیونکر دیکھ سکوں گی؟" اخشویرش نے اس کے جواب میں اُس کی اور مردخاے کی طرف متوجہ ہو کے کہا "میں نے ہامان کا گھر بار تم کو دیا۔ اُس کو مصلوب کرایا۔ اور اپنی انگوٹھی بھی تم کو دے دی۔ لہذا تم کو اختیار ہے کہ جس مضمون کا فرمان چاہو میری طرف سے اور میرے نام سے جاری کر دو" مردخاے نے اجازت پاتے ہی تمام والیوں۔ مرزبانوں۔ رئیسوں۔ اور فوجی افسروں کے نام فرمان جاری کر دیا۔ جس کی نقلیں تمام علاقوں اور ممالک محروسہ میں سانڈنی سواروں۔ ہرکاروں اور رسالے کے سواروں کے ذریعے سے بڑی عجلت

کے ساتھ روانہ کی گئیں - اس فرمان کی رُو سے پہلا قتل یہود کا حکم منسوخ کیا گیا تھا اور یہود کو حکم تھا کہ اُسی تاریخ جو اُن کے قتل کے لیے مقرر کی گئی تھی ہر ہر شہر میں جمع ہوں - اور اپنے تمام دشمنوں اور اُن سب لوگوں کو جو اُنکے خلاف ہوں مع زن و فرزند قتل و ہلاک کر دیں - اور یہ کارروائی ہر جگہ اور ہر گاؤں میں ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہو - یہی حکم خاص دار السلطنت شوشن میں بھی جاری ہو گیا - جس کے بازاروں میں مردخائے آسمانی رنگ کا لباس شاہی اور اُسپر ریشمی عبائے ارغوانی پہنے سونے کا مرصع تاج سر پر رکھے کرو فر سے برآمد ہوا - اور اُس کی صورت دیکھ دیکھ کے یہودی ہر جانب سے نعرہائے مسرت بلند کر رہے تھے -

آخر وہ قتل کی تاریخ آئی - اور یہود نے بلا تامل اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں کو قتل کرنا شروع کیا - اس یورش میں شہر شوشن کے اندر ہامان کے دس بیٹے بھی قتل ہوئے - لیکن یہود نے سوا قتل کرنے کے لوٹنے اور تاخت و تاراج کرنے سے بالکل ہاتھ روکا - شام کے وقت بادشاہ اخشویرش کو اس واقعہ کی رپورٹ ہوئی - اور اُس نے آستیر سے مل کے کہا "نازآفرین ملکہ - خاص دار السلطنت میں پانسو آدمی اسرائیلیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے - اور اضلاع میں جو کچھ ہوا ہو گا وہ اسکے علاوہ ہے - اس لیے اے میری پیاری ملکہ - بتا کہ اب تیرا کیا سوال ہے؟ جو کہے گی کروں گا اور جو مانگے گی دوں گا" آستیر بولی " میں چاہتی ہوں کہ ایسے ہی قتل عام کی اجازت شہر شوشن میں یہودیوں کو کل پھر دی جائے - اور ہامان کے لڑکوں کی لاشیں مصلوب کی جائیں" بادشاہ نے کہا "منظور - اجازت ہے کہ اسرائیلی پھر اپنے دشمنوں کو قتل کریں" چنانچہ دوسرے دن بھی قتل عام ہوا اور شوشن میں اُس دن یہود نے ۳۰۰ آدمی قتل کیے - مگر دیگر مقامات اور اضلاع میں فقط پہلے ہی دن خونریزی ہوئی تھی جس میں ۷۵ ہزار آدمیوں کو یہودیوں نے قتل کیا -

الغرض اضلاع میں دوسرے دن اسرائیلیوں نے اپنے دشمنوں کو قتل کر کے خوشیاں کیں اور عید منائی - اور شہر شوشن میں دو دن قتل کرنے کے بعد تیسرے دن

اور اسی کی یادگار میں مردِ خاے کے اشارے سے یہودیوں میں رواج پا گیا کہ ہر سال ان دو دنوں میں بڑی بھاری عید منائی جاتی۔ ساری قوم کے زن و مرد اور بوڑھے بچے اچھے اور نئے کپڑے پہنتے۔ فیا نسیان کرتے باہم دعوتیں کرتے۔ اور اپنی اس قومی کامرانی کی یاد ہمیشہ تازہ رکھتے۔

یہ تھی ایک یہودیہ حسینہ کے حسن کی ہولناک کرشمہ سازی۔ جو ظاہر کرتی ہے کہ مدتوں کی اسیری و مظلومی نے یہود کی ہوسیں اور آرزوئیں اور اُن کی خوشیاں کس درجہ ذلیل کر دی تھیں۔ اور جوشِ انتقام نے اُنھیں کیسا ناخدا ترس بنا دیا تھا۔

بلقیس ملکۂ سبا

ہر قوم کی تاریخ میں ایک ابتدائی عہد ایسا گذرا ہے جس کے حالات اس عہد کے قیاسات عقلی سے باہر اور عجیب و غریب واقعات سے لبریز ہیں۔ یونانیوں رومیوں۔ ہندوؤں۔ اور چینیوں ہی میں یہ نہ تھا کہ اُن دنوں آسمان و زمین کے رہنے والے اور عالم بالا و عالم زیریں والے باہم ملتے جُلتے تھے۔ اور سردستانِ اور شبستان کی آمد و رفت کے راستے کھلے ہوے تھے بلکہ بنی اسرائیل عرب میں بھی اپنی پرانی تاریخ کے متعلق ایسے ہی حالات مشہور تھے۔ عرب کی ملکۂ سبا بلقیس۔ بابل کی ملکہ سمیرامیس اور یونان کی ہلین بھی اُسی قدیم عہد کی خاتونیں ہیں۔ جو قریب العہد تھیں۔ اور ولادت سرورِ کائنات سے دو ہزار سال پہلے تقریباً تین سو برس کے اندر ایک دوسرے کے بعد گذریں۔ ان سب کے حالات خلافِ فطرت واقعات سے لبریز نظر آتے ہیں۔ مگر اسلام و بت پرستی کا بین فرق اُس زمانے میں بھی نمایاں تھا کہ بابل کی سمیرامیس اور یونان کی ہلین تو دیویاں بن گئیں اور بلقیس صرف ایک حق پرست ملکہ اور پیغمبر کی بی بی بننے سے زیادہ بڑا درجہ نہ حاصل کر سکی۔ سمیرامیس اور ہلین میں بے عصمتی۔ آوارگی۔ اور شہوت پرستی تھی۔ اور بلقیس دُنیا کو فتح کرنے والے حسن و جمال کے ساتھ عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ تھی۔

بلقیس کا واقعہ کتب آسمانی میں بھی مذکور ہے مگر بہت مختصر۔ اور باقی حالات کا تکملہ قومی روایتوں اور کہانیوں سے کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اُس کے متعلق اختلافات بھی بہت ہیں۔ اور اُن کا اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بعض اہل روایت کہتے ہیں کہ اُس کا اصلی نام بلقمہ تھا۔ اور یشرح بن حارث بن قیس بن صیفی بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی بیٹی تھی بعض اُس کے باپ کا نام یشرح بن تبع ذی الاذعار بن تبع ذی المنار بن تبع رائش بتاتے ہیں۔ مگر یہ در اصل کوئی اختلاف نہیں۔ اس لیے کہ وہ قدیم شاہانِ یمن کی نسل سے تھی جو تبع کہلاتے تھے۔ اور ان بادشاہوں کے نام کے ساتھ ایک لقب بھی ہوا کرتا تھا۔ جس کے اول میں اکثر لفظ "ذو" رہا کرتا۔ لہذا پہلی روایت میں اُن کے اصلی نام بتائے گئے ہیں اور دوسری میں اُن کے شاہانہ القاب۔

ان ملوک تبع کا جو تبابعۂ یمن کہلاتے تھے بڑا زمانہ گذرا ہے۔ اپنے دور میں وہ کسی سلطنت کو اپنے مقابل نہیں سمجھتے تھے۔ اور ساری دنیا کا بادشاہ اپنے آپ ہی کو خیال کرتے تھے۔ قدیم فراعنۂ مصر کا مذاق۔ اُن کا سامانِ عیش۔ اُن کا زیور۔ اُن کے ظروف۔ اور اُن کے قصر و ایوان تبابعۂ یمن سے اس قدر ملتے جلتے تھے کہ اہل بصیرت کو خیال ہو چلا ہے کہ مصر والے تہذیب و تمدن میں ان ملوک عرب ہی کے شاگرد تھے۔ اور اگر کبھی یمن کے کھنڈروں کو کھود کے وہاں کی تاریخ کا پتہ لگایا جا سکا تو کیا عجب کہ یہ قیاس یقین کی صورت اختیار کر لے۔ الغرض انھیں تبابعۂ یمن کی ایک وارثِ تاج و دیہیم ملکہ بلقیس بھی تھی۔

اُس کے متعلق جو خارج از عقل واقعات بیان کیے گئے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی ماں بادشاہ جن کی شاہزادی تھی جس کا نام رواحہ یا ریحانہ تھا۔ اور اس غیر معمولی عقد شادی کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ بلقیس کا باپ یشرح اپنے خاندان کا چالیسواں فرماں روا تھا۔ ساری دنیا پر متصرف تھا۔ اور سارے جہان میں کسی شاہی خاندان کو اپنا کفو اور

اور پھر تنبیہ نہ سمجھا تھا کہ اُس کی لڑکی کو اپنی ملکہ بنائے۔ اور آخر کار کہنے لگا کہ میں انسانوں میں شادی ہی نہ کروں گا۔

وہ جنگل میں جاکے شکار کیا کرتا۔ اور ہرنوں کی طرح شریر جنوں کا بھی شکار کرتا تھا۔ بہت سے شریر جن اُس کے ہاتھ سے مارے گئے تو خود بادشاہ جن نے نمودار ہو کے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس نے اُس کے عوض اُس کی بیٹی کا پیام دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یوں نہیں۔ بلکہ ایک دفعہ اُس نے دیکھا کہ ایک کالا اور ایک سفید سانپ باہم لڑ رہے ہیں۔ آخر لڑتے لڑتے کالا سانپ سفید سانپ پر غالب آیا۔ یہ بات اُسے پسند نہ آئی۔ ملازموں کو حکم دیا کہ اُس کالے سانپ کو مار ڈالو۔ اور سفید جو نہایت مضمحل و ناتوان ہو رہا تھا اُسے پانی چھڑک چھڑک کے ہوش میں لایا۔ جان تازہ کر کے وہ رینگ کے چلا گیا۔ رات کو بیشرح اپنے خلوت خانے میں تھا کہ ناگہاں ایک خوش رو نوجوان نمودار ہوا جس کی صورت دیکھ کے بیشرح ڈرا تو اُس نے کہا آپ ڈرئیے نہ کہ میں وہی سفید سانپ ہوں جس کی دن کو آپ نے جان بچائی تھی اس احسان کا جو معاوضہ کہیے کرنے کو تیار ہوں کہیے تو روپیہ پیسہ لاکے نذر کروں۔ یا کہیے تو آپ کو فن طب بتا دوں۔ بیشرح نے کہا روپیہ پیسہ خدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ طب کی ضرورت بادشاہوں کو نہیں۔ ظلم کے ساتھ وہ طبابت بھی کرنے لگیں تو لوگ نام رکھیں گے۔ لیکن ہاں میری یہ آرزو البتہ ہے کہ اگر آپ کی کوئی بیٹی ہو تو اُسے میرے عقد نکاح میں دیجیے۔ اُس جوان جن نے کہا "ہاں میری ایک بیٹی ہے۔ اور اُس کے لیے آپ کا پیام قبول بھی کرتا ہوں۔ لیکن اُس کی شرط یہ ہے کہ وہ جو چاہے کرے آپ اُس کے کاموں میں دخل نہ دیں۔ اگر ذرا بھی دخل دیا تو وہ آپ کو چھوڑ کے چلی آئے گی"۔ بیشرح نے یہ شرط منظور کی۔ اور شادی ہوئی۔

شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسے پیدا ہوتے ہی ماں نے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ باپ کو صدمہ تو بڑا ہوا مگر اپنے عہد کی پابندی میں خاموش ہو رہا۔ پھر ایک لڑکی پیدا ہوئی جسے ماں نے ایک کُتیا کے سامنے ڈال دیا

اور وہ اُسے جھپٹ کے اُٹھا لے گئی۔ اب کی بھی دل شکستہ باپ نے کلیجے پر صبر کی سل رکھ لی۔ اس کے بعد کسی باغی نے سر اُٹھایا اور بادشاہ نے اُس کی سرکوبی کے لیے فوج کشی کی۔ پُر اسرار بی بی بھی اُس سفر مین ساتھ تھی۔ ایک منزل پر پہونچ کے جہان رسد اور پانی ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی کیا دیکھتا ہے کہ سارے غلہ اور کھانے کی چیزین مٹی مین مل گئین۔ مشکون کے دہانے آپ ہی آپ کھُل گئے اور سارا پانی بہ گیا۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کو اپنی اور اپنے لشکر کی ہلاکت کا یقین آگیا۔ اور یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ کارستانی جنون نے میری بی بی کے کہنے سے کی ہے۔ ابھی تک تو ضبط کیا تھا۔ مگر اب نہ ہوسکا۔ بی بی کے سامنے جا کے بیٹھا۔ اور بد عہدی کے الزام سے بچنے کے لیے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا "تو نے میرے بیٹے کو جلا دیا مین نے دم نہ مارا۔ پیاری بیٹی کتیا کو دے دی اور مین نے آہ نہ کی۔ لیکن اب اس آفت سے تو کوئی بھی فوراً جواب دیا" بہتر تھا کہ تم اب بھی صبر کرتے۔ تمھارے کھانے پانی مین دشمنون نے زہر ملا دیا تھا۔ اگر وہ تلف نہ کر دیا جاتا تو ایک بھی زندہ نہ بچتا" یہ کہ کے اُس نے ایک ایسے مقام پر پہونچا دیا جہان کھانا پانی سب چیزین کثرت سے مل گئین۔ اس کے بعد وہ بولی "تمھین اپنے بیٹے کا صدمہ ہے۔ اُسے مین نے ایک دائی کے سپرد کر دیا تھا مگر خدا کو زندگی نہین منظور تھی مر گیا۔ رہی تمھاری بیٹی وہ جیتی جاگتی موجود ہے" اور اُس کے یہ کہتے ہی ایک حسین و خوبرو لڑکی زمین سے نکل کے باپ کے سینے سے لپٹ گئی۔ یہی بلقیس تھی۔ جس سے مل کے باپ بیحد خوش ہوا۔ خلاصہ یہ کہ بلقیس عرب کی شگفتہ کلی تھی جو انسان اور پری کی آمیزش سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ نے اُس غنیم کو مغلوب کیا۔ اور انتظام سلطنت اپنی زندگی ہی مین بلقیس کے ہاتھ مین دے دیا۔ اور جب مرا تو وہی وارث تاج و تخت ہوئی۔ مگر اس مین بھی بعض اہل روایت کو اختلاف ہے۔ جو کہتے ہین کہ بلقیس کا باپ بغیر کوئی وصیت کیے مر گیا۔ اور اس کے بعد رعایا

میں جھگڑا پڑا۔ ایک گروہ نے بلقیس کی اطاعت قبول کی۔ اور ایک نے اُسکے چچا زاد بھائی کی۔ اُس کے اس ابن عم نے حکومت پاتے ہی طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کر دیے۔ خصوصاً اُس کی شہوت پرستی اس درجے کو پہنچ گئی کہ ملک بھر میں جس کی بیٹی کو حسین و خوبرو سنتا بلوا کے بے آبرو کر ڈالتا۔ آخر لوگ عاجز آ کے اس فکر میں ہوے کہ اُسے تخت سے اُتار دیں۔ یہ باتیں بلقیس کو ناگوار گذر رہی تھیں کہ اُس نے بلقیس کو بھی بے عزت کرنے کے لیے بُلوایا۔ بلقیس نے کہلا بھیجا "میں نہیں بلکہ آپ خود مجھ سے ملنے کو یہاں آیئے۔" وہ فوراً چلا آیا۔ اور یہاں دو شخص چھپا کے لگا دیے گئے تھے۔ اِدھر اُس نے مکان کے اندر قدم رکھا اور اُدھر اُنھوں نے اپنی تلواروں سے کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ہی بلقیس نے وزرا کو غیرت دلائی کہ تم میں سے ایک بھی نہ تھا جسے اپنی بیٹی کی بے عزتی پر غیرت آتی؟" پھر اُس کی لاش دکھائی اور کہا "اب جس کسی کو مناسب سمجھو اپنا بادشاہ بناؤ" سب نے کہا "آپ سے بہتر حکمران ہمیں نہیں نصیب ہو سکتا۔ لہذا آپ ہی اپنے آبائی تخت کو اپنے جلوس سے زینت دیجیے۔"

بلقیس کی تخت نشینی کے متعلق اور ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب اُس کا ابن عم بادشاہ ہو لیا۔ تو بلقیس نے خود ہی اُس سے شادی کی درخواست کی۔ اُس نے کہا "مجھے تو اس کی پہلے ہی سے آرزو تھی مگر اُمید نہ تھی کہ تم قبول کرو گی۔ اور اسی وجہ سے پیام دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔" بلقیس نے کہا "مجھے انکار کی کیا وجہ تھی؟ نسب اور خاندان میں تم میرے ہم رتبہ ہو۔ اچھا تو اب تمام اعزا و اقارب کو جمع کر کے نکاح پڑھوا لو۔" اس قرارداد کے مطابق نکاح ہو گیا۔ رات کو جب وہ حجلۂ عروسی میں آیا تو بلقیس نے اتنی شراب اُسے پلائی کہ مدہوش ہو گیا۔ تب بلقیس نے اُس کا سر کاٹ لیا۔ اور اپنے گھر چلی آئی۔ اور اس سر کو اپنے دروازے پر لٹکوا دیا۔ لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو بلقیس کے سامنے آ کے آستاں بوس ہوے اور اُسے تخت پر بٹھایا۔

بلقیس نے سریر شہریاری پر قدم رکھتے ہی ایسی خوبی اور شان و شوکت سے حکومت کی کہ اُس کے کوکب اقبال کے سامنے تمام تابعین کا ستارہ گھٹا گیا۔ اُن سب کے واقعات مشکوک و مشتبہ کہانیاں رہ گئے۔ اور بلقیس کی تاریخ اور اُس کے کارناموں کی یہاں تک شہرت ہوئی کہ قرآنِ پاک کے مقدس اوراق میں بھی درج ہیں۔

اُس کی عظمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کہتے ہیں کہ اُس کے ۳۰۰ وزیر تھے جو دربار میں مؤدب و دست بستہ کھڑے رہتے۔ بارہ سپہ سالار تھے جو اطراف و جوانب میں فوج کشی اور سرکشوں کی سرکوبی کرتے رہتے۔ اور چالیس ہزار لشکر ہمیشہ آستانِ سلطنت میں کمربستہ رہتا کہ اشارہ ہوتے ہی شمشیر زنی کے لیے روانہ ہو جائے۔ اسکے علاوہ ۴۰۰ تاجدار اُس کے باج گذار اور مطیع فرمان بتائے جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ شہرت اُس کے تخت کی ہے جسے اُس نے ایسے اہتمام اور تکلف سے آراستہ کیا تھا کہ آج تک دنیا میں کوئی تخت اسکے تخت کا ہم پایہ نہیں خیال کیا جاتا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی وہ ایک حیرت انگیز چیز بتایا گیا ہے۔ اس پر نہایت خوش سلیقگی سے سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے تھے۔ اور اُن پر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایوانِ شہریاری سات عالیشان قصروں سے آراستہ تھا جو ایک دوسرے کے اندر واقع تھے۔ اور ساتویں قصر میں تخت تھا۔ لہذا ہر طرف سے انسان سات قصروں اور دہلیزوں سے گذرنے کے بعد تخت تک پہونچ سکتا تھا۔ ان سب محلوں کے در و دیوار اور چھت پر بھی چاندی سونے کا ملمع تھا اور جواہرات سے مرصع کرکے اُن میں نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

مشرق جانب ایک روشن دان تھا اور آفتاب کے طلوع ہوتے ہی اُسکی شعاعیں آکے تخت کے پایوں پر پڑتی تھیں۔ اور سمجھا جاتا تھا کہ ہر صبح سب سے پہلے آفتاب آکے سجدہ کیا کرتا ہے۔ اس روشن دان کی آرائش و زینت میں بلقیس نے تین لاکھ اوقیہ سونا خرچ کیا تھا (ایک اوقیہ

۲ تولہ ۹ ماشہ اور ۶ رتی کا ہوتا ہے)

یہ ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۶۱۲ سال پہلے کا زمانہ تھا جبکہ ارض یہودا و فلسطین مین حضرت سلیمانؑ کی حکومت تھی - اور شیاطین و جنہ کے علاوہ وحوش و طیور تک آپ کے مطیع و منقاد تھے - اتفاقاً آپ کا لشکر کسی طرف سے گذرا جہان پانی میسر نہ آتا تھا - ہُدہُد کو بھیجا گیا کہ پانی کا پتہ لگائے - وہ جو اس تلاش مین گیا تو ایوان بلقیس مین گذرا جہان کی زینت و شادابی دیکھ کے اُتر پڑا - اور یہان کی دلچسپیون کا ایسا گرویدہ ہوا کہ دیر مین دیر ہو گئی - حضرت سلیمانؑ برہم بیٹھے ہوے تھے کہ ہُدہُد آیا اور بلقیس کی حکومت اور اُس کے قصر و ایوان کی خبر دی - آپ نے اُسی کے ذریعہ سے بلقیس کو ایک خط بھیجا جس مین ملت حنیفیہ بیضا کی طرف مدعو کیا تھا - یہ خط پڑھ کے بلقیس نے وزراء و امرا سے مشورہ کیا - لوگون نے کہا "ہماری سطوت و عظمت ایسی نہین کہ کسی سے دب جائین - ہم فوج کشی و جانبازی کو تیار ہین - مگر حضور کو اختیار رہے جو مناسب سمجھین حکم دین" بلقیس نے کہا مین اس بادشاہ کے پاس جو پیمبری کا دعوی کرتا ہے ایک ہدیہ بھیجتی اور اسکے ذریعے سے اُسے آزماتی ہون - اگر سچا پیغمبر ثابت ہوا تو اُس کی اطاعت کر دون گی ورنہ اُسے اس گستاخی کی سزا دون گی" اس قرارداد کے مطابق بلقیس کے دربار سے ہدیے بھیجے گئے جن مین ۵۰۰ خوبصورت غلام اور ۵۰۰ پری جمال لونڈیان تھین - لیکن غلام عورتون کا زیور اور لباس پہنا کے آراستہ پیراستہ کیے گئے اور لونڈیان مردانے کپڑے پہنا کے خوبصورت اور بانکے ترچھے جوان رعنا بنا دی گئین - دوسرے تحفے یہ تھے ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹین - ایک مرصع و مکلل تاج - مشک اور عنبر - اور ایک ڈبہ تھا جس مین ایک بیش بہا موتی اور ایک مہرہ تھا - مگر بیدھنے مین دونون کے سوراخ ٹیڑھے کر دیے گئے تھے - ان ہدیون کو لے کے دربار بلقیس کا معزز و محترم شخص منذر بن عمرو مع اپنے چند معزز رفقا کے روانہ ہوا - بلقیس نے چلتے وقت منذر سے کہا "اگر سلیمان نبی ہین تو لونڈی غلامون کو پہچان جائین گے - دونا

کا سوراخ سیدھا کردیں گے اور مہرے کے سوراخ میں ڈورا ڈال دیں۔ اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر ان ہدیوں کو دیکھ کے سلیمان تمہاری طرف بے رخی اور غصے کی نظر سے دیکھیں تو سمجھ جانا کہ وہ معمولی بادشاہ ہیں۔ اور اگر اُن کی خندہ جبینی و بشاشت میں فرق نہ آئے تو جان لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت سلیمان کو بذریعۂ وحی ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے اطلاع دے دی۔

آپ نے اُن لوگوں کے دکھانے کے لیے ایسا سامان کیا جو انسان کی قوت و فہم سے بالکل باہر تھا۔ اجنہ کی مدد سے سات فرسخ تک زمین سونے اور چاندی کی بنا دی گئی اور اسکے گرد ایک سونے کی دیوار تعمیر کی گئی۔ اور اُس میدان میں دو طرفہ تمام عجیب و غریب جانور لا کے جمع کر دیے گئے۔ پھر آپ اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوے۔ اور تخت کے دونوں جانب تمام اہل دربار جن میں حیوانات جن و انس شریک تھے اپنے اپنے مرتبے سے کرسیوں پر بیٹھے۔ یمن کے سفیر جب اس میدان میں داخل ہوے تو یہاں کا منظر دیکھ کے اُن کے ہوش اُڑ گئے۔ سونے کی یہ بے قدری دیکھی کہ اُس کی زمین پر چوپائے لید کر رہے ہیں۔ لہذا سونے چاندی کی جو اینٹیں لائے تھے اُنھیں یہاں حقیر دیکھ کے راستے میں ڈال دیا۔ اور لونڈی غلام اور اُس ڈبے کو لیے ہوے دربار میں حاضر ہوے۔ حضرت سلیمان اُن سے شگفتہ روئی سے ملے اور خود ہی کہا "وہ ڈبہ جو تم لائے ہو کہاں ہے؟" اور اُنھوں نے جیسے ہی پیش کیا آپ نے ایک چیونٹی کو اشارہ کیا جس نے سوراخ سیدھا کر دیا پھر ایک سفید کیڑے کو اشارہ کیا اُس نے مہرے میں ڈورا ڈال دیا۔ اسکے بعد آپ نے لونڈی غلاموں کو حکم دیا کہ اپنے ہاتھ منہ دھوئیں۔ اور اُن کے منہ دھونے کی وضع سے خود ہی کھل گیا کہ جو غلام نظر آ رہے ہیں در اصل لونڈیاں ہیں اور جو لونڈیاں دلھن بنی ہوئی کھڑی ہیں نوخیز و امرد غلام ہیں۔ ان سب رموز کا انکشاف کرنے کے بعد حضرت سلیمان نے وہ ہدیے واپس کر دیے۔

ان سفیروں نے واپس آ کے جب ساری سرگذشت بلقیس سے بیان

کی تو اُسے یقین آگیا کہ حضرت سلیمان صرف بادشاہ نہیں پیغمبر الٰہی ہیں۔ فوراً خود دا[...] پرستار ہو گئی۔ اور بارہ ہزار بادشاہوں کا پُرجلال جلوس ساتھ لے کے چل کھڑی ہو[ئی]۔ جب بیت المقدس کے قریب پہونچی تو حضرت سلیمان نے جنوں کے ذریعے سے اُس کا تخت اُٹھوا منگایا اور محض اس غرض سے کہ بلقیس کو پہچاننے میں شبہہ پڑے اُس کے جواہرات جابجا سے بدل دیے۔

بلقیس کی آمد آمد کی خبر سے جنوں میں کھلبلی پڑ گئی کہ اگر سلیمان نے بلقیس سے عقد کر لیا اور اُس سے اولاد ہوئی تو پھر ہم پر سے خاندان سلیمان کی حکومت کبھی نہ مٹے گی۔ کیونکہ بلقیس کی اولاد میں جنوں کے خصائص بھی موجود ہوں گے جو انسانوں میں نہیں ہوتے۔ لہٰذا انھوں نے حضرت سلیمان کے سامنے بلقیس کے عیوب بیان کرنا شروع کیے۔ اور کہا "بلقیس ایک بے تمیز و بے عقل عورت ہے اور اُس کے پاؤں میں چوپاؤں کی طرح بال ہیں"۔ حضرت سلیمان نے اس کا پتہ لگانے کے لیے ایک عالیشان شیشے کا محل بنوایا۔ جس کی زمین بھی شیشے کی تھی۔ مگر شیشے کے نیچے پانی دوڑایا گیا تھا اور اُس میں ہر قسم اور ہر[...] کے دریائی جانور لا کے چھوڑ دیے گئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پانی نہ تھا بلکہ شیشے کا رنگ پانی کا سا تھا اور اُس کے نیچے دریائی جانوروں کی تصویریں بنا دی گئی تھیں۔ الغرض جو کچھ ہو۔ اوپر سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ زمین نہیں بلکہ سمندر ہے اور اُس میں جانور چل پھر رہے ہیں۔ اس محل میں حضرت سلیمان تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ بلقیس جیسے ہی وہاں پہونچی سمجھی کہ یہاں زمین نہیں سمندر ہے۔ اور اپنے لباس کے دامن یا پائینچے ہاتھ سے پکڑ کے اُٹھا لیے تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اور ساتھ ہی حضرت سلیمان کو نظر آگیا کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں۔ اس کے بعد آزمانے کے لیے اُس سے سوال کیا گیا کہ "آپ کا تخت ایسا ہی ہے؟" جس کے جواب میں وہ سوچ کے اور متامل ہو کے بولی "ہو بہو وہی معلوم ہوتا ہے"۔ الغرض ملنے کے بعد حضرت سلیمان کو یقین آگیا کہ جنوں کے بیان کے خلاف بلقیس ایک نہایت ہی عاقل اور سمجھ دار ملکہ ہے۔ مگر ہاں اُس کے پاؤں پر واقعی بال [illegible] خالی

کہتے ہیں کہ اسی عیب کے دُور کرنے کے لیے اُس زمانے میں نُورے کا نسخہ ایجاد کیا گیا۔

اب حضرت سلیمان نے بلقیس کو دینِ الٰہی کی طرف بُلایا۔ اور وہ کلمۂ توحید پڑھ کے مسلمان ہوئی۔ پھر حضرت سلیمان نے اُس سے نکاح کر لیا اور آپ کی محبوب ترین ملکہ رہی تھی۔ عقد کے بعد آپ نے اُسے ملکِ یمن ہی حکومت پر برقرار رکھا۔ اور معمول تھا کہ ہر مہینے میں ایک بار جا کے آپ تین دن تک اُس کے وہاں رہا کرتے۔ اُس کے بطن سے آپ کا ایک صاحبزادہ بھی پیدا ہوا جس کا نام داؤد رکھا گیا تھا مگر وہ باپ کی زندگی میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعض لوگوں کا اس کے خلاف یہ بیان ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اُسے حکم دیا کہ اپنی قوم کے کسی مرد سے عقد کرلے مگر اُس نے انکار کیا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا اسلام میں یہ غیر ممکن ہے۔ اگر مسلمان ہوئی ہو تو تمھیں کسی سے نکاح بھی کرنا پڑے گا۔ یہ حکم سن کے وہ بولی "اگر اس سے مفر نہیں تو پھر بادشاہِ ہمدان ذوتبع کے ساتھ میرا نکاح کرا دیجیے" آپ نے اُس کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور یمن کے جنوں کو حکم دیا کہ اُس کی اطاعت و فرماں برداری کریں۔ چنانچہ اُس نے اور اُس کے شوہر نے جنوں کی مدد سے متعدد قصر و ایوان تعمیر کرائے۔ منجملہ انھیں قصروں کے یمن کے عالیشان ایوان صلحین۔ مرواح۔ قلیون۔ ہنیدہ۔ بیون۔ اور غمدان تھے۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جنوں نے ذوتبع کی اطاعت چھوڑ دی۔ اور آپ کے انتقال کے ساتھ ہی اُن کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

مگر بعض اہلِ روایت کہتے ہیں کہ بلقیس نے جناب سلیمان کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ اور آپ نے اُسے شہر تدمر یعنی ملکۂ زنوبیہ کے شہر کی خاک میں دفن کر کے قبر کا نشان مٹا دیا تھا کہ لوگوں کی نظر سے مخفی رہے۔

سمی رامیس (ملکۂ بابل)

بابل کی نسبت تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگلی دنیا کا کوئی شہر اُس کی عظمت و شان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا - جب ساری دنیا پر وحشت برس رہی تھی اور تمدن و تہذیب کا کہین پتہ نہ تھا اُس وقت دریاے فرات کے کنارے اس شہر کی رونق اور چہل پہل اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ توراۃ مین وہ سارے شہرون کی ملکہ بتایا گیا ہے - اور سچ یہ ہے کہ صدہا عجیب و غریب اور بارونق عمارتون نے زیور کا کام دے کے اسے واقعی دُلھن بنا دیا تھا - اس کا پہلا آباد کرنے والا اگرچہ نمرود بتایا گیا ہے جس کی بدولت حضرت ابراہیم نے ترک وطن کیا اور جس نے پہلے پہل شاہی اور سلطنت کی بنیاد ڈالی - مگر اس شہر کی اصلی عروج جس کی کوششون سے حاصل ہوا اور جس کی خوش سلیقگی کی طفیل مین اُسے "ملکہ" اور "دُلھن" کے لقب دیے جاتے ہین یہی ملکہ سمی رامیس تھی جس کا نام آج ہمارے پرچے کا زیب عنوان ہے - اور جس کے حالات ہم تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہین - سمی رامیس نے بابل کو ایسا سنوارا اور سجایا تھا کہ تمام عالم کے شہرون نے اُس کے عظمت و جلال اور اُس کی خوشنمائی و زینت کے آگے ادب سے سر جھکا دیے - اور بابل کے جس کنوئین مین ہاروت و ماروت کیسے فرشتے پھنس کے رہ گئے کوئی تعجب نہین کہ وہ اسی پرجمال ملکہ کا چاہ غبغب ہو - بابل کی خوشنمائی اور رونق کی داستانین اس بات کا ثبوت دے رہی ہین کہ کسی چیز کے بنانے سنوارنے اور آراستہ کرنے مین عورت کا سلیقہ مردون سے کس قدر بڑھا ہوا ہے -

سمی رامیس ولادت سرور کائنات صلعم سے ۱۹۷۱ سال پیشتر اور حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کو آزاد کرا کے مصر سے نکلے ہین اُس سے ۱۹۱ سال قبل تھی - اور حضرت سلیمان کی شان و شوکت اور بیت المقدس کی تعمیر سے ۱۲ سال پہلے دنیا سمی رامیس کے اوج و عروج اور جاہ و جلال کا تماشا دیکھ چکی تھی - بابل جس مملکت کا پایۂ تخت تھا وہ اسیریا یا انگریزون کے

کے مطابق اسیریا کہلاتا ہے۔ اور جو قوم اس ملک مین آباد تھی اور جس نے دنیا مین سب سے پہلے تہذیب و تمدن کے کرشمے دکھائے بنی سام مین سے تھی۔ یعنی وہ لوگ سارے عربون اور اسرائیلیون کے اور ہمارے بنی اعمام تھے اور ہم کہہ سکتے ہین کہ اُن کا عروج بھی ہمارے ہی گذشتہ عروج کی ایک پُرلطف داستان ہے۔ ملک اشوریا کا قائم مقام فی الحال الجزیرہ کہلاتا ہے۔ جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اور دولت عثمانیہ کی قلمرو مین شامل ہے۔ اس ملک مین اسی قوم کی ایک اور ملکہ بھی گذری ہے جو نی طوقریس کے نام سے مشہور تھی۔ اُس نے بھی بابل کی رونق بہت بڑھائی۔ مگر سمی رامیس اُس سے پانچ پشت پہلے سریرآرائے سلطنت تھی اور اُس کی سطوت و جبروت سے دنیا کانپ رہی تھی۔

سمی رامیس کے حالات قدامت کے دُھندلکے مین پڑکے ایسے مشتبہ ہوگئے ہین کہ اُس کے واقعات مین سے بہت سی باتون کی نسبت موجودہ مورخین کو شبہات پیدا ہوگئے ہین مگر یونانی مورخ ہیرودوطوس اور قطی سیاس نے اُس کے کارنامے بڑی تفصیل سے اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین۔ گو دونون کے بیان مین اتنا اختلاف ہے کہ معلوم ہوتا ہے ہیرودوطوس کی سمی رامیس اور ہے اور قطی سیاس کی سمی رامیس اور۔ سمی رامیس سے پہلے اُس کا شوہر نی نوس اشوریا والون کا تاجدار تھا۔ جب وہ مرا تو اگرچہ اُس کا بیٹا نی نیاس موجود تھا۔ جو خود سمی رامیس کے بطن سے تھا۔ مگر اُسے نابالغ اور ناتجربہ کار دیکھ کے سمی رامیس نے تاج شہنشاہی خود اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور یہ نہین کیا کہ بیٹے کو تخت نشین کرکے خود اُس کی جانب سے انتظام کرتی بلکہ بیٹے کو محروم کرکے اور تاج شہریاری کو اپنے سر سے زینت دے کے عنان حکمرانی اپنے ہاتھ مین لے لی۔

وہ نہایت ہی حسین و صاحب جمال بتائی جاتی ہے مگر مورخین یونان کا بیان اگر صحیح ہے تو اُس کا حسن عصمت و عفت کے زیور سے آراستہ نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے شباب کے جوش اور جوانی کی عشرت پرستیون نے

عشقبازی و نازآفرینی کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے۔ مگر اس اخلاقی عیب کے ساتھ وہ بڑی عقلمند۔ زبردست۔ مدبر۔ نہایت ہی خوش سلیقہ۔ بہت بڑی دلیر و شجاع اور حد درجے کی اُولوالعزم و بلند حوصلہ تھی۔ اگر انتظام مملکت مین وہ اپنے حسن تدبیر کا ثبوت دیتی تھی تو عرصۂ نبرد مین بڑے بڑے زبردست حملہ آورون سے زیادہ بہادر اور شجاع ثابت ہوتی تھی۔ جشن طرب و بزم عیش مین وہ اپنی نفاست مزاجی اور خوش سلیقگی کے کمالات ظاہر کرتی تھی تو شہر کی ترقی اور عالی شان عمارتون کی تعمیر مین اپنی خوش مذاقی و بلند حوصلگی کے ثبوت دیتی تھی۔ اُس کے شوہر نے اور خود اُس نے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے زور و شور اور جوش و خروش سے فوجکشی کرکے اشوریا کے پُرانے دار السلطنت شہر نینوا کو تباہ و برباد اور مغلوب و مقہور کر دیا۔ اور شوہر کے مرنے کے بعد فتحمندی و حملہ آوری کا سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ ہی اُس نے شہر بابل کی آراستگی شروع کی۔ جس مین اُس کے حسن کی کرشمہ سازیون کا اثر تھا کہ دنیا بھر مین بابل کے جادو کی شہرت تھی۔ اور سحر بابل آج تک مشہور ہے اور کوئی تعجب کی بات نہین اگر سحر بابل کی ابتدا اُسی رانیس کی نرگس فتان اور اُس کی ساحرانہ نگاہِ نازہی سے پڑی ہو۔

اور سچ یہ ہے کہ بابل مین اُسی رانیس نے جو عمارتین بنوائین ایسی حیرت انگیز تھین کہ اُن کا خیال کرنے سے بھی ایک پُراسرار جادو کا کارخانہ خیال کی آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ چیزین انسانی قوت سے باہر ہین۔ مثلاً اُس نے بابل کے گرد جو شہرپناہ بنوائی اتنی بڑی اتنی بلند اور ایسی مضبوط تھی کہ زمانہ اُس پر قیامت تک حیرت کرتا رہے گا۔ دریاے فرات بابل کے بیچ سے ہو کے بہا تھا جس کی وجہ سے آدھا شہر اُسکے مشرقی کنارون پر تھا اور آدھا مغربی کنارون پر۔ یہ شہرپناہ دونون حصون کو اپنے حصار مین لیے ہوے تھی۔ یہ شہرپناہ مربع تھی۔ اور اس کا پورا دَور ۶۰ میل کا تھا۔ جس کا ہر ضلع یا رُخ ۱۵ میل کا تھا۔ اور ۲۲۵ مربع میل زمین اُس کے رقبے مین آگئی تھی۔ اس رقبے ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر ہی نہین

بلکہ گویا پورے ایک ضلع کے گرد ایک زبردست حصار کھینچ دیا گیا تھا اور چاروں طرف سے قلعہ بندی کر دی گئی تھی جس کے اندر عالیشان قصر و ایوان اور بڑے بڑے یگانۂ روزگار مندروں کے علاوہ پھل لانے والے باغ۔ نزہت بخش چمن۔ سرسبز مرغزار۔ اور لہلہاتے ہوئے کھیت بھی جا بجا موجود تھے۔ فصیل کی دیوار بھی کوئی معمولی دیوار نہ تھی۔ اُس کا آثار ۹۰ فٹ کا تھا۔ اور ۳۵۰ فٹ بلند بتائی جاتی ہے۔ اُس کی بلندی پہ برابر برابر تین رتھیں سہولت کے ساتھ دوڑ سکتی تھیں۔ یکساں فاصلہ پر ناپ ناپ کے سو پھاٹک قائم کیے گئے تھے۔ جس پر ٹھوس برنجی پٹ چڑھے ہوئے تھے۔ شہر کے ہر ہر پہلو پر پچیس پچیس پھاٹک تھے جن سے سڑکیں نکل کے بہ خطِ مستقیم اُن کے مقابل و محاذی پھاٹکوں تک چلی گئی تھیں۔ اور چونکہ ان سڑکوں کے تقاطع سے شہر کے اندر برابر کے مربع قطعات پیدا ہو گئے تھے لہذا یوں سمجھنا چاہیے کہ شہر کے اندر ۴۳۱ جدا جدا کوارٹر اور محلے بن گئے تھے۔ شہر پناہ کے اوپر برابر کی مسافت سے نہایت ہی خوشنمائی و تناسب کے ساتھ ۲۵۰ عالیشان برج بنائے گئے تھے جن میں رات بھر پہرے والے پہرہ دیتے اور شہر پناہ پر فوج گشت لگاتی تھی۔

دونوں ناکے جہاں سے دریائے فرات شہر میں داخل ہوا اور نکلا تھا وہ بھی بڑے زبردست بھاری پھاٹکوں سے محفوظ کیے گئے تھے۔ یہ پھاٹک جو دریا کی سطح پر پھیلے ہوئے تھے۔ یعنی جب کھولے جاتے تو ٹوٹ کے اور تہ ہو کے کناروں پر سمٹ آتے۔ اور جب راستہ روکنے کے لیے پھیلائے جاتے تو سارے دریا کے پاٹ کو باہر کی آمد و رفت سے روک دیتے۔ دریا کے کنارے کنارے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عمدہ اور مضبوط پشتے بنائے گئے تھے۔ اور جہاں دریا سڑکوں کو قطع کرتا وہاں سڑکوں کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے پُل بنا دیے گئے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ ایک راستہ دریا کے نیچے سے بھی کھود کے اُس پار نکال دیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اور ایسی حیرت انگیز شہر پناہ اور ان پلوں کا بنانا کوئی معمولی کام نہ تھا۔

اور باوجود اتنی ترقی علم و فن کے آج بھی دنیا کوئی ایسا شہر نہیں تعمیر کر اگرچہ لندن والے اپنے شہر کو اس عہد کا بابل کہتے ہیں مگر بابل کے جو حا تاریخ کے صفحات پر نظر آتے ہیں اُن سے لندن کو بھی کوئی نسبت نہیں۔

شہر کے عین وسط میں بعل کا مندر تھا۔ جس کا مربع رقبہ ۲۲ ایکڑ پر حاوی تھا۔ اُس کے ہر کونے پر ایک برج تھا۔ اور چونکہ ستارہ پر ان لوگوں کا اصلی مذہب تھا۔ لہذا ہر بُرج میں تلے اوپر سات طبقے تھے سا توں سیاروں کے سات حرم یا سات دربار تصور کیے جاتے۔ اور ہر سیا کا رنگ بھی الگ الگ معین کر دیا گیا تھا۔ سُنہرا رنگ سورج کا تھا۔ چاند کا۔ نیلگوں مشتری کا۔ سیاہ زحل تھا۔ نارنجی عطارد کا۔ زرد زہرہ کا سرخ مریخ کا۔ سب سے پہلا طبقہ جو زمین سے قریب تر تھا زحل کا دربا قرار دیا گیا تھا جس میں ہر در و دیوار پر کالا رنگ پھیرا تھا۔ اور زحل کے تمام و شعائر یہاں لا کے جمع کر دیے گئے تھے۔ اُس کے اوپر والے طبقے میں عطارد دربار تھا جہاں ہر طرف نارنجی رنگ تھا۔ اُس کے اوپر مریخ کا دربار تھا میں ہر چیز سرخ تھی۔ اُس کے اوپر سورج کا دربار تھا جہاں در و دیو سونا پھیرا تھا۔ اُس کے اوپر زہرہ کا دربار تھا جہاں ہر چیز زرد اور تھی۔ اُس کے اوپر مشتری کا دربار تھا جہاں در و دیوار اور ہر چیز نیلگو تھی اور سب کے اوپر چاند کا دربار تھا جہاں کے در و دیوار نقرئی تھے چونکہ یہ مختلف رنگ اُن برجوں پر باہر کی طرف بھی پھیرے ہوئے تھے۔ ان پُرلطف رنگ آمیزیوں سے اُن برجوں میں قوس و قزح کی سی پیدا کر دی گئی تھی۔

اسی طرح کا ایک بڑا عظیم الشان مندر بیچوں بیچ میں تھا جو سب اور سب سے زیادہ لمبا چوڑا تھا۔ اس عالیشان مندر کی نسبت سمجھا جا کہ دنیا میں آج تک اُس سے اونچی کوئی عمارت نہیں تعمیر ہو سکی۔ مصر اہرام میں سے جو ہرم سب سے زیادہ بلند ہے یہ بُرج اُس سے بھی او تھا۔ یہی وہ بُرج ہے جو "برج بابل" یا "تل نمرود" کے نام سے مشہو

اس مین ویسے ہی طبقے ویسے ہی ستارون کے نام کے دربار اور ویسے ہی رنگ تھے ۔ جیسے کہ چارون کونون کے چارون معبدون مین تھے ۔ البتہ فرق اتنا تھا کہ یہان کی ہر چیز بہت بڑے پیمانے پر تھی

یونانی مورخ ہیرودوطوس نے اس برج کا نقشہ دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ یہ عمارت تقریباً ۴۰۰ فٹ بلند تھی جس مین ایک دوسرے سے ملحق اور اسی کے اوپر لگاتار سات برج بنتے چلے گئے تھے ۔ ہر برج کی بلندی ۷۰ فٹ تھی ۔ دوسرا برج جو اس کے اوپر تھا وہ اس سے ۱۰ فٹ بلند تھا ۔ اسی طرح ساتون برج ایک دوسرے سے ۱۰ فٹ بلند ہوتے ہوتے ۵۲۵ فٹ کی بلندی پر پہونچ گئے تھے ۔ پھر اس کی چوٹی پر بعل کا مندر تھا ۔ جہان ایک ۴۰ فٹ کی لمبی خالص سونے کی ٹھوس مورت قائم تھی ۔ اس کے پاس سونے کی ایک میز اور کشتی اتنی بڑی تھی کہ اس کی قیمت کا اندازہ ساڑھے بائیس کروڑ پونڈ کیا جاتا ہے ۔ اس بالائی معبد مین دو قربان گاہین تھین جن مین سے ایک سونے کی تھی ۔ اور اس مین خاص پرستش کے دنون اور عیدون کے موقع پر سنون لوبان اور عود سلگایا جاتا تھا ۔

اس کے علاوہ سمی رامیس نے اور بہت سے قصر و ایوان تعمیر کرائے ۔ اور سب سے زیادہ کمال یہ کیا کہ شہر کے متصل ایسے عمدہ اور پختہ تالاب بنوائے اور دریا سے کاٹ کے ایسی نہرین نکالین جن سے ایک طرف تو ملک کی زراعت کو بے انتہا ترقی ہوئی ۔ اور دوسری طرف شہر والون کو دریا کی طغیانی سے بالکل اطمینان ہو گیا ۔ ادھر فرات مین سیلاب آتا اور ادھر ان تالابون اور نہرون مین پانی کے بٹ جانے کی وجہ سے طغیانی کا سارا زور ٹوٹ جاتا ۔ خاص دار السلطنت کے علاوہ اپنی قلمرو مین بھی اس نے بہت سے بڑے بڑے کام کیے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دشواری اس کی ہمت اور حوصلے کے آگے آسان تھی ۔ کہین پہاڑون کو کاٹ کے میدان کر دیا ۔ کہین نہرین جاری کین ۔ اور کہین بڑے بڑے محل تعمیر کرائے ۔

لیکن ان عمارتون اور بڑے بڑے کامون کو دیکھ کے حیرت معلوم ہوتی ہے

سمی رامیس کو کیونکر فرصت مل گئی کہ اُس نے میڈیا والوں ۔ فارسیوں لیبیا والوں ۔ اہلِ حبشہ اور ملک مصر پر چڑھائیاں کین ۔ جن مین وہ لاکھوں خلقت کو اپنے ہمراہ رکاب لے گئی اور کامیاب و بامراد و غانم و سالم واپس آئی ۔ آخر مین اُس نے ہندوستان کی عظمت و قوت اور یہاں کی دولت و حشمت کا شہرہ سُنا ۔ اور فوج لے کے آمادہ ہو گئی کہ اس ملک کو بھی فتح کر کے اپنے قلمرو مین شامل کر لے ۔ اور یہی مہم اُس کے زوال کا باعث ہوئی

ع ۔ قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند ۔

جب زبردست لشکر لے کے وہ ہندوستان کی مہم پر روانہ ہو چکی تو ہمراہی سرداران فوج نے عرض کیا کہ "ہندوستان کے راجاؤں کے پاس بڑے بڑے ہاتھی ہین ۔ جو دم بھر مین ہزاروں آدمیوں کو پامال کر ڈالتے ہین ۔ جو لوگ اُن کی پیٹھ پر سے تیر اندازی کرتے ہین اُن تک کسی کی رسائی نہین ہو سکتی حضور وہاں چلتی تو ہین مگر ان ہاتھیوں سے بچنے کی کون تدبیر سوچی ہے؟" سمی رامیس نے اس آفت سے بچنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ تین ہزار کالے بیلوں کو ذبح کرا کے اُن کی کھالین کھنچوائین ۔ اور اُن کھالوں کو جوڑ جوڑ کے بہت سے ہاتھیوں کی صورت کے خول بنوائے جو اونٹوں کو پہنا دیے گئے ۔ اس طرح سے وہ اونٹوں کو ہاتھی بنا کے میدان مین لائی ۔ اور خوش تھی کہ دشمن ان مصنوعی ہاتھیوں کو دیکھ کے ڈر جائین گے اور سمجھین گے کہ اُن کے زبردست حریف کے لشکر مین بھی بڑے بڑے ہاتھی موجود ہین ۔

لڑائی شروع ہوتے ہی ہندوستان کے راجہ نے اپنے اصلی ہاتھیوں کے دَل بادَل کو لے کے حملہ کیا ۔ اور ادھر سے سمی رامیس اپنے مصنوعی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کو لے کے بڑھی ۔ جب دونوں لشکر مل گئے اور جنگ مغلوبہ ہو رہی تھی سمی رامیس کی فوج کے کسی ہاتھی کے نیچے جھُل جانے اور اونٹ کے بلبلا کے بھاگ گئے سے ہندو راجہ کو اشوریا والوں کے ہاتھیوں کی حقیقت معلوم ہو گئی ۔ اور سمی رامیس کا سارا فریب کھُل گیا ۔ اس راز کے فاش ہوتے ہی راجہ نے اپنے ہاتھی ریل دیے ۔ جنھوں نے اشوریا والوں

کے مصنوعی ہاتھیوں کو دم بھر میں کچل کے رکھ دیا۔ اور سارے اونٹ جو ہاتھیوں کے غلاف میں تھے بلبلاتے ہوئے بھاگے۔ اُن کا بھاگنا تھا کہ اہل بابل کو شکست ہو گئی۔ ہاتھیوں سے ڈر ڈر کے بدحواس بھاگے۔ یہ دیکھ کے ملکہ سمی رامیس خود زور آزمائی کے لیے بڑھی اور میدان جنگ میں آگے بڑھی بہادری سے لڑی۔ مگر اسکو کیا کرتی کہ تقدیر برسرِ خلاف تھی۔ آخر اُسے بھی سر سے پاؤں تک بہت سے زخموں سے چُور ہو کے اور کئی کاری زخم کھا کے میدان چھوڑنا پڑا۔ بابلی لشکر کا زیادہ حصہ قتل ہوا۔ بہت سے بھاگتے میں مارے گئے۔ اور سارا لشکر تباہ و برباد ہو گیا۔ سمی رامیس کا گھوڑا چونکہ بہت ہی تیز دم تھا لہذا راہوار تیز پا کی بدولت جان بچا کے اُس بازار مرگ سے نکل آئی۔ اور بازی ہار کے ناکام و نامراد اپنے دار السلطنت بابل میں پہونچی۔ مگر دل شکستہ اور ملول و حزین۔ کیونکہ شکست نامرادی سے اُسے اپنی زندگی میں یہی پہلا سابقہ پڑا تھا۔ دوسری طرف زخموں نے بھی ہیجان کر رکھا تھا۔ ان سب باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ گھر پہونچتے ہی دنیا ترک کر کے گوشہ نشین ہو گئی۔

بابل کی اکثر باتیں مشتبہ تھیں۔ منجملہ اُن کے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے مذہب میں ریاضت اور جسم کو آزار پہونچانے کا بہت رواج تھا۔ بتخانے کے متعلق ایک بڑا پجاری خفیہ تہ خانہ تھا۔ جس کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ قرون وسطیٰ میں ننوں کی خانقاہوں کی تھی۔ یعنی اُس کے راز نہ کھلنے پاتے اور جہاں بہت سی عورتیں تارک الدنیا ہو کے اُس میں سکونت اختیار کرتیں وہاں بہت سی ایسی عورتیں زبردستی بھی بھیجی جاتیں جن کو آزار پہونچانا منظور ہوتا۔ بتخانے کے پجاری اور کاہن وہاں ساری دنیا کی نظر سے چھپا کے ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے۔ سمی رامیس بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی تہ خانے میں چلی گئی جس میں جا کے بہت ہی کم لوگ واپس آیا کرتے تھے۔ اس تہ خانے کی بانی بھی سمی رامیس ہی تھی۔ جس نے بہتوں کو سزا دہی کے طریقے سے اس تہ خانے میں بھیج کے دنیا سے ناپید کر دیا تھا۔ اور آخر خود بھی آپ ہی اُس میں چلی گئی۔ اُس کے بعد عنان حکومت اُس کے بیٹے نی نیاس کے ہاتھ میں آئی جس کے

دل میں ماں کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا - چنانچہ تخت پر قدم رکھتے
اُس نے کاہنوں اور مقتداؤں سے سازش کر کے تمی رانیس کو قتل کرا د
لیکن اُس پر اُس مخفی مقام میں چاہے جتنا ظلم ہوا ہو اور جس طرح قتل
کی گئی ہو مگر اشوریا والوں کے دلوں پر اُسکی عظمت کا جو سکہ جما ہوا تھا اُس
اُس کی غیبت کے ساتھ ہی اُسے اپنی قوم میں دیوی اور مظہر عظمت الٰہی تسلیم
کرا دیا - معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی تناسخ کے قائل تھے - چنانچہ مقتدایان
دین مانچی نے لوگوں کو باور کرا دیا کہ تمی رانیس نے انسانی جسم چھوڑنے کے
بعد اپنے حسن و جمال کی رعایت سے ایک کبوتری کی صورت اختیار کر لی ہے
اسی بنا پر اُس کے نام سے خوبصورت کبوتری کی مورت بنا کے بتخانوں میں رکھی
گئی - در و دیوار پر بھی اُسی کبوتری کی تصویریں بنائی گئیں اور وہ مرتے سے
اُس کی پرستش کی جانے لگی -

کہا جاتا ہے کہ جوپیٹر آمون نے جس کا بڑا مندر بلندی مصر میں تھا ایک کا
کے ذریعے سے یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ تمی رانیس کو جب ناکامی ہوگی اُس وقت
وہ دنیا سے غائب ہو جائے گی -- اور وہی ہوا -

مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۴۲ سال کی ہو کے مری - اور ۲۲ سال تک
تخت شہنشاہی پر جلوہ افروز ہو کے حکمرانی کرتی رہی - یعنی جب تاج شاہی
رکھا ہے اُس وقت اُس کی عمر بیس برس کی تھی - چونکہ جوانی کا وقت تھا
اور اس نو عمری کی بیوگی نے اگر اُس میں بعض قسم کی بے اعتدالیاں پیدا کر دی
ہوں تو کیا عجب ہے؟

اریش کا شہر وان ارینوں میں تمی رانیس کا شہر کہلاتا ہے - جہاں بعض
میں ایسے کتبے برآمد ہوئے ہیں جن میں تمی رانیس کے حالات لکھے ہوئے ہیں

جون آف آرک

(فرانس کی مظلوم حامیۂ وطن)

یوں تو ہر ملک اور ہر قوم میں سدہا نامور عورتیں گذری ہیں جنھوں نے

اپنے حسن و جمال کی قوت سے زمانے کو مسخر کر لیا۔ اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں دکھا دیے مگر جون آف آرک کی شان و وضع کی عورت چراغ لے کے ڈھونڈیے تو بھی ساری دنیا میں نظر نہ آئے گی۔ اس کی سرگذشت جیسی دلچسپ اور حیرت خیز ہے ویسی ہی جگر خراش اور خون رُلانے والی بھی ہے۔

پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں مملکت فرانس کی حالت نہایت ہی نازک ہو رہی تھی۔ شاہ چارلس ششم بالکل فاتر العقل اور مجنون تھا۔ نہ اُس کے سنبھالے نظام مملکت سنبھلتا تھا اور نہ بیرونی حملہ آوروں کی روک تھام ہو سکتی تھی۔ اُس کا اکلوتا بیٹا ڈوفین نالایق خوشامدیوں میں گھرا ہوا تھا۔ اور اُس پر طرہ یہ کہ لوگوں کو اُس کی نسبت باپ کے حلالی بیٹے ہونے میں بھی شبہہ تھا۔ کیونکہ ایک معاہدے کی رُو سے سارے حقوق شاہی انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم کو دے دیے گئے اور وہ جائز وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ — ہنری پنجم و چارلس ہفتم کے بنی اعمام اور کیا ہیوں نے اپنے جھتے باندھ کے ارادہ کیا کہ خود ملک کے مالک بن جائیں۔ خصوصاً ڈیوک آف برگنڈی جو انگریزوں سے ملا ہوا تھا سلطنت کی ہوس کے ساتھ بعض خاندانی نزاعوں کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا مگر امرا کے سوا عام رعایا چارلس ششم کے بیٹے ڈوفین ہی کی طرفدار تھی اور اُسی کو حقیقی وارث سلطنت تصور کرتی تھی۔ ان سب امور کا نتیجہ یہ تھا کہ فرانس کے امرا اور شاہزادوں میں جھگڑے چھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سے انگریزوں کے لشکر نے فرانس کی فوجوں کو شکستیں دیں۔ اور یکے بعد دیگرے شہروں پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے۔ آخر کار انگریزوں نے شہر اورلیان کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین کی حالت نازک ہو رہی تھی اور سلطنت کے بنائے کچھ نہ بنتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں ان تمام دشواریوں کے دور کرنے اور فرانس کو تباہی سے بچانے کے لیے خدا نے یہ عجیب و غریب لڑکی جون آف آرک پیدا کی جو ساری دنیا میں آپ ہی اپنی نظیر ہے۔

یہ فرانس کی ایک نوعمر و نوخیز حسین و نازنین گلفام و سیمتن دوشیزہ

لڑکی تھی۔ زلفیں مشرقی حسینوں کی طرح سیاہ تاب اور مشکیں تھیں۔ اور آنکھیں بھی بجائے نیلگون اور نیلو فری ہونے کے جادو نگاہ مہوشان مشرق کی طرح خوب کالی اور نہایت چمکدار تھیں۔ اُس کے بے مثل حسن و جمال سے دلبری کا پورا کمال نمایاں تھا۔ اور اُس کی دلدوز آنکھیں اپنی دلربائی کی قوت سے سارے عالم کو مسخر کرنے کا دعوے رکھتی تھیں۔

ملک فرانس میں دریائے لورین کے کنارے ڈومری نام ایک چھوٹا سا گاؤن ہے اُس میں جیک آف آرک نام ایک کسان رہتا تھا۔ جو اپنی بی بی اِزابو کے ساتھ بستی کے دوسرے لوگوں کے دیکھتے کسی قدر معزز و ممتاز خیال کیا جاتا۔ کیونکہ اُس کے پاس تھوڑا سا غریبانہ سرمایہ تھا۔ مویشیوں کے دو ایک گلے تھے۔ اور اس کے ساتھ خدا نے تین بیٹے دیئے تھے اور دو بیٹیاں رکھیں۔ ان دو بیٹیوں میں سے ایک جون آف آرک تھی۔ جسے بعض لوگ چھوٹی بہن بتاتے ہیں اور بعض بڑی۔

جون آف آرک ١٥ جنوری ١٤١٢ء کو پیدا ہوئی تھی۔ جب ننھی سی بچی اکثر باپ کی بکریاں چرانے کو گاؤن کے اطراف و جوانب میں چلی جاتی اُسکی ماں اِزابو نے کسی خانقاہ میں تعلیم پائی تھی جس کی وجہ سے اُس پر رنگ غالب تھا۔ اور وہی تعلیم اُس نے اپنی بیٹیوں کو بھی دی۔ سینا کاڑھنا۔ چرخہ کاتنا سکھانے کے ساتھ ساتھ اُس نے اُنھیں دعا و عبادت و تقوے۔ اور پاکدامنی و عفت شعاری کی اعلیٰ تعلیم دی۔ خصوصاً ابتدائے شب کو بیٹیاں اُس کے پاس اپنا سینا پرونا لے کے بیٹھتیں تو وہ اُنھیں ولیوں اور شہیدوں اور بزرگان دین کی داستانیں سنایا کرتی۔

یہ باتیں دوسری بہن پر تو معمولی اثر کرتی رہیں مگر جون کے دل پر استعداد کے باعث عجیب قسم کا اثر ہوا۔ پانچ ہی برس کی تھی کہ ان واقعات کی فکر میں اُس پر ایک استغراق اور مراقبے کا سا عالم طاری ہو جاتا اور کبھی اُن بزرگوں کی صورتیں متشکل ہو کے اُس کے خیال کی آنکھوں کے سامنے آ کے کھڑی ہو جاتیں۔ اور چند ہی روز میں اُسے بار بار نظر آنے لگا کہ

مین فرشتے اور روحین آآکے اُس سے ملتی اور باتین کرتی ہین۔ مگران کیفیتون کو اُس نے اپنے پُراسرار سینے مین مخفی رکھا۔ اور ماں باپ یا کسی پر بھی کوئی بات نہ ظاہر ہونے دی۔

اب وہ تیرہ برس کی نوخیز و سرو قامت دوشیزہ تھی۔ ایک دن گاؤن کے گرجے کے قریب اپنے گلّے کی نگہبانی کرتی اور ہاتھ مین کوئی کپڑا لیے کاڑھ رہی تھی کہ ناگہان آنکھون کے سامنے ایک نور چمکا۔ پھر ایک نورانی پیکر آسمان سے اُترتا نظر آیا جس نے قریب آکے کہا "جون! اچھی لڑکی بن!" اس واقعے سے وہ سہم گئی۔ اور نہایت حیران و پریشان اور بدحواس و ہیبت زدہ تھی۔ مگران روحانی سیرون کا سلسلہ بڑھتا ہی جاتا تھا۔ بار بار ایسی ہی چیزین نظر آتین جن کے ذریعے سے اُسے ہدایت کی جانے لگی کہ "اُٹھ! خدا نے جس کام کے لیے تجھے پیدا کیا ہے اُسے پورا کرا۔ جا۔ اور بادشاہ فرانس کی مدد کر! کیونکہ تو ہی ملک کی پشت پناہی کرے گی" یہ باتین سن کے وہ اور زیادہ سہم گئی۔ بعض اوقات کانپتی۔ تھرتھراتی۔ اور اپنی بےبسی پر رونے لگتی۔ اور چشم نمناک سے آنسو پونچھ کے کہتی "مجھ سی غریب ناتوان و ناکارہ لڑکی کیا کرسکتی ہے؟ مین نہ گھوڑے پر سوار ہونا جانتی ہون۔ نہ تلوار چلانا جانتی ہون۔ پھر فرانس کی کیا خاک مدد کرون گی؟"

اب اُس مین ضبط کا یارا نہ تھا۔ دلی جذبات ظاہر کرنے کے لیے بیتاب تھی۔ مگر کسی سے کچھ کہتے بھی نہ بنتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ اور اپنے ایک عزیز ہمسن لڑکے سے جس کا نام جیرارڈ تھا اور ایک ایسے گاؤن کا رہنے والا تھا جہان کے لوگ شاہ فرانس کے خلاف اور ڈیوک آف برگنڈی کے طرفدار تھے۔ اُس نے دبی زبان مین کہا "اگر تم برگنڈی کے طرفدار نہ ہوتے تو مین تم سے ایک بات کہتی!" جیرارڈ دل ہی دل مین جون کے رُخ زیبا کا فریفتہ ہو رہا تھا یہ کلمات سُن کے خوش ہوا اور سمجھا کہ "غالباً میری طرح یہ بھی میری طرف مائل ہے شادی کا تذکرہ چھیڑے گی۔ مگر وہ ہزار پوچھتا رہا جون نے کچھ نہ بتایا۔ اور لب تک آئی ہوئی بات کو پھر دبا دیا۔

وہ نورانی صورتیں جو اُس کے پاس آیا کرتیں اُنھوں نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ مقام دوکو کے کپتان کے ذریعے سے تو بادشاہ فرانس چارلس ہفتم سے مل۔ اسی فکر میں تھی کہ اس کپتان سے کیونکر ملوں کہ اتفاقاً ڈیورنڈ لکزارٹ نام اُس کا ایک رشتہ دار اُس کے والدین سے ملنے کو آیا جو مقام دوکولر کے قریب ہی رہتا تھا۔ جون نے تنہائی میں موقع پا کے اُس سے التجا کی کہ چند روز کے لیے آپ مجھے اپنے ساتھ لیتے چلیے۔ اور ابا جان سے یہ بہانہ کر دیجیے کہ چچی اماں (آپ کی بی بی) نے مجھے بلایا ہے۔ ڈیورنڈ نے جون کی یہ خواہش پوری کر دی۔ اور اُسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گیا۔ وہاں پہونچ کے ایک دن جون نے جی کڑا کر کے ڈیورنڈ سے کہا "آپ دوکولر کے کپتان کے پاس میرا اتنا پیغام پہونچا دیجیے کہ مجھے بادشاہ چارلس ہفتم کے پاس پہونچا دیں۔ اس لیے کہ میں اُن کی مدد کرنے اور انگریزوں کو فرانس سے مار کے نکال دینے کی اہم اور عظیم الشان خدمت پر خدا کی طرف سے مامور ہوئی ہوں" ڈیورنڈ یہ باتیں سن کے حیرت زدہ ہو گیا۔ پھر اُس کی حالت اور کیفیت دریافت کی۔ اور گو یہ باتیں اُسے نہایت لغو نظر آتی تھیں مگر اُس کا پیغام لے کے کپتان کے پاس چلا گیا۔ کپتان نے سنتے ہی ایک قہقہہ لگایا اور کہا "تمھاری عقل جاتی رہی ہے۔ اُس چھوکری کے دو دو دھولیں لگا کر اُس کے گھر بھیج دو۔ انگریزوں کا مقابلہ اور ایک کنواری لڑکی! بھلا کوئی سمجھ میں آنے کی بات ہے؟" ڈیورنڈ نادم ہو کے واپس آیا۔ اور کپتان کا جواب صاف صاف جون سے بیان کر دیا۔

اب جون بظاہر تو خاموش ہو رہی مگر دل کو کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ ناکام و نامراد باپ کے گھر میں واپس آئی۔ اب اس کا راز فاش ہو چکا تھا۔ باپ کو بھی خبر ہو گئی۔ اور اُس کے دل میں خیال گذرا کہ معلوم ہوتا ہے جون کے دل میں آوارگی کے خیالات پیدا ہوئے ہیں اور بدکار و بد اخلاق فوجی سپاہیوں میں رہنا چاہتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی مارے غیرت کے پسینے پسینے ہو گیا۔ اور یہ حالت تھی کہ کبھی خودکشی پر آمادہ ہو جاتا اور کبھی بیٹی کی جان

لینے پر۔ مگر جون نے ان باتون کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ کیونکہ اُسے حمایت وطن کی دُھن بندھی ہوئی تھی۔ اور روحانی قوت نے اُس مین ہمت۔ حوصلہ۔ جرأت۔ شجاعت۔ سپہگری۔ شہسواری۔ ملک گیری۔ اور علم وفضل کے تمام کمالات پیدا کر دیے تھے۔ آخر وہ ایسے نو عمر ساتھی بھی مل گئے جو اُس کے طرفدار اور حامی و مددگار رہے۔ اور اُنھین ساتھ لے کے ۲۳ فروری ۱۴۲۹ء کو جبکہ اُس کی عمر ہنوز ۱۶ یا ۱۷ برس کی تھی وہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اہل وطن نے روکا کہ راستہ دشوار اور آج کل ملک مین انگریزی لشکرون کے پھیلے ہونے کے باعث خطرناک ہو رہا ہے۔ مگر اُس نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ "مین ایسے خطرون کے برداشت کرنے ہی کے لیے پیدا ہوئی ہون"۔ سفر پر قدم رکھتے وقت مردانے کپڑے پہن لیے۔ ہتھیار لگائے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوئی۔ اور وطن کو خیرباد کہدی۔

چارلس ہفتم اِن دنون شہر شینون مین تھا۔ جہان اُس کے گرد فضول مصاحبون۔ صدہا عورتون اور بہت سے تباہ کرنے والے ناعاقبت اندیش افسرون کا ہجوم تھا۔ راستے مین طرح طرح کے خطرے دیکھ کے جون راتون کو سفر کرتی اور دن کو کسی پناہ کی جگہ ٹھہر جاتی۔ گیارہ دن کی دشت نوردی کے بعد یہ سفر ختم ہوا۔ اور وہ شینون کے قریب فیرنوا نام ایک گاؤن مین ٹھہر گئی۔ یہان سے اُس نے بادشاہ چارلس کو اپنے آنے کی خبر کی اور کہلا بھیجا کہ "مین آپ کے تخت کو بچاؤن گی۔ شہر اورلیان پر سے انگریزون کا محاصرہ اُٹھاؤن گی۔ اور مقام ریمز مین آپ کو تاج شاہی پنھاؤن گی"۔ جس سے وہ محروم کر دیا گیا تھا۔

جون کے قاصد نے بادشاہ کی باریابی حاصل کر کے جیسے ہی یہ پیغام پہونچائے بادشاہ کو غصہ سا آگیا کہ ایک کمسن چھوکری اور میری امداد کا دعوی۔ پھر ایک زہرخند کے ساتھ بولا "اچھا مین اس بارے مین وزیرون سے مشورہ کر لون تو جواب دون"۔ وزیرون اور مشیرون کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا تو ایک گروہ نے اس درخواست کا مضحکہ اُڑایا۔ اور ایک گروہ

کی رسلے قرار پائی کہ اُسے اپنی تدبیرین عمل مین لانے کا موقع دیا جائے۔ کیونکہ اس مین کوئی مضائقہ نہین نظر آتا۔ تین دن تک ان لوگون مین کھٹپٹیان ہوتی رہین اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ غنیمت یہ ہوا کہ خود بادشاہ موافق و مخالف گروہون کے بین بین تھا۔ آخر اُس کے دل مین آئی کہ اچھا کوئی امر طے کرنے سے پہلے مین اُس سے مل کے اُسے آزما تو لون۔ فوراً قاصد واپس گئے کہ جون کو لے آئین۔ اور اُن کے جانے کے بعد اُس عجیب و غریب حسینہ لڑکی سے ملنے کے لیے اُس نے دربار مرتب کیا تو اپنی جگہ اپنے افسر کو اپنے کپڑے پہنا کے صدر مین بٹھا دیا۔ اور خود نہایت ہی عام وضع کے کپڑے پہن کے درباریون مین مل گیا۔ جون آئی۔ حاضرین دربار کی صفین چیرتی ہوئی صدر مین آئی۔ صدر نشین کو دیکھا۔ پھر تمام حاضرین کے چہرون پر ایک بار نظر ڈالی۔ اور لپک کے خود چارلس ہفتم کے سامنے پہونچی۔ ادب سے سر جھکا دیا۔ اور بولی "بُردبار بادشاہ کی عمر دراز!" چارلس نے کہا "مین بادشاہ نہین۔ بادشاہ وہ صدر مین بیٹھے ہین!" جون نے ادب سے عرض کیا "بادشاہ تو آپ ہی ہین۔ اور مین ایک غریب لڑکی ہون جو روح القدس کی جانب سے اس خدمت پر مامور ہوئی ہون کہ آپ کی سلطنت کی بنیاد مضبوط کر دون!" جون کی سادگی۔ خوبصورتی اور اُس کی باتون نے چارلس کے دل پر بڑا اثر کیا۔ امرائے دربار سے الگ تخلیے مین جا کے اُس سے ملا۔ اس تنہائی کے موقع پر جون نے ایسی باتین بتا دین جو چارلس کے خیال مین اُس کے سوا دنیا بھر مین کسی کو نہین معلوم تھین۔ اس ملاقات کے بعد بادشاہ دربار مین ہوا۔ اور تمام وزرا و امرا سے کہا "مجھے تو اس پاکدل لڑکی کی سچائی کا پورا یقین ہو گیا تاہم تم سب لوگون کے اطمینان کے لیے مین اس کا اور امتحان کرتا ہون۔" یہ کہہ کے اُس نے شہر کے بڑے بڑے مقتدایان دین، اسقفون، عالمون مختلف علوم کے باکمالون کو جمع کر کے جون کو اُن کے سامنے پیش کیا کہ جس مسئلے کو چاہین اُس سے پوچھین۔ عالمون نے مشکل سے مشکل مسئلے چھیڑے اور سب کے ایسے صحیح و برجستہ جواب جون نے اپنے فصیح لہجے مین دیے کہ سب اُس کے علم و فضل کے سامنے عاجز ہو گئے۔ اور سارا دربار عش عش کر گیا۔

اب کسی کو اعتراض کی گنجائش نہین باقی تھی - اور چارلس تو اُس کا عقیدت کیش مُرید ہی بن گیا تھا - فوراً اپنا شاہی گارد اُس کے حوالے کر دیا - اور کہا "آپ کا جب جی چاہے فوج کشی کے لیے روانہ ہو جائیے" اور جون اُسکی افسری کے فوراً روانہ ہوگئی - اب جون کی عجب شان تھی - ایک ہاتھ مین نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ مین شاہی علم - زرہ بکتر سے آراستہ - آہنی خود پہنے اور زلف مشکین کو پیٹھ اور شانون پر بکھرائے گھوڑے پر سوار فوج کے آگے آگے جا رہی تھی - سپاہیون کے دلون مین شاید یہ خیال گذرا ہو کہ یہ گھوڑے پر کبھی سوار نہین ہوئی دشمنون سے کیا مقابلہ کرے گی - مگر اُس نے تھوڑی ہی دیر مین چابک سواری کے ایسے کمالات دکھا دیے کہ کُل ہمراہی سوار مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے -

شہر آورلیان کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی - انگریز بہت ہی سختی سے محاصرہ کیے ہوے تھے - شہر والون مین ذرا بھی دم نہین باقی رہا تھا - اور جو فرانسیسی لشکر انگریزون سے مقابلہ کر رہا تھا اُس کے حوصلے پست تھے اور کچھ بنائے نہ بنتی تھی - اور سلطنت مین اتنی قوت نہین باقی رہی تھی کہ محصورین کی کمک کر سکے - ایسی حالت مین جون آف آرک شاہی گارد کو لیے ہوے جوش و خروش سے پہونچی - یہان پہونچ کے لڑائی کا آغاز اُس نے اس کارروائی سے کیا کہ اپنی فوج سے تمام زانیہ عورتون کو نکلوا دیا - سپاہیون کو زناکاری سے توبہ کرا کے اُن کے دل پاک و صاف کیے - پھر اُنکے دلون مین اُمید و رجا کی شمعین روشن کین - اور سب سے کہا "بس خدا ہی پر بھروسا رکھنا" اس کے بعد اُس نے ایسی سختی سے حملہ کیا کہ پہلے ہی دن کی لڑائی مین اہل شہر کی امیدین مضبوط ہو گئین - انگریزون مین گھبراہٹ پیدا ہوئی - اور لڑائی کا رنگ بدل گیا -

لیکن سچ یہ ہے کہ اُن دنون فرانس والے نہایت نالائق ہو رہے تھے اور اس قابل نہ تھے کہ خدا اُن کی دستگیری کے لیے جون آف آرک سے ایسے فرشتۂ رحمت کو بھیجتا - انگریزون مین تو یہ خیال مشہور ہوا کہ یہ عورت

کوئی جادوگرنی ہے جس سے وہ ہیبت کھانے لگے۔ مگر فرانسیسی افسرون نے ناشکری کا پہلا اظہار یہ کیا کہ ایک عورت کی ماتحتی اور اُس کے مشورون پر عمل کرنے کو اپنی حقارت و ذلت سمجھے۔ اور خود بادشاہ کے شاکی ہوے کہ ایک گنوار چھوکری کو ہم پر سردار مقرر کیا ہے۔ اور ابتدا ہی سے اُن کی یہ وضع رہی کہ جون کی مخالفت کرتے۔ اُس کے احکام کی خلاف کارروائیان کرتے اُس کی تذلیل و تحقیر کے لیے سازشین کرتے۔ اور بعض اُس کی عداوت کے خیال سے لڑائی کا رنگ بدلنے اور قومی سلطنت کے ذلیل کرانے مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھتے۔ جون ان سب باتون کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔ مگر حمایتِ وطن مین اُس کے قدم کو ذرا لغزش نہ ہوتی۔

بہرحال جون نے انگریزون سے مقابلہ شروع کیا تو اُن کے حواس جاتے رہے۔ اور آغاز جنگ ہی مین اُنھین اپنی کامیابی مشتبہ نظر آنے لگی سب کو یقین ہو گیا کہ یہ اگر جادوگرنی نہین تو کوئی فرشتہ ہے جو دشمنون کی مدد کے لیے آسمان سے اُتر آیا ہے۔ اب جون نے خود حملے کا قصد کیا۔ سفید براق کپڑے زیب بدن کیے۔ کالی کالی زلفین پیٹھ پر پھیلائین۔ نقرئی گھوڑے پر سوار ہوئی ایک ہاتھ مین نیزہ اور ایک مین علم لیا۔ اور شاہی گارد کو لے کے یزن بول دی یہ ایسا زبردست حملہ تھا کہ انگریزون کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور پریشان و بدحواس بھاگے۔ اس کے بعد اورلیان مین اُس نے انگریزون کو تابڑ توڑ شکستین دین۔ یہان تک کہ انگریزون نے بہت نقصان اُٹھا کے محاصرہ چھوڑ دیا اور واپس گئے۔

اُس کی اس کامیابی پر فرانسیسی افسران فوج کے دلون مین آتش حسد اور بھڑکی۔ خصوص اس لیے کہ اُن کی مخالفت نے بھی جون کی ہمتمندی مین فرق نہ آنے دیا۔ جون فتح حاصل کر کے شہر "بلوا" مین گئی کہ بادشاہ کو مژدۂ فتح سنائے۔ اب اُس کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی کہ عام اہل فرانس اُس کے نام پر فریفتہ اور اُس کی زیارت کے مشتاق تھے۔ جدھر سے اُس کا گذر ہزارہا خلقت کا انبوہ اُس کی صورت زیبا دیکھنے کے لیے جمع ہو جاتا۔ جو

و خروش سے اُس کی تعظیم کے لیے جھکتے۔ اُس کے قدم چومتے۔ جو خاک اُس کے پاؤں سے چھو جاتی اُسے چومتے اور متبرک خیال کرتے۔ شہر والوں نے بڑی ہی گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا۔ اور بادشاہ نے مژدۂ فتح سننے کے بعد اظہار شکر گذاری کے لیے اُسے اپنے ساتھ کھانے پر بلایا۔ مگر جون نے قطعاً انکار کیا اور کہا "یہ وقت کوشش اور جان کھپانے کا ہے۔ مزے اُڑانے اور دعوتیں کھانے کا۔ روح القدس نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ میرے سفر آخرت کرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور دو سال سے زیادہ زندگی نہیں باقی ہے۔ اس لئے فوراً شہر رائین میں چلئے تاکہ میں آپ کو اپنے ہاتھ سے تاج شاہی پہنا دوں۔ اس کے بعد خدا جو چاہے کرے۔" اس طریقے سے اُس نے چارلس ہفتم کو مجبور کر دیا کہ بہت جلد اُس کے ساتھ شہر رائین کی طرف کوچ کرے۔

آخر چارلس ہفتم کو ساتھ لے کے وہ بڑے کروفر اور عجیب شان و شوکت کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بادشاہ کے آگے آگے سفید کپڑے پہنے۔ زلفیں بکھرائے۔ سفید گھوڑے پر سوار۔ اور فرانس کا علم ہاتھ میں لیے ہوئے وہ تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ انسان نہیں فرشتہ ہے جو مملکت فرانس کی حمایت اور شاہ چارلس کی پشت پناہی کے لیے آسمان سے اُتر آیا ہے۔ یہ شاہی لشکر ایک قسم کی روحانی عظمت کی شان دکھاتا ہوا شہر جارجو کے قریب پہونچا جس پر انگلستان والوں کا قبضہ تھا۔ انگریز تو پہلے اس قدر غالب آ چکے تھے کہ اپنے آپ کو سارے ملک فرانس کا مالک تصور کرتے تھے اور اُنھیں اپنی فتح میں ذرا بھی شک و شبہہ نہ تھا مگر اب جون کی کارروائیوں نے اُن کی کامیابی کی رفتار میں ایک فوری انقلاب پیدا کر کے اُنھیں پسپا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اُن کے دلوں پر جون کی ہیبت بیٹھ گئی تھی۔ تاہم انگریزوں کی حمیت نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ شہر کو بے لڑے فرانسیسیوں کے حوالے کر دیں۔ وہ مزاحمت کے لیے تیار ہوئے اور جون نے اُن پر بلا تامل جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ اُس کی جانبازی نے فرانسیسی سپاہیوں کے مردہ دلوں میں نئی زندگی پیدا کی۔ خصوصاً جب اُنھوں نے دیکھا کہ جون آشفتہ

آرک بغیر اس کے کہ ذرا بھی ہچکچائے اور اُس کے قدم کو ذرا بھی لغزش ہو جھنڈے کو ہلاتی ہوئی سیڑھی لگا کے شہر پناہ پر چڑھ گئی تو سب نے جان پر کھیل کے چاروں طرف سے یورش کر دی۔

لیکن خود جون جب سیڑھی کے اوپر کے زینے تک پہونچی اور شہر پناہ پر قدم جمانے کو تھی کہ ناگہاں سیڑھی لڑھک کے نیچے آ رہی اور اُس کے ساتھ ہی جون آف آرک بھی کھائی کے اندر تھی۔ گرنے میں کچھ ایسی چوٹ کھائی کہ جون کو گرتے غش آ گیا۔ مگر ہوش آتے ہی اپنے آپ کو سنبھالا۔ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گرد جھاڑ کے اوپر آئی اور فوج کو للکارا کہ "بہادرو! اسی حملے پر لڑائی ختم ہے۔ اور فتح تمہارے ہاتھ!" ان سحر آگیں الفاظ نے سب میں کچھ ایسا بلا کا جوش پیدا کر دیا کہ سر ہتھیلیوں پر لے کے بڑھے۔ اور آناً فاناً میں انگریزوں کو مغلوب کر دیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شہر فرانسیسیوں کے قبضے میں تھا۔

اس معرکے کے بعد انگریزوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور اُنھیں کلیتاً مایوسی ہو گئی۔ چنانچہ اُن کے سپہ سالار اعظم ٹالبوٹ نے خود ہی مصلحت دیکھ کے فرانس کے تمام شہروں پر سے اپنا قبضہ اُٹھا لیا۔ اور سارے انگریزی لشکروں کو جو مختلف اطراف اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے یکجا کر کے دار السلطنت پیرس کا ارادہ کیا

دوسری طرف جون آف آرک برابر شکستیں دیتی اور فتحوں پر فتحیں حاصل کرتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اور اُس کے مقابل کسی جگہ انگریزوں کا قدم نہ ٹکتا تھا۔ آخر وہ شہر رائمن میں پہونچی۔ جہاں ۱۷۔ جولائی ۱۴۲۹ء کو اُس نے بڑے ہی اہتمام اور نہایت تزک و احتشام سے شاہ چارلس کو تاج شاہی پہنایا۔ تاجپوشی کے وقت حسب معمول سفید لباس پہنے اور علم ہاتھ میں لیے وہی تخت کے آگے کھڑی تھی بادشاہ کو تاج مقتدائے دین نے پہنایا۔ اور جس کی کمر میں تلوار جون نے اپنے ہاتھ سے باندھی۔

ان سب باتوں کو وہ ایک عجیب خلوص اور جوش مسرت سے اپنے ایک دینی اور روحانی فرض کی طرح بجا لائی اور جب تمام رسوم تاجپوشی ادا ہو چکے تو اُس پر ایک رقت کا عالم طاری ہوا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فوراً جھک کے

چارلس کے قدموں سے لپٹ گئی - اپنے گرم آنسوؤں سے اُس کے قدم دھوئے اور نہایت جوش کے ساتھ بولی "اب حضور کی فتح پوری ہو گئی - اور میں نے جو کہا تھا کر دکھایا - بس اب مجھے اجازت دیجیے کہ خوش خوش اپنے گھر جاؤں - اپنے اُسی سنسان گاؤں اور گوشۂ تنہائی میں ٹھہر کے چرخا کاتوں اور باپ کی بھیڑیں چراؤں جس مشغلے میں کہ میں اس سے پہلے مصروف تھی" چارلس نے یہ کلمات سن کے کہا "بھلا اب میں اپنے اُس حامی اور اُس پشت پناہ قوم کو چھوڑ سکتا ہوں جس نے قوم کو ہلاکت سے بچایا ہے؟ اب مُلک کی ترقی اور قوم کی بہبود تمھارے ہی دم قدم سے وابستہ ہے - اور مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ کامیابی کے بعد تمھارا دامن ہاتھ سے چھوڑ دوں"۔

بادشاہ کا یہ جملہ ساری قوم کی آرزوؤں کا ترجمان تھا - اس لیے کہ اب فرانس کی ساری خلقت کو جون سے بے حد عقیدت تھی - اور سوا چند اُمرا اور فوجی افسروں کے جن لوگوں کو جون کے ساتھ بغض و عناد تھا سارے اہل فرانس جون ہی کی رفاقت میں اپنی فلاح سمجھتے تھے - اُس کے جھنڈے کے گرد انھیں تمام بزرگان سلف اور دلیوں کی روحیں نظر آتی تھیں - بادشاہ کے روکنے سے وہ رُک تو گئی مگر اُسی گھڑی سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسرت و شادمانی ہمیشہ کے لیے اُس سے رخصت ہو گئی اور گویا وہ بالکل بدل گئی - اب اُس میں نہ وہ قومی حمیت نظر آتی تھی اور نہ وہ اگلی جوانمردی و شجاعت - نہ وہ رویائے صادقہ تھے اور نہ وہ الہام اور روحانی مکاشفات - اُسکی سیرت و طبیعت - اُس کے اوضاع و اطوار - اور اُس کے افعال و اقوال میں ایسا حیرت انگیز انقلاب ہو گیا کہ اُسکی باتیں سن کے اور اُسکی حالت دیکھ کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا - اب بجائے اُس جوش اور اُولوالعزمی کے وہ طرح طرح کے اوہام اور رکیک خیالات میں مبتلا اور اپنی حالت پر آپ ہی متحیر نظر آتی - ہر وقت رویا کرتی - اور جیسے وہ ساری باطنی قوت اُس سے سلب ہو گئی تھی -

مگر یہ مزاجی انقلاب دیکھتے پر بھی بادشاہ نے اُسے اپنے پاس سے نہ جانے دیا - اور آخر اس نے زائن کے گرجے سے اپنے اسلحہ پھر لے کے جسم پر

آراستہ کیے۔ شہسواروں کی وضع بنائی۔ اور معرکہ آرائی کے لیے روانہ ہوئی لیکن خرابی یہ تھی کہ ادھر تو خود جون اس طرح بدل گئی تھی اور اُدھر امرائے فرانس کے دلوں میں اُس کا بغض اور بڑھ گیا تھا۔ اس لیے کہ بادشاہ کو جون پہ مہربان اور ہر بات میں اُس کا مطیع فرمان دیکھ کے وہ آتش حسد سے جلے مرتے تھے۔ وہ اُس پہ طعن وتشنیع کرتے۔ روز اُس پہ جھوٹے اتہام لگاتے۔ اُس کے کارناموں کو بُرائی کے لباس میں دکھاتے۔ اُسے بدنام کرتے۔ اور لشکریوں کو اُس کی طرف سے بدظن کر کرکے نافرمانی اور سرکشی پہ آمادہ کرتے۔ یہاں تک کہ اُسکے دامن پہ بدکاری کے دھبے لگانے میں بھی محسن کش اُمرائے فرانس نے دریغ نہ کیا۔ جون کا معمول تھا کہ اب سوا شریف و پاکدامن خاتونوں اور پاکدامن نُنوں کے اور کسی کی صحبت میں نہ بیٹھتی۔ کسی مرد سے خلا ملا نہ رکھتی۔ معزز اور آبرودار عورتوں میں اپنی راتیں بسر کیا کرتی۔ اور کسی کو اُس پر الزام لگانے کا کوئی موقع نہ مل سکتا۔ مگر اس پر بھی بد طینت و ناسپاس امرائے فرانس نے اُسکے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ وہ نہایت سختی کے ساتھ اُن کے الزاموں کی تردید کرتی۔ مگر سچ یہ ہے کہ فرانس والوں نے اپنی افترا بندیوں اور ناحق شناسیوں سے اُس کے بے لوث اور پاک وصاف دل کو بڑے بڑے چرکے دیے۔ اور جون کی نیک نفسی اس مزاجی انقلاب کے بعد بھی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اُس نے اپنے ہاتھ سے کسی کو آزار پہونچانا نہیں گوارا کیا۔ بادشاہ اور لشکری سب اُس کے ساتھ تھے۔ اور اُس کے اختیار میں تھا کہ جس افسر کو چاہتی قتل کی سزا دلواتی۔ یا ایک معمولی اشارے سے مروڈالتی۔ مگر اُس سے یہ نہ ہو سکا کہ چاہے کیسا ہی دشمن اور اتہام لگانے والا ہو اُس کے خون سے اپنا ہاتھ رنگے۔ اس بارے میں سخت سے سخت غصے کے موقع پر بھی اُس کی تسلیم و رضا میں فرق نہیں آیا۔

اب جون نے بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ خاص پیرس پر حملہ کرکے انگریزوں کو شکست دے اور فرانس کے دار السلطنت کو اپنے قبضے میں لائے اس ہدایت کے مطابق چارلس لشکر لے کے چلا اور جون ہمراہ رکاب ہوئی

تا بہ توڑ لوچ کے شاہی لشکر پیرس کے گرد اُترا۔ راستے مین بھی کئی فتحین ہوئین اکثر شہرون نے خود ہی سر اطاعت جھکا دیا۔ آخر شاہ چارلس کے اشارے سے اُس نے مقام سینٹ اونورے پر دھاوا کیا جہان کہ دشمنون کا پڑاؤ تھا۔ اگرچہ جون نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں قتل کیا اور نہ کسی پر تلوار۔ نیزے یا کسی حربے سے وار کیا مگر حملہ آوری مین ہمیشہ سپاہیون سے آگے رہتی اور سب سے پہلے حریف کے قلعے پر جا پہونچتی تھی۔ اس میدان مین وہ کئی بار زخمی ہو کے گری اور غش آ گیا۔ اور پھر یہ معمول تھا کہ جب غش سے سکون ہوتا اور ہوش و حواس بجا ہوتے تو بادشاہ سے اپنے گھر جانے کی اجازت مانگتی۔ مگر چارلس نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور آخر مین کہا "تمہارے اعلیٰ خدمات کے صلے مین تمہارے گانوْن کی مالگذاری معاف کر دی جائے گی۔ اور کوئی بہت اعلیٰ درجے کی معزز خدمت تمہارے سپرد کی جائے گی۔" گو کہ ان وعدون کا اُس پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا مگر بادشاہ کے اصرار سے مجبوراً اُسے شاہی رفاقت اور دربارداری کی زندگی اختیار کرنی ہی پڑی۔

اس کے بعد بہت سے واقعے پیش آئے جن مین اگرچہ کامیابی ہوئی مگر امرائے فرانس کی فتنہ پردازیان اور جون کے بدنام کرنے کی کارروائیان بدستور جاری تھین بلکہ روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھین۔ یہان تک کہ ایک مرتبہ بادشاہ چارلس نے اُس کے ذمے یہ خدمت کی کہ فوج لے کے جائے اور انگریزون کو شہر کوم بین سے مار کے نکال دے۔ یہ شاہی حکم پاتے ہی وہ مسلح ہو کے روانہ ہوئی اور جوش و خروش سے حملے کی تیاریان کرنے لگی۔ اس موقع پر فرانسیسی افسرون کی ناپاک سازشون کا یہ اثر نمایان ہوا کہ اُس نے فوج کو حملے کا حکم دیا اور یورش کرنے کے لیے بڑھی تو فوج والون نے بجائے اسکے کہ اُس کے حکم پر عمل کرین انحراف کیا۔ اسی قدر نہین بلکہ وہ جون کی نسبت اہانت و اتہام کے الفاظ زبان پر لائے۔ جون نے اپنی توہین کا تو کچھ خیال نہین کیا مگر اُنہین حملے کے لیے اُبھارا اور خود دشمنون کی طرف بڑھی۔ اب وہ تنہا دشمنون کی طرف بڑھتی چلی جاتی تھی اور گویا تن تنہا قلعے پر قبضہ کر لینے

کی آرزومند تھی۔ مگر ہمراہیون نے کسی طرح ساتھ نہ دیا۔ بلکہ شکست کھا کے بھا[گے] ناگہان فرانسیسیون ہی کے ایک گروہ نے جو انگریزون کا طرفدار تھا۔ اُسے گھیر لیا۔ اور گھوڑے سے کھینچ کے گرفتار کر لیا۔ اور کمال ناشکری و احسان فراموشی سے انگریزون کے حوالے کر دیا۔ چونکہ جون کے خون کے پیاسے تھے اور اُسے بڑی بھاری خطرناک جادوگرنی تصور کرتے تھے۔ جون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہوتے ہی لوگ اُس کی زیارت کو آنے لگے۔ عوام مین تو ہمدردی کا جوش تھا اور خوبا[?] اُس کی اسیری پر آہ و زاری کر رہے تھے مگر امرائے فرانس کی یہ حالت تھی کہ گویا جون کے سب سے بڑے جانی دشمن وہی تھے۔ انھون نے فوراً انگریزون سے صلح کر لی۔ بلکہ اپنی عجیب و غریب بے نفس محسنہ کو اُن کے حوالے کر کے اُن کے مطیع فرمان بن گئے۔

اب علانیہ دھڑلے سے جون کی ہر بات پر اعتراض ہو رہا تھا۔ اس کی ہر ایک کارروائی پر نکتہ چینیان ہو رہی تھین۔ اور اُس کے طرح طرح کے نام رکھے اور اُسے ہر قسم کے الزام دیے جاتے تھے۔ اور وہ نہایت استقلال و جوانمردی سے بغیر اس کے کہ تیوریون پر ذرا بھی بل آئے یا کسی قسم کی فکر بھی چہرے سے ظاہر ہو اپنے قید خانے مین خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اور تو اور قوم فرانس کی نا[…] و ذلت کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا کہ خود شاہ چارلس جسے اُس نے بادشاہ بنایا اب کمال ناشکری کے ساتھ اُس کا دشمن تھا۔ اور دیگر امرا کی طرح وہ بھی جون کے نام کی توہین کرتا۔ اور اُسے طرح طرح کے عیب لگاتا تھا۔ پیرس والے جون کے سب سے زیادہ خلاف تھے اور انگریزون کو بار بار اُبھارتے تھے کہ جون زندہ نہ چھوڑی جائے۔ اور اُسے نہایت ہی سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ وہ اسیرون کی طرح فرانس کے قلعۂ جان روی لکس برگ مین رکھی گئی۔ انگریزی عدالت کے سامنے اُس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور شاہ انگلستان ہنری نے اس مقدمے کی سماعت کے لیے دو جج مقرر کیے۔ اس مقدمے کے دوران میں وہ ۱۶ مرتبہ اجلاس کے سامنے لا کے پیش کی گئی۔ اور ہر بار اُس سے عجیب استقلال ظاہر ہوتا تھا۔ اور تمام الزامات کا وہ ایسا معقول جواب دیتی کہ کسی کو جواب دیتے نہ بن پڑتا

آخر جب اور کوئی الزام نہ عائد کیا جا سکا تو صرف اس بنا پر کہ وہ جادوگرنی ہے اُسے حبسِ دوام کی سزا دے دی گئی۔ اور صرف روٹی اور پانی اُس کی غذا مقرر ہوئی۔

اسی سلسلے مین اُس سے قسم کھلا کے عہد لیا گیا کہ "اب کبھی مردانے کپڑے نہ پہنونگی"۔ اور حلف لینے کے دو چار روز بعد یہ چالاکی کی گئی کہ جب وہ سونے کے کپڑے پہن کے سو رہی تو کسی نے چپکے سے جا کے اُس کے کپڑے غائب کر دیے اور اُن کی جگہ ایک مردانہ جوڑا رکھ دیا۔ صبح کو جاگنے کے بعد جب اُس نے خوابگاہ کے کمرے سے نکلنا چاہا تو مردانہ کپڑون کے سوا اور کوئی لباس نہ ملا۔ مجبوراً اُنھین کپڑون کو پہن کے خوابگاہ سے نکلی۔ ساتھ ہی چارون طرف سے لوگون نے نرغہ کیا کہ تم نے اپنی قسم اور اپنے عہد کے خلاف کیا اور اُسی لباس مین اُسے حاکم کے سامنے پکڑ لے گئے۔ اور اس بات کی شہادتین پیش کین کہ "اس نے پھر مردانے کپڑے پہنے۔ اور حضور کے ملاحظے کے لیے ہم اُسے مع لباس کے لے آئے ہین"۔ مجسٹریٹ نے باضابطہ کارروائی کر کے غریب جون پر دروغ حلفی کا جرم عائد کیا۔ اور اُس کی سزا یہ تجویز کی کہ زندہ آگ مین جلا دی جائے۔ جو کہ اُن دنون عموماً جادوگرنین اور ڈائنون کی مروجہ سزا تھی۔ جون نے نہایت ضبط و تحمل اور صبر و استقلال سے یہ حکم سُنا اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے "تمھارے اس حکم کی اپیل اُس خدائے عالم و دانا کے عرشِ اعلیٰ کے سامنے پیش کرون گی"۔

اس قدر جلد قتل کی سزا کی وجہ یہ بھی تھی کہ اگرچہ فرانس والون نے گرفتار کر کے اُسے انگریزون کے حوالے کر دیا تھا مگر برابر اصرار کر رہے تھے کہ اُسے جلد قتل کی سزا دی جائے۔ انگریزون کو اگرچہ جون کی کوششون سے بعید نقصان پہونچ گیا تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر جون آف آرک نہ اُٹھ کھڑی ہوئی ہوتی تو اُنھون نے پورا ملک فرانس فتح کر کے چارلس کو ہمیشہ کے لیے تاج و تخت سے محروم کر دیا ہوتا۔ تاہم انگریز شاید بذاتِ خود اُسے ایسی بے رحمی کی سزا نہ دیتے۔ مگر فرانس والون کی ناشکری۔ احسان فراموشی۔ اور نالائقی و بے حمیتی

نے انگریزون کو مجبور کر کے اُن کے ہاتھ سے ایسا یادگار زمانہ ظلم کرا دیا جو خود اپنے طور پر اُن سے نہ ہو سکتا۔

اب اس سزا کی تعمیل کا انتظام ہونے لگا۔ فرنچ امرا سنگدل اور بے رحم تماشائیون کی طرح اکٹھا ہوے۔ فرانس کی بے بس رعایا اپنی بدبختی پر روتی اور آنسو بہاتی ہوئی جمع ہوئی۔ ایک بڑی بھاری چتا بنائی گئی اور اُس پر جون لا کے کھڑی کر دی گئی۔ کہتے ہین کہ موت کی اس نازک گھڑی مین اُس کے ہاتھ سے صبر و تحمل کی باگ نکل گئی۔ خوبصورت اور نازک چہرے پر بجاے متانت و استقلال کے حسرت برس رہی تھی۔ اور بار بار لبون سے آہ نکل جاتی تھی۔ پھر جب کہ اُس چتا مین آگ لگا دی گئی اور شعلے اُس کے قریب پہونچے اور اُس کے بدن مین چرکے دینے لگے تو وہ ایسی درد بھری آوازین کھینچتی اور اُس حضرت رب العزت کی درگاہ مین فریاد کرتی تھی کہ پتھر کا کلیجا بھی موم ہوا جاتا تھا۔ عام تماشائی زار و قطار رو رہے تھے۔ مگر نہ اثر ہوتا تھا تو بے رحم امراے فرانس کے دلون پر۔

یہ ایسا حسرتناک اور جگر پاش پاش کرنے والا منظر تھا کہ دشمنون کی آنکھون سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔ خود کارڈنل بونور (نائب پوپ) جو تعمیل حکم کرانے کے لیے آیا تھا اُس کے دل پر بھی خدا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ایسی پیاری صورت کے دم بھر مین مٹا دینے کا اس قدر اثر ہوا کہ اس منظر کو نہ دیکھ سکا۔ اور ادھر سے مُنہ پھیر لیا۔ اور اُس کی آنکھون سے ایک سیلاب جا رہی تھا۔ جس چتا با ندھ کے جون جلائی گئی وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کسی مین کسی قسم کا ہمدردی کا درد بھی پیدا ہوتا تو وہ اُس کی کچھ مدد نہ کر سکتا۔ آخر دم بھر مین شعلون نے اُس سینہ شگاف چیخین موقوف کر کے اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کیا۔ پھر اُسے جلا خاک کر دیا۔ اور جلنے کے بعد اُس کی خاک دریاے سین کے اوپر ہوا مین اڑا دی گئی۔ تا کہ اُس کے جسم کا ذرہ بھی کسی کے ہاتھ نہ آ سکے۔ خیر اُس عہد کے سنگدل بے عقلون نے اُس کی فانی تصویر تو مٹا دی مگر اُس کے روشن نام کا مٹانا امکان سے باہر تھا۔

بیگناہی کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوتی ہی ہے۔ اور ظالمون کو اپنا ظلم خود

ہو جاتا ہے۔ مگر اُس وقت سوا پچھتانے کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ جون آف آرک کے جلائے جانے کے ۲۰ برس بعد پیرس کے بشپ (لارڈ پادری) اور نیز رومۃ الکبریٰ کے بشپ نے آزادی سے یہ فتویٰ جاری کیا کہ جون کے حق میں جو فیصلہ کیا گیا وہ غیر منصفانہ اور سراسر ظالمانہ تھا۔ اور اُس کے ساتھ ہی فرانس کے ادنیٰ و اعلیٰ سب لوگ جون کے بیگناہ قتل کیے جانے پر پچھتانے اور کفِ افسوس ملنے لگے۔

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ   ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جو جو زمانہ گذرتا جاتا تھا فرانس والوں کو اپنے دامن پر اُس یادگار زمانہ خونِ ناحق کا دھبہ زیادہ اُبھرتا نظر آتا تھا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس ناحق شناسی کے بار کو اپنے سینے پر سے کیونکر ہٹائیں؟ آخر ۱۸۲۰ء میں جون کے وطن ڈومری میں اسکی ایک سنگی مورت بنا کے نصب کی گئی۔ پھر دوسری مورت خاص اُس مقام پر بنا کے قائم کی گئی جہاں وہ چتا پر رکھ کے جلائی گئی تھی۔ اس کے چند روز بعد ایک مورت خاص پیرس میں ایک عمدہ موقع پر کھڑی کی گئی جو اُس کی سب مورتوں سے زیادہ عمدہ۔ اچھی اور مکمل تھی۔ اس کے بعد ۱۸۵۱ء میں شہر اورلیان والوں نے جن کے علاقے میں جون کا وطن ڈومری میں واقع تھا اپنے وہاں اُس کی ایک مورت بنا کے قائم کی اور ہر سال ۸ مئی کو اُس کی یاد تازہ کرنے کے خیال سے ایک میلا کرنے لگے جو آج تک جاری ہے۔ اس موقع پر جلسے کیے جاتے۔ اور اُن میں ظالموں کی مذمت و ہجو میں پُر جوش و پرسوز نظمیں پڑھی جاتیں۔ جنھوں نے کمال سنگدلی سے اُس حامیِ وطن کو اس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا۔ اس سلسلے کے جاری ہوتے ہی اُس کی مظلومی کی تصویر دکھانے کے لیے ڈرامے تصنیف ہوے اور وہ یورپ کے تھیٹروں میں دکھائے گئے۔ ناول شایع ہوے۔ اور ہر طرف سے اُس سچی پاک نفس حامیہ وطن کی طرفداری میں آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ ساری دنیا نے تسلیم کر لیا کہ جون نہایت ہی پاک دل اور سچی شہید قوم تھی اور اُس کے قتل کرنے والے بدترین ظالم و سنگدل۔

اُمِّ سلمہ زوجۂ سفاح

یہ ایک خالص عربی معاشرت کا نمونہ تھا اور اُن کی بھی وہ معاشرت جو اُنکے متمدن بننے کے بعد کی ہے۔ یہ خاتون یعقوب بن ولید بن عبد اللہ بن ولید بن مغیرہ مخزومی کی بیٹی تھی اور اسی شریف قبیلے کی یادگار تھی جس کی ایک مشہور یادگار سیف اللہ خالد بن ولید تھے۔ وہ حسن و جمال کے علاوہ بڑی صاحب تمیز سلیقہ شعار اور شایستہ تھی اور خدا نے اُسے مال و دولت سے بھی بہرہ ور کیا تھا۔ پہلے عبد العزیز بن عبد الملک بن مروان کے عقد نکاح مین تھی۔ پھر ہاشم نام ایک معزز دولتمند عرب نے اُس سے نکاح کیا۔ ہاشم کے بعد ایک دن اپنے مکان مین بیٹھی ہوئی باہر کا یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ سامنے سے ایک خوبرو و خوش جمال جوان رعنا کا گذر ہوا۔ اس جوان کی صورت دیکھتے ہی اُمِّ سلمہ دل مین فریفتہ ہو گئی۔ اور ہم صحبت خاتونان قوم سے دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ جواب ملا کہ "ان کا نام ابو العباس سفاح ہے اور عم رسول اللہ حضرت عباس کی نسل سے ہین"

ان دنون بنی اُمیہ کی حکومت تھی اور بنی ہاشم عام اس سے کہ فاطمی ہون یا عباسی غربت و فلاکت مین مبتلا تھے۔ عہدہ دارانِ سلطنت اور معزز سوسائٹی مین بھی اُن کی ایسی قدر و منزلت نہ تھی کہ کوئی دولتمند عورت اُن کی طرف توجہ کرتی۔ مگر اُمِّ سلمۂ مخزومیہ ابو العباس سفاح کی صورت پر کچھ ایسی فریفتہ ہوئی کہ کسی بات کا بھی خیال نہ کیا اور اپنی ایک لونڈی کو اُن کے پاس بھیج کے خود ہی نکاح کا پیغام دیا اور پیام کے ساتھ سات سو اشرفیان بھیجین کہ یہ آپ کی نذر ہین۔ لونڈی نے آکے سفاح کو یہ پیام دیا تو اُنھین اپنی اس خوش اقبالی پر حیرت ہوئی اور اس سے کہا "مگر مین تو مفلس و نادار ہون"۔ اُنھون نے ناداری کا شکوہ کیا تو اُس نے وہ سات سو اشرفیان پیش کر دین کہ "روپے کی ضرورت ہے تو ہماری بی بی نے خود ہی یہ رقم تمھاری نذر کی ہے"۔ اب کیا تھا سفاح خوش خوش اپنے گھر آئے پھر اُمِّ سلمہ کے بھائی کے پاس جا کے شادی کا پیام دیا۔ اُنھون نے قبول کیا اور

اور دو ہی چار روز میں پانچ سو اشرفی مہر پر نکاح ہو گیا۔

شب کو ابو العباس سفاح جب حجلۂ عروسی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ دولھن ایک شہ نشین پر بیٹھی ہوئی ہے جس پر مغرق و مرصع فرش ہے۔ بال بال موتی پروئے ہوئے ہیں۔ اور سارے بدن میں کوئی جگہ نہیں ہے جہاں سے جواہرات عنوہ نہ دے رہے ہوں۔ دولتمندی کا ایک ایسا نمونہ اور ایسا آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا منظر کبھی ان غریب کی نظر سے نہیں گذرا تھا مبہوت و ششدر کھڑے رہ گئے اور کسی طرح قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تب ام سلمہ نے لونڈیوں کو بلا کے شہ نشین کے نیچے مسند بچھوائی اور زرگریوں کے سادے کپڑے زیب بر کیے۔ مگر اب بھی امارت و حسن کا ایسا رعب تھا کہ سفاح کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر ان کا دل بڑھانے کے لیے دولھن نے خود ہی کہا "تم گھبراؤ نہیں۔ آؤ پاس بیٹھو اور باتیں کرو۔" غرض ام سلمہ کی دلدہی سے سفاح میں اتنی جرأت پیدا ہوئی کہ دولھا دولھن ایک دوسرے سے مانوس ہوئے۔

اس کے بعد سفاح کی یہ حالت تھی کہ نام کو تو شوہر تھے مگر حالت دیکھیے تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے بی بی کے غلام بے درم ہیں۔ حلف اٹھا لی کہ زندگی بھر تمھارا ہی رہوں گا۔ نہ کوئی اور شادی کروں گا اور نہ کسی لونڈی سے کبھی سروکار رکھوں گا۔ میاں بیوی میں حد سے زیادہ محبت تھی۔ ابو العباس کوئی کام بغیر بی بی کے مشورے کے نہ کرتے تھے۔ اور کبھی ان کی مرضی کے خلاف نہ کرتے۔ الغرض نہایت ہی آرام و آسایش سے گذر رہی تھی۔ بی بی کی دولت نے سفاح کو بھی ایک رئیس اعظم بنا دیا تھا اور خدا نے مسرت کو اور ترقی دینے کے لیے اولاد بھی عطا فرمائی تھی۔ اس طرح ابو العباس کی اقبالمندی کا پہلا نمونہ اس صاحب مال و جمال بی بی ہی کی ذات سے نظر آیا۔

چند روز بعد انقلاب زمانہ نے بنی امیہ کا دفتر الٹ دیا۔ بنی عباس کا ستارۂ اقبال چمکا۔ خلافت اسلامیہ کا تاج سفاح کے سر پر رکھا گیا۔ اور دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ وہی شخص بن گیا جسے اپنی فلاکت سے دولتمند بی بی کے بدن میں ہاتھ لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی جو افلاس کی کمزوری سے بی بی کا درم ناخریدہ غلام بنا ہوا تھا۔ اور اس کی

عورت دیکھ کے ڈرتا اور سہما جاتا تھا مگر ہاشمی شرافت کے اثر سے مالک تاج و دیہیم ہونے کے بعد بھی سفاح کے تعلقات اپنی نازآفرین بی بی ام سلمہ سے ویسے ہی رہے۔ اور اب بھی مجال نہ تھی کہ کوئی کام اُس کی مرضی کے خلاف کرین یا کسی اور عورت کو آنکھ اُٹھا کے دیکھین۔ لیکن حکمرانی و جہان پناہی نے اب دربار اور صحبت مین بعض ایسے لوگ بھی پہونچا دیے جو امرا کے دلون مین طرح طرح کی خواہشین اور ہوسین پیدا کرکے اُن کی سیہ کاری و عیش پرستی سے خود فائدہ اُٹھایا کرتے ہین۔

چنانچہ ایک بڑے زبان آور اور لسّان مصاحب خالد بن صفوان نے موقع پاکے ایک دن تنہائی مین عرض کیا "امیر المومنین! مجھے حضور کی حالت دیکھ کے بڑا تعجب آتا ہے۔ اقتدارات خدا نے ایسے دیے ہین کہ چاہے کیسا ہی حکم ہو مجال نہین کہ اس کی تعمیل مین ایک لمحے کی بھی دیر ہوسکے۔ قلمرو اتنی بڑی ہے کہ ساری دنیا تابع فرمان ہے اور باوجود اس سطوت و جبروت کے ایک عورت حضور پر حاکم ہے اور اُسکے بندۂ فرمان بنے ہوے ہین۔ وہ بیمار ہو تو حضور بیمار ہین۔ گھڑی بھر کو نظر سے اوجھل ہو تو حضور اپنے مین نہین ہین۔ ایک اُسکے بس مین ہونے کی وجہ سے حضور نے ساری لطف اور دنیا کی تمام لذتین اپنے اوپر حرام کرلی ہین۔ حتی کہ حضور کو یہ بھی معلوم نہین ہونے پاتا کہ حسینان عالم مین خدا نے کیسی کیسی نازآفرین دلربائین پیدا کی ہین۔ کوئی قیامت قامت ہے۔ کوئی ماہ طلعت ہے۔ کوئی گل رخسار ہے۔ کوئی چھریری اور نازنین ہے کوئی سانولی اور نمکین ہے۔ کوئی مدینے کی جادو بیان ہے جو اپنی پیاری پیاری باتون مین لبھا لیتی ہے۔ کوئی کوفے یا بصرے کی شیرین زبان ہے جس کی چتونین زہر کا اثر رکھتی ہین۔ کسی کی زلفین دل کو اپنے پھندے مین پھانس لیتی ہین کسی کی سُرمگین آنکھون کے تیر کلیجے مین اُتر جاتے ہین"۔

اسی طرح خالد بن صفوان دیر تک طرح طرح کے حسنون کی تصویرین سفاح کی آنکھون کے سامنے کھینچتا رہا۔ یہان تک کہ اُس کا دل ڈانوا ڈول ہوگیا اور دل مین کہنے لگا "یہ سچ تو کہتا ہے۔ اپنی اس حماقت کے باعث مین کیسی کیسی لذتون سے محروم ہون"۔

اب خالد تو آگ لگا کے چلتا بنا اور دل مین خوش تھا کہ مین نے میدان ارا

اگر میری! تو ان میں آ کے سفاح نے کسی دوسری عورت کی طرف توجہ کی تو پھر مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ ایک سوچ میں پڑا ہوا تھا۔ اور کوئی فیصلہ نہ کر چکا تھا۔ اسی حالت میں تھا کہ اُم سلمہ آئی اور اُسے ملول و حزین دیکھ کے سبب پوچھنے لگی۔ بار بار اُسے تسلی دیتی تھی اور کہتی تھی "آخر آپ کو کس بات کی فکر ہے؟ کسی بیرونی حریف نے سر اُٹھایا ہے؟ کسی نے بغاوت کی ہے؟ کوئی ہنگامہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے؟ آخر کون سی ایسی بُری خبر آئی ہے جو آپ اس قدر متفکر ہیں؟" سفاح "خیر و شر کوئی نہیں آئی" ام سلمہ "پھر وہ نگوڑی کون سی بات ہے جس کے لیے دشمن یوں پریشان ہو رہے ہیں؟" سفاح "کچھ نہیں۔" اُم سلمہ "کچھ تو ضرور ہے۔"

سفاح: "ایک یوں ہی سی بات ہے جو تم سے کہنے کی نہیں۔"

اُم سلمہ "اور میں بے پوچھے نہ رہوں گی۔"

آخر اُم سلمہ نے "بتاؤ" "لے جلدی بتاؤ" کی یہاں تک رٹ لگائی کہ مجبوراً سفاح نے ساری سرگذشت سُنا دی اور خالد نے جو کچھ کہا تھا بی بی کے سامنے دوہرا دیا۔ سنتے ہی اُم سلمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصے کے تیوروں سے پوچھا۔ "اور تم نے اُس حرام زادے کو اس کا کیا جواب دیا؟" اس پر سفاح نے برا فروختہ ہو کے کہا "واہ! وہ تو مجھے نیک مشورہ دیتا ہے اور تم اُسے کوستی ہو!" شوہر سے یہ جواب پا کے اُم سلمہ طیش میں بھری ہوئی وہاں سے اُٹھ کے اپنی محلسرا میں گئی۔ اور دس چوبداروں کو بُلا کے حکم دیا کہ اسی وقت خالد بن صفوان کے مکان پر جاؤ اور اُسے اتنا مارو کہ اُس کا کوئی عضو صحیح و سالم باقی نہ رہے۔"

میاں خالد گھر میں بیٹھے ہوئے شاہی انعام کے امیدوار تھے اور وہ راہ دیکھ رہے تھے کہ کوئی شاہی غلام خلعت اور نقد جواہرات لیے ہوئے آتا ہی ہوگا کہ ناگہاں ڈیوڑھی پر چوبدار نمودار ہوئے۔ اور دروازے پر پہونچ کے پوچھا "خالد بن صفوان کہاں رہتے ہیں؟" آپ لپک کے بے اختیار باہر نکل آئے۔ اور جوش مسرت سے از خود رفتہ ہو کے کہا "ہاں ہاں جی میں ہی ہوں۔ جو کچھ انعام لائے ہو دو۔" انھوں نے کہا "لو" اور بے تکان پیٹنا شروع کیا۔ یہ حالت دیکھی تو آپ گھبرا کے بھاگے۔

گھر مین گھس کے دروازہ بند کر لیا - اور زیادہ نہین پٹنے پائے - مگر ڈر کے مارے گھر سے قدم باہر نکالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی -

انھین گھر مین بند پڑے پڑے کئی دن ہو گئے اور سفاح کے غلام روز آ آ کے پلٹ جاتے تھے - یہان تک کہ تیسرے چوتھے دن اُنھون نے پکڑ پایا - اور کہا "چلو امیر المومنین بلاتے ہین - کئی دن سے کہان بھاگے ہوے تھے کہ ہم روز آ آ کے پلٹ جاتے ہین" مگر اب خالد کا خون خشک تھا - اور دل مین موت کا یقین تھا - مارے باندھے سفاح کے دربار مین پہونچے - سفاح تنہا تھا - مگر اُس کے پیچھے ایک کھڑکی مین باریک زرنگار پردہ پڑا ہوا تھا جس کے اُدھر حرکت بھی محسوس ہوتی تھی - خالد دل مین سمجھ گیا کہ بادشاہ کے پیچھے بادشاہ بیگم بھی موجود ہین - سفاح نے صورت دیکھتے ہی کہا "تین دن سے کہان تھے؟" عرض کیا "حضور غلام بیمار تھا ورنہ ضرور حاضر ہوتا" سفاح نے کہا "پچھلی صحبت مین تم نے حسین و جمیل عورتون کی کچھ ایسی صفتین بیان کی تھین جیسی مین نے کبھی نہین سنی تھین - تمھاری اُن باتون مین مجھے بڑا مزہ آیا تھا جو اس وقت تک یاد ہے - ذرا اُن باتون کو پھر میرے سامنے بیان کرو" خالد نے کہا "بہتر - مین نے عرض کیا تھا کہ جس کسی نے ایک بی بی کے ہوتے دوسری بی بی کی ضرر ہی اُٹھایا ——" سفاح نے برہم ہو کے کہا "ہائین! یہ تم نے کب کہا تھا؟" خالد "حضور خدا کی قسم یہی - اور عرض کیا تھا کہ تین بیبیون کا گھر بس ایک پتیلی ہے جو برابر اُبلے جاتی ہو" یہ سنتے ہی ابو العباس بگڑ کے بولا "خدا کی قسم تو نے یہ نہین کہا تھا - اگر یہ کہا ہو تو مین قرابت رسول اللہ صلعم سے محروم ہون" خالد "اور حضور مین نے یہ بھی تو عرض کیا تھا کہ چار بیبیان شوہر کے لیے صریح آفت ہین - اُسے بوڑھا اور پیر فانی بنا دیتی ہین اور بیمار ڈال دیتی ہین" سفاح "(جوش اضطراب مین) "خدا کی قسم مین نے یہ بات کبھی سنی ہی نہین نہ تجھ سے اور نہ کسی اور سے" خالد "جی خداوند - مین نے تو بس یہی عرض کیا تھا" سفاح "ارے کمبخت میرے مُنہ پر جھوٹ بولتا ہے!" خالد "(چلا کے) "تو کیا حضور میری جان لینا چاہتے ہین؟" سفاح "تو نے کہا تھا کہ ایسی ایسی حسین عورتین ——" خالد (بات کاٹ کے) "جی ہان مین نے عرض کیا تھا

کہ یہ حرم کی دوشیزہ لونڈیاں ایسی سنڈیاں ہیں کہ عورت ہونا کیسا وہ تو سوا مرد ہیں۔ اُن کے عورت ہونے میں بس ایک ہی بات کی کسر رہ گئی ہے" خالد کے اس فقرے پر پردے کے پیچھے سے ایک قہقہے کی آواز آئی۔ اور ساتھ ہی خالد نے کہا "اور حضور میں نے یہ نہیں عرض کیا تھا کہ بنی مخزوم قریش کا پھول ہیں۔ اور آپ کے پاس تو سارے پھولوں میں سے چنا ہوا ایک اعلیٰ درجے کا خوش رنگ و شاداب مہکتا پھول موجود ہے اور باوجود اس کے آپ دوسری آزاد بیبیوں اور لونڈیوں پر نظر ڈالتے ہیں!" میرے اس جملے کے ختم ہوتے ہی پردے سے آواز آئی۔ "بیشک تم نے امیرالمومنین سے یہی کہا ہوگا مگر انھوں نے اسکے عوض اپنے دل سے نئی نئی باتیں اپنی ہوس کے مطابق بنالیں اور انھیں تمھاری جانب منسوب کردیا" اب اُم سلمہ تو پردے کے پیچھے بیٹھی ہنس رہی تھی۔ اور سفاح کی یہ حالت تھی کہ خالد کو گالیاں دے رہا تھا "خدا تجھے غارت کرے! خدا تجھ سے سمجھے!" اُسے برہم دیکھ کے خالد سامنے سے کھسک گیا۔ خلیفہ کے سامنے جاتے وقت تو اُسے موت کا یقین تھا مگر واپسی میں ام سلمہ کی مہربانی سے زندگی کی امید پیدا ہو گئی۔ گھر پہونچا ہی تھا کہ اُم سلمہ کے خدام جو پہلے اُس کے زدوکوب کے لیے آئے تھے حاضر ہوے اُسے بادشاہ بیگم کی مہربانی کا یقین دلایا۔ اور دس ہزار درہم۔ خلعت کی ایک کشتی۔ ایک بڑے قدوقامت کا گھوڑا اور ایک غلام ملکۂ جہاں کی طرف سے اُس کے حوالے کیا۔ اور واپس گئے۔

پھر اسکے بعد نہ کبھی کسی کو سفاح کے بہکانے کی جرأت ہوئی اور نہ خود اُسے کسی دوسری عورت کا خیال آیا۔ زندگی بھر اپنی پرانی بی بی ام سلمہ سے نباہی۔ اور اُس کا ویسا ہی تابع فرمان بنا رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

کیتھرائن ملکۂ روس (اول)

ملک روس میں اس نام کی دو ملکائیں گذری ہیں۔ مگر حسن کی کرشمہ سازیوں کا سب سے زیادہ مکمل نمونہ پہلی کیتھرائن ہے جس کے دلچسپ حالات لکھنے کے لیے ہم نے قلم اُٹھایا ہے۔

جن لوگون نے نورجہان بیگم کے حالات پڑھے ہین وہ تعجب کرتے ہین کہ کس غربت و مصیبت اور فلاکت و مسکنت کی حالت مین پیدا ہوئی اور محض اپنے حسن و جمال کی قوت سے کس اعلیٰ عروج اور کس شان و شوکت اور عظمت و جبروت کے درجے کو پہونچ گئی - لیکن مقابلہ کرکے دیکھیے تو کیتھرائن کے حالات نورجہان سے زیادہ حیرت انگیز نظر آتے ہین جو گمنامی مین پیدا ہوئی - ایک معمولی سپاہی کے ساتھ نکاح ہوا - لونڈیون کی طرح گرفتار کرکے اپنے وطن سے لائی گئی - اور آخر اپنی خوش جمالی کی قوت سے پیٹرس اعظم شہنشاہ روس کی ملکہ ہی نہین اُسکے دل و جان کی مالک ہو گئی - ان دونون مشرقی و مغربی شہنشاہ بیگمون مین یہ فرق بھی نظر آتا ہے کہ نورجہان بیگم باوجود اعلیٰ اقتدارات اور اپنے نام کا سکہ تک جاری کرانے کے نہایت ہی پاکدامن و عصمت شعار تھی اور ہر حال مین اُس کا دامن بے عصمتی کے دھبون سے پاک رہا - بخلاف اسکے کیتھرائن اپنے دامن کو بدکاری و بے عصمتی کی نجاست سے نہ بچا سکی بلکہ اُس کے عروج کا آغاز ہی بدکاری سے ہوا۔

یورپ کے انتہائی شمال مین اور قطب شمالی سے قریب ایک جزیرہ نما ہے جو ممالک سویڈن اور ناروے پر حاوی ہے - یہ جزیرہ نما نقشے مین ایسا نظر آتا ہے گویا یورپ اعظم کے درخت بید مجنون کی سی ایک شاخ فلک کے بائین طرف جھکی پڑی ہے - اسی سرزمین مین ایک چھوٹا سا صوبہ لیو ونیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو سویڈن کی قلمرو مین شامل ہے - سلطنت سویڈن کی فوج کا ایک ادنیٰ درجے کا افسر جان رابس نامی لیو ونیا مین رہتا تھا جس کے گھر مین آج سے دو صدی قبل ۱۶۸۲ء مین ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اُس وقت عزیزون اور ہمو طنون کو بڑی ہی منحوس و سبز قدم نظر آئی - ہنوز ماں کے پیٹ ہی مین تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا - بیچاری ماں نہایت ہی افلاس و فلاکت کی حالت مین تھی کہ باپ دنیا سے رخصت ہو گیا - اور بیوہ ایسی تباہی و مصیبت مین پڑ گئی کہ نہ کوئی خبرگیران تھا اور نہ کوئی پُرسانِ حال - تاہم فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کرکے مہینے تک دودھ پلایا - مگر مدتِ رضاعت کی مدت بھی پوری کرنے پائی تھی کہ زمانہ کو نہ برداشت کر سکی - اور ایڑیان رگڑ رگڑ کے مر گئی -

اب اس تین برس کی ننھی سی جان کا کوئی والی وارث نہ تھا۔ گاؤن کے ایک اور شخص کو ترس آگیا۔ اپنے گھر لے گیا اور چند سال رکھ کے پالا۔ اسکے چند روز بعد ایک پروٹسٹنٹ پادری نے اُسے شہر "مرین برگ" میں لیجاکے رکھا اور اپنے لڑکون کی خدمت پر مامور کیا۔ اب یہ لڑکی ذرا ہوشیار ہو چکی تھی۔ پادری صاحب کے لڑکون کی خدمت بڑی سرگرمی اور شوق سے بجالاتی اور جہان تک بنتا انھین آرام پہونچاتی۔ پادری صاحب کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔ یہ لڑکی پاس بیٹھ کے اُنکو سبق یاد کرنے کا شوق دلاتی اور ساتھ ہی ساتھ اُن سے سیکھ سیکھ کے خود بھی لکھتی پڑھتی اور علم وفضل مین ترقی کرتی۔ یہ لڑکی جیسی حسینہ و جمیلہ تھی ویسی ہی ذہین وطباع۔ پادری صاحب کے لڑکون نے تو خیر کچھ نہ کچھ ترقی کی ہی ہوگی مگر اس نوخیز اور ذہین لڑکی نے چپکے ہی چپکے لکھ پڑھ کے علم وفضل مین جو مرتبہ حاصل کرلیا بہت غیر معمولی تھا۔

اب اس حسین وپری جمال دوشیزہ کا عہد شباب تھا۔ ع "جوانی کی راتین مرادون کے دن"۔ جوانی کی اداؤن نے حسن کی آب وتاب کو چمکا دیا اور شباب نے اُس کی نظر فتان کے تیرون پلکون کے خنجرون اور ابرو ون کی تلوارون پر باڑھ رکھ دی۔ سویڈن کی کسی سپاہی کی اُس پر نظر پڑی اور نظر پڑتے ہی گھائل ہوگیا۔ اگرچہ اُس کے حسن کا آفتاب حسینان عالم کے چراغ گل کیے دیتا تھا۔ مگر غربت وفلاکت کے باعث خود اُسے اپنی اور اپنے اُس زاہد فریب حسن کی قدر نہ تھی۔ اُسی پہلے قدردان حسن کے ساتھ نسبت ٹھہر گئی اور سنہ۱۷۰۲ء مین نکاح ہوگیا۔

شادی کو مشکل سے پورا سال گذرا ہوگا کہ سلطنت روس نے سویڈن پر چڑھائی کرکے شہر مرین برگ پر قبضہ کرلیا۔ اس موقع پر بھی یہی نظر آیا کہ مصیبت اور بری قسمت نے ابھی تک اُس غریب لڑکی کا ساتھ نہین چھوڑا۔ کیونکہ اُس کا شوہر وطن کی حمایت مین مارا گیا۔ اور روسی جنرل باور زبردستی پکڑ کے اُسے اپنے ساتھ روس لے آیا۔

یہی حسین لڑکی کیتھرائن تھی جو ایسی تباہیون اور بدقسمتیون کے ساتھ گرفتار ہوکے ملکہ روس بنی آئی ہے۔ لیکن اُس کے یہان آنے کی شان اگرچہ نہایت ہی

بیچارگی و بے حرمتی اور بیکسی و بےبسی کی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدنصیبی کو وہ اپنے وطن ہی میں چھوڑتی آئی۔ کیونکہ اُسی وقت سے نصیبے نے یاوری شروع کی۔ اور اب اُسے پستی سے بلندی اور ذلت سے عزت کی طرف عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ گرفتاری و اسیری سے پیشتر اُس کی زندگی ایسی گمنامی کی حالت میں گذری تھی کہ اُس وقت کے جو کچھ حالات ابھی بیان کیے گئے ہیں افسانے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ مختلف راوی مختلف حالات بیان کرتے ہیں اور اُس زمانے کے مورخوں کو اُن کا بہت کم اعتبار ہے۔ تاہم جو کچھ واقعات ہم نے بیان کیے ہیں وہی سب سے زیادہ معتبر تصور کیے جاتے ہیں۔

الغرض جنرل باور نے کیتھرائن کو لا کے اپنے گھر میں رکھا۔ چونکہ جنرل باور سے اور اُس عہد کے روسی رئیس اعظم لارڈ منچی کوف سے دوستانہ تعلقات تھے لہذا کیتھرائن کی رسائی لیڈی منچی کوف کے گھر میں ہوئی۔ یہ معزز خاتون ستم زدہ کیتھرائن کے حال پر مہربانی کرتی تھی اور اسے اپنے ہاں مہمان دیکھ کے کیتھرائن کبھی کبھی اُس کے وہاں چلی جاتی تھی۔ اتفاقاً ایک دن اُس پر لارڈ منچی کوف کی نظر پڑ گئی اور پہلی ہی نظر میں یہ عالم ہوا کہ ع "صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ" مگر لارڈ صاحب ابھی اپنی آرزوئیں دل ہی میں چھپائے ہوئے تھے کہ ایک دن اُن کے گھر میں شہنشاہ پیٹرس اعظم آیا۔ اُس نے جو کیتھرائن کی بانکی چتون دیکھیں تو بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا۔ پاس بلا کے کچھ پوچھا گچھا۔ جواب میں اُس کی میٹھی میٹھی باتوں اور سُریلی آواز نے اور زیادہ سحر آفرینی کی۔ اب شہنشاہ زخمی دل کے ساتھ اپنے ایوان شہریاری میں گیا۔ مگر دل کی یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی صورت ہر وقت نظر کے سامنے پھرتی رہتی۔ آخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے شہنشاہ پیٹرس نے کیتھرائن سے راہ و رسم پیدا کیا۔ تعلقات بڑھ گئے۔ اور اب یہ حالت تھی کہ کیتھرائن کی شوخ نگاہیں اور چلبلی ادائیں روز بروز زیادہ اثر کرتی جاتی تھیں۔

پیٹرس چند ہی روز پہلے اپنی پہلی بی بی کو بخلافِ مذاق اور باہمی نااتفاقی کی وجہ سے طلاق دے چکا تھا۔ اور اُس کا دل پیشتر ہی سے کسی ایسی حسینہ کو ڈھونڈھ رہا تھا جسے ہمدم و ہمراز بنا کے اپنے درد دُکھ میں شریک کرے۔ لیکن ایک ایسی اولو

درجے کی مجہول الحال عورت کو یک بیک اپنا شریک سلطنت بنانے کی جرأت نہ ہوئی خفیہ طور پر کیتھرائن سے ناجائز تعلقات پیدا کرلیے۔ کیتھرائن نے شہنشاہ کا دل اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد روز بروز ایسی جان ستان اداؤں اور دلربائی کے ناز و انداز سے کام لیا کہ چند ہی روز میں بادشاہ اُس کا درم ناخریدہ غلام تھا۔ آخر پیٹرس کو اس میں بھی چین نہ پڑا کہ اپنے دل کی مالک معشوقہ سے مخفی تعلقات رکھے اور ظاہر پیشانہ مل سکے۔ پوشیدہ طور پر رومی گرجا میں لیجا کے اور پادریوں سے ساز کر کے اُس کے ساتھ بالکل مخفی طور پر نکاح پڑھوا لیا۔ اور کیتھرائن الکزینا اُس کا لقب قرار دیا۔ اب چپکے چپکے تمام امرا میں نکاح کی بابت سرگوشیاں ہو رہی تھیں جن کا اثر یہ تھا کہ نئی لفت کا ہنگامہ ویسے ہی دبے سرد پڑ گیا۔ اور سب لوگ اس خبر سے مانوس ہو گئے کہ شہنشاہ کی بی بی ایک ادنیٰ درجے کی مجہول الحال عورت ہے۔ لیکن شہنشاہ کے دل کو ابھی تک چین نہ تھا۔ وہ اس بات کو بھی گوارا نہ کر سکتا تھا کہ میں تخت سلطنت پر بیٹھ کے دربار کروں اور میرے پہلو میں شہنشاہ بیگم کی حیثیت سے کیتھرائن نہ بیٹھی ہو۔ آخر جب کسی طرح صبر نہ آیا تو ۱۷۱۲ء میں اپنے اس نکاح کا اعلان کر دیا۔ اس وقت کیتھرائن کی عمر پورے ۳۰ سال کی تھی جبکہ نہ وہ ایک الھڑ عروس چاردہ سالہ تھی اور نہ ایسی سن رسیدہ کہ حسن و جمال کا انحطاط شروع ہو گیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اُس زمانے میں وہ ایک ایسی معشوقہ تیرِ ادا تھی جو دلربائی و دلبری کے فن میں پورا کمال رکھتی ہو۔ اب کیا تھا جلوت و خلوت میں ہر جگہ کیتھرائن شہنشاہ کے ہمراہ تھی۔ تمام مہمات سلطنت میں مشورہ دیتی تھی اور ملک پر جیسی حکومت کیتھرائن کر رہی تھی خود پیٹرس بھی نہ کر سکتا تھا۔

اظہار نکاح کی محرک یہ بات ہوئی کہ ۱۷۱۱ء میں دولت عثمانیہ اور سلطنت روس میں لڑائی چھڑ گئی۔ فوج کشی کی ضرورت سے پیٹرس کو میدان جنگ میں جانا ضروری تھا۔ مگر پیاری کیتھرائن کو چھوڑ کے جانا اُس کے امکان سے باہر تھا کیونکہ بغیر اُس کے ایک دم کے لیے بھی چین نہ آ سکتا تھا۔ اور بہت غور و فکر کے بعد جب اُسے یقین ہو گیا کہ کیتھرائن کے فراق کو میں کسی طرح برداشت نہ

کر سکون گا تو اپنے اُس کے تعلقات عالم آشکارا کر دیے۔ اور بے تکلف نکاح کا اعلان کر دیا گیا۔ سارے امرائے ملک کو اپنی آزادی بچانے کی فکر تھی کسی نے اُس نکاح کو سُن کے جس کی سُن گُن پہلے ہی پا چکے تھے ناراضی نہیں ظاہر کی اور پطرس اعظم کیتھرائن کو ایک عالی مرتبہ شہنشاہ بیگم کی شان سے ہمراہ لے کے جوش و خروش کے ساتھ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوا۔

اس سفر نے کیتھرائن کو پطرس کی نظر میں اور زیادہ عزیز بنا دیا۔ اپنے طرزِ عمل سے اُس نے خوب اچھی طرح ثابت کر دیا کہ وہ فقط ایک نازآفرین و مہ جبین معشوقہ نہیں بلکہ ایک انیس و ہمدرد بی بی۔ بلند حوصلہ و اولوالعزم ملکہ اور صائب الرائے مشیر و مدبر بھی ہے۔ وہ ہر معاملے میں شہنشاہ کو اچھی اور صائب رائے سے مشورہ دیتی تھی۔ افکار و آلام میں اُس کی دلداری کرتی۔ بیماری میں اعلیٰ درجے کی تیماردار بن جاتی۔ میدانِ جنگ میں اُس کے گھوڑے سے گھوڑا ملائے رہتی اور خطروں میں کبھی اُس کے پاس سے جدا نہ ہوتی۔ یہی نہیں نیکی اور بھلائی کے کاموں پر بادشاہ کو آمادہ کر کے اُس سے ایسے کام کراتی کہ فوج اور رعایا کے دلوں پر اُس کی محبت کا نقش روز بروز زیادہ گہرا پڑتا جاتا۔ سپاہیوں کے ساتھ وہ نہایت ہی لطف و محبت سے پیش آتی اور خود جا کے غریب سپاہیوں کی خدمت کرتی اور تسلی و تشفی کے ساتھ اُنکے حوصلے بڑھاتی

مگر اس لڑائی میں ترک روز بروز غالب ہی آتے جاتے تھے۔ عثمانی عساکر بڑھتے چلے آتے تھے اور روک تھام کی کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ ترکی لشکریوں نے شہنشاہ پطرس کو نہایت عاجز کر دیا اور اُسے شکست و ناکامی کا بالکل یقین ہو گیا ایسی نازک حالت میں وہ ملول و حزین متفکر و پریشان اپنے خیمے میں تن تنہا جا کے بیٹھ رہا اور روسیوں کو حکم دے دیا کہ خبردار کوئی شخص چاہے کوئی ہو میرے خیمے کے اندر قدم نہ رکھنے پائے۔ کیتھرائن نے اُس کی یہ حالت سُنی تو بیتابی کے ساتھ دوڑی گئی۔ سپاہیوں نے منع کیا مگر اُس نے پروا نہ کی اور بے تکلف خیمے کے اندر گھستی چلی گئی۔ شہنشاہ اُس کی صورت دیکھ کے خوش ہوا۔ گویا یہ پیاری محبت بھری صورت دیکھ کے دل کو تسلی ہوئی اور بولا "خوب آئیں! اس وقت تمھاری

ہی ضرورت تھی - تمھاری رائے اکثر صائب ہوا کرتی ہے - اب بتاؤ کہ اس معاملے مین کیا کرون؟" کیتھرائن نے غور کر کے کہا "میرے نزدیک تو یہ مناسب ہے کہ آپ ترکون سے صلح کر لین اور حکم دے دین کہ اُن کے جن جن شہرون پر روسیون نے قبضہ کیا ہو چھوڑ دیے جائین - رہا یہ امر کہ آپ سمجھتے ہین اب ترک صلح پر راضی نہ ہون گے - اس کی مین ذمہ دار ہون - اور وعدہ کرتی ہون کہ آپ کا اشارہ پاتے ہی محمد پاشا سپہ سالار روم کو راضی کر اون گی۔" اس کی یہ تجویز سُن کے پٹرس خوش ہوا اور اُسے صلح کی تحریک کرنے کی اجازت دی - کیتھرائن نے شہنشاہ کا اشارہ پاتے ہی ایک معتبر ہوشیار اور عقلمند روسی سردار کو بہت سے زر و جواہر اور قیمتی تحفون اور ہدیون کے ساتھ محمد پاشا کے پاس روانہ کیا - یہ سفارت شہنشاہ کی مرضی کے موافق کامیاب ہوئی - شرائط صلح طے ہو گئے - اور دونون طرف کے لشکر واپس روانہ ہوے - بعض متاخر مورخین کا بیان ہے کہ اس صلح مین کیتھرائن کو دخل نہ تھا - خیر اُسے دخل ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ خود پٹرس اعظم کو اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ ترکی سپاہیون کی دستبرد سے مجھے اور میرے لشکر کو ملکہ ہی نے اپنے حسن کارگزاری سے نجات دلائی - چنانچہ اسی زمانے مین کیتھرائن کے احسانات کے ادائے شکریہ کے طور پہ پٹرس اعظم نے معزز و کارگذار خاتونون کی عزت افزائی کے لیے ایک زنانہ اعزازی تمغہ اور خطاب ایجاد کیا جو "سینٹ کیتھرائن" کے لقب سے آج تک مروّج ہے -

اس صلح کے تین سال بعد کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کی ولادت پر زار روس پٹرس نے بڑی خوشیان منائین - بی بی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اُس کا نام بھی کیتھرائن رکھا - اور جب تک زندہ رہا ہر سال ایک قومی عید کی حیثیت سے اُس کی سالگرہ منایا کرتا - یہ بھی حسن اتفاق تھا کہ اس شاہزادی کے پیدا ہونے سے چند روز پہلے سویڈن کے بیڑون پر روسیون کو نمایان فتح حاصل ہوئی تھی اور وہان کا فرمانروا گرفتار کر کے سینٹ پٹرس برگ مین لایا گیا - چنانچہ فتحیاب افسرون اور پا بزنجیر قیدیون کا داخلہ عین اُسی دن ہوا جس روز شاہزادی کی ولادت پر خوشیان منائی جا رہی تھین - لہٰذا اس عجیب [illegible] دھوم دھام

اور شان و شوکت پیدا ہو گئی۔

پطرس اعظم نے اس سے پہلے خفیہ طور پر ممالک یورپ کا ایک سفر کیا تھا۔ جس میں اُس نے عالم کی نظر سے مخفی رہ کے وہاں کی ترقیوں اور تاجرانہ اُلوالعزمیوں کو خوب غائر نگاہ سے دیکھا تھا۔ اس سفر نے دل میں شوق پیدا کر دیا تھا کہ یورپ کا ایک سفر علانیہ طور پر اور شاہانہ شان و شوکت سے بھی کرے اور وہاں کے انتظامات سلطنت کو دیکھے۔ چنانچہ اس آرزو کے پورا کرنے کا اب موقع ملا۔ اور ملکہ کیتھرائن کو ساتھ لے کے نہایت ہی کروفر اور شوکت و حشمت سے روانہ ہوا۔ اثنائے سفر میں کیتھرائن کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صرف ایک ہی دن زندہ رہنے کے لیے دنیا میں آیا تھا۔ وضع حمل کی ضرورت سے ملکہ دو چار روز کے لیے ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ اور زار روس آگے بڑھ گیا۔ مگر کیتھرائن کو صاحب تاج و سریر شوہر کی مفارقت اس قدر گراں تھی کہ زچگی سے فراغت ہوتے ہی بغیر اس کے کہ اپنی کمزوری و معذوری کا کچھ بھی خیال کرے چل کھڑی ہوئی اور جلد جلد منزلیں طے کر کے اُس سے جا ملی۔

اب پطرس اعظم کو دنیا میں ملکہ کیتھرائن سے زیادہ محبت کسی سے نہ تھی۔ محبت ہی نہیں اپنے آرام اور اپنی زندگی کو اس کی زندگی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ بدنصیبی سے خدا نے اُسے کوئی وارث تاج و تخت بیٹا نہیں دیا تھا جس کے دم سے آیندہ کی اُمیدیں وابستہ ہوتیں۔ ان مجموعی باتوں نے دل پر اثر کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ جان سے زیادہ پیاری بی بی کو باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنائے۔ اور اُس کو اپنا وارث سلطنت قرار دے۔ چنانچہ اُس نے ایک نیا عالیشان گرجا تعمیر کرایا جس کو اپنی شہنشاہ بیگم کے نام سے نامزد کیا۔ اُسی کلیسے میں سنہ ۱۷۲۴ء میں کیتھرائن کو بڑے جلوس اور نہایت تزک و احتشام سے لیجا کے تاج شہنشاہی پہنایا۔ اس کے جلوس میں خود شہنشاہ ایک معمولی افسر کی طرح پاپیادہ گرجے تک گیا۔ وہاں پہنچ کر ایک مخمل کے تخت پر اُسے بٹھایا اور ملکہ کی تاجپوشی کے بعد اپنی طرف سے ایک اعلان پڑھوایا جس کا مضمون یہ تھا:

"از جانب شہنشاہ اعظم مالک دولت روس بنام جملہ مقتدایان دین و اہالیان

ممالک وسرداران فوج و امراے وطن وبہی خواہان دولت ورعایاے ممالک روسیہ روس جو لوگ دیانت و امانت کی صفت سے متصف ہین ۔ تم سب جانتے ہو کہ تمام ممالک مسیحی مین قدیم الایام سے رواج چلا آتا ہے کہ سلاطین اپنی شریک زندگی ملکاؤن کو تاج شاہی پہناتے ہین ۔جس طرح یہ دستور آج جاری ہے اُسی طرح یہ دستور اور منصفانہ طریقہ ازمنۂ ماضیہ مین مسیحی المذہب شرقی شہنشاہان روم مین بھی برابر جاری تھا ۔ قیصر باز لند نے اپنی ملکہ زنوبیہ کو ۔ قیصر جسٹی نین نے اپنی ملکہ تھیوڈورا کو ۔ قیصر ہرقل نے اپنی بی بی مرتینیہ کو ۔ اور قیصر لیون فلسفی نے اپنی بی بی ماریہ کو اور دیگر قیاصرۂ روم نے اپنی شہنشاہ بیگمون کو تاج شہریاری پہنائے جن کی فہرست بتانے کی ضرورت نہین ۔ اس کے ساتھ اس بات سے بھی سب لوگ بخوبی واقف ہین کہ اس پچھلی لڑائی مین جو مسلسل ۲۱ سال تک جاری رہی ہم نے ملک اپنے امن وامان قائم رکھنے کے لیے سخت سے سخت مصیبتون کا سامنا کیا اور بڑی دشواریون سے لڑتے رہے ۔ بفضلہ تعالیٰ ان لڑائیون کا خاتمہ پوری کامیابی پہ ہوا ۔ اور جیسی باوقعت صلح اس موقع پر حاصل ہوئی ہے اس سے پہلے کبھی سلطنت روس کو نہین نصیب ہوئی تھی ۔ اور نہ ہماری قوم کو کبھی ایسا فخر حاصل ہوا تھا جیسا کہ فی الحال اس موقع پہ حاصل ہوا ۔ ان مہمون مین ہماری بی بی ملکہ کیتھرائن نے نہایت خلوص دل اور مستعدی و دانشمندی سے ہماری مدد کی ۔ اور بالخصوص نازک موقع پر جبکہ دریاے پرت کے کنارے عساکر عثمانیہ کے مقابل ہماری فوج کی حالت نہایت ابتر ہوگئی تھی ۔ اور ہمارے سپاہیون کو بہت اضطراب تھا ۔ اُس موقع پہ ہمارے پاس صرف بائیس ہزار سپاہی رہ گئے تھے ۔ اور عثمانی لشکر کی تعداد دو لاکھ ستر ہزار تھی ۔ ان مواقع پہ اُس سے بڑی بھاری حمیت اور اعلیٰ درجے کی شجاعت ظاہر ہوئی جس سے ہمارے تمام سپاہی واقف ہین ۔ اُس کے ان خدمات کا لحاظ کر کے اور نیز اُن اقتدارات کی بنا پہ جو ہمین خدا کی عنایت سے حاصل ہین اُس کی تاجپوشی کا رسم شہر ماسکو مین اس سال کے موسم سرما مین ادا کیا جاتا ہے جس کا اعلان ہمارے اور ہماری ملکہ کے بہی خواہ دوستون مین اس سے پہلے ہی ہو چکا ہے ۔"

لیکن تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اس درجۂ کمال تک پہونچنے اور کیتھرائن کے وارث تاج و تخت قرار پا جانے کے بعد یکایک پٹرس اعظم کو اُس کی جانب بدگمانی پیدا ہوئی اور دونوں کی باہمی محبت نفرت و وحشت سے بدل گئی جس کا ظہور یوں ہوا کہ اس تاج پوشی کے برس یعنی ۱۷۲۴ء کے آخر میں پٹرس کو یقین ہو گیا کہ اُس کی ملکہ کو ایک شخص سے ناجائز تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کی عظمت و سطوت کو حد سے زیادہ بڑھ جاتے دیکھ کے بعض امرائے روس کو حسد معلوم ہوا اور اُن کی سازشوں نے شہنشاہ بیگم کو اپنے شوہر زار کی نظر میں متہم کر دیا۔ وہ شخص جس کی نسبت خیال تھا کہ ملکہ کا منظورِ نظر ہے اُسے تو پٹرس نے قتل کرا ڈالا۔ مگر ملکہ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس لیے کہ اُسے اُس بلند درجے سے گرانا جس پر وہ پہونچ چکی تھی آسان نہ تھا۔ شاید زارِ روس اس پر بھی آمادہ ہو جاتا کیونکہ اُس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۷۲۵ء کی ابتدا ہی میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

پٹرس اعظم کی موت کی نسبت لوگوں میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملکہ کیتھرائن ہی نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور نہ کوئی باوقعت شہادت موجود ہے کہ ملکہ کو الزام دیا جا سکے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ایسا خیال کرنے کے قرائن موجود تھے۔ چونکہ اب زارِ روس اپنی اس ملکہ سے نہایت ناراض تھا لہذا ممکن نہیں کہ اُس کے آزار پہونچانے کی فکریں نہ کرتا ہو۔ اور کیا عجب کہ اگر زندہ رہتا تو اپنے شہنشاہی اقتدارات سے جس طرح پہلی بی بی کو طلاق دی تھی اُسے بھی دے دیتا۔ اور کیتھرائن کو جو کچھ عزتیں حاصل ہوئی تھیں آناً فاناً خاک میں مل جاتیں۔ مگر باوجود ایسے قرائن کے ہمیں بغیر کسی کافی ثبوت کے کیتھرائن کو متہم کرنے کا حق نہیں حاصل ہے

پٹرس کے مرنے کے بعد کیتھرائن نے اُس کی موت کو کچھ زمانے تک مخفی رکھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ اپنے مقاصد کے مطابق تدابیر انجام دے لینے اور اپنے طرفداروں کی پارٹی تیار کر لینے کے بعد شہنشاہ کی وفات کو عوام پر ظاہر کرے۔ اس مقصد میں وہ پوری طرح کامیاب ہوئی [illegible]

کے متعلق لوگوں میں اختلاف پڑا۔ مگر لارڈ منیچی کوف اور دیگر امرائے ملک اعلیٰ عہدہ داران سلطنت آرچ بشپ ماسکو وزیر جنگ اور بہت سے صاحب اثر لوگوں کی ایک زبردست جماعت نے بالاتفاق کہا کہ "پیٹر اعظم اپنی ملکہ کیتھرائن کے لیے تخت نشینی کی وصیت کر گیا ہے۔ اور صاف الفاظ میں بتا گیا ہے کہ اُس کی جانشینی کے لیے ملکہ سے زیادہ کوئی اہل نہیں ہے"۔ اس جماعت میں اتنے اتنے بڑے لوگ شامل تھے کہ تمام مخالفوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو علم مخالفت بلند کرنے کی جراٗت نہ ہوئی۔ سب نے ملکہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کیا اور اس طریقے سے لیو دینا کی وہی بدنصیب لڑکی جو اپنی ولادت کے وقت ہر طرح اور ہر بات میں بدقسمت نظر آتی تھی اور انتہا درجے کی مفلوک الحال تھی ۱۷۲۵ء میں سلطنت روس کے سریر شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی اور دنیا کا ایک بڑا بھاری حصہ اُس کے زیر فرمان تھا۔

عنان فرماں روائی ہاتھ میں لیتے ہی اُس نے نظم و نسق سلطنت کی طرف توجہ کی اور اُس کے عہد کے اہم واقعات میں سے یہ امور ہیں کہ مجلس اعیان (ہاؤس آف لارڈ) کو اُس نے توڑ دیا۔ جس کی مملکت روس میں بے حد ضرورت تھی۔ کیونکہ روس میں امرا کا اثر بہت بڑھا ہوا تھا اور غریبوں کی فریاد بہت کم سُنی جاتی تھی۔ مذہبی لوگوں کا اثر اُس سے پہلے حکومت پر غالب تھا اس میں بھی اُس نے مناسب اصلاحیں کیں۔ مقتدایان دین کے خطاب و القاب بیکار کر دیے۔ اور اُنکی حکومت دائرۂ کتب مقدسہ ہی تک محدود کر دی۔ پادریوں کا زور کم کرنے کے ساتھ اُس نے مجلس تعلیمات کو تقویت دی اور کوشش کی کہ ملک میں آزادانہ تعلیم اور علم و فضل کو ترقی ہو۔ اُس نے اپنے مشیروں کی ایک مخفی مجلس شوریٰ مقرر کی تھی جو اُسی کی ذات تک محدود تھی۔ اور رعایا پر اُس کے ارکان کا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن افسوس کہ اُس کی زندگی نے بہت جلد بیوفائی کی۔ اور اپنے شوہر کے بعد کچھ کم تین ہی سال حکومت کرنے پائی تھی کہ باد فنا کے جھونکوں نے ۱۷۲۷ء میں اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جبکہ اُس کی عمر ۴۳ سال سے زیادہ نہ تھی۔

اس روسی کیتھرائن کی زندگی کے کارناموں کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ جیسی صاحب حسن و جمال تھی ویسی ہی عاقل و ہوشیار بھی تھی۔ اپنے حُسن کی قوت سے

اُس نے ایک زبردست ترین شہنشاہ کو اپنا غلام ہی نہیں بنایا تھا بلکہ اپنی ہمدردی و محبت سے رعایا کے ہزاروں دل بھی اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے۔ لیکن مورخین زندگی کے آخری ایام میں اُسے اچھا نہیں تسلیم کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس کا رجحان کیادی و مکاری کی طرف زیادہ تھا۔ ہم اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ایک عجیب و غریب عورت تھی جو بلند پروازی و مقصد وری میں نام کر گئی۔ اور انسانی ترقیوں کا ایک حیرت انگیز نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر گئی۔

نوّار زوجۂ فرزدق

یہ آخر عہد صحابہ کی ایک شریف اور صاحب جمال و کمال خاتون اور اعین بن صعصعہ مجاشعی کی بیٹی تھی۔ جیسی شریف النسب تھی ویسی ہی خوش سلیقہ اور صاحب خلق و مروت تھی۔ اور ویسی ہی فصیحہ و بلیغہ بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ شرفائے عرب میں اُس کا وقار تھا۔ اور سب اُسے اُس عہد کی اعلیٰ ترین خاتونوں میں شمار کرتے تھے۔ فرزدق شاعر نے دھوکا دے کے اُس سے نکاح کر لیا۔ اور یہ ایسی مصیبت تھی جس کے عذاب سے اس پاکدامن عورت کو زندگی بھر چھٹکارا نہ نصیب ہوا۔

فرزدق کے جال میں پھنسنے کی صورت یہ ہوئی کہ بنی عبداللہ بن دارم کا ایک شریف و خوش رو نوجوان فرزدق کی تولیت میں تھا۔ اُس نے نوّار کے حسن و جمال اور اُس کی خوبیوں کا شہرہ سُنا تو اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور چونکہ وہ نوّار کے چچا کا بیٹا بھی تھا اس لیے اُسے یہ پیام بہت زیادہ پسند آیا۔ نوّار نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا کہ "فلاں نوجوان جو آپ کی تولیت میں ہے میرے ساتھ عقد نکاح کا آرزومند ہے اور مجھے بھی یہ عقد پسند ہے۔ لہذا آپ ہم دونوں کے دلوں کی آرزو پوری کر دیں تو بڑی عنایت ہو۔" فرزدق نے کہلا بھیجا "میں تمہاری خوشی پوری کروں گا مگر پہلے علیٰ رؤس الاشہاد اس بات کا صاف صاف اقرار کر لو کہ فرزدق جس کسی کے ساتھ تمہارا عقد کر دے گا اُس کے عقد میں بے عذر چلی جاؤ گی۔" نوّار نے کہلا بھیجا "مجھے منظور ہے۔" اور بہت سے معزز لوگوں کے سامنے اس بات کا

اقرار کر لیا - اب فرزدق نے کہلا بھیجا کہ "اچھا اپنے قبیلے والوں یعنی بنی دارم کو جمع کرو اور اُنکے سامنے اقرار کرو کہ تم اپنے عقد کا اختیار مجھے دیتی ہو" نوار نے تمام شرفائے قبیلہ کو وہاں جمع کیا - اور اُنکے سامنے حسب وعدہ اقرار بھی کر لیا - جب ان سب باتوں کی تکمیل ہو چکی تو فرزدق نے کھڑے ہو کے خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا - پہلے خدا کی حمد و ثنا کی اُسکے بعد کہا "آپ سب صاحب واقف ہیں کہ نوار نے مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا ہے - لہذا میں آپ سب صاحبوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے نوار کا عقد نکاح ایک سو سیاہ آنکھوں والی سرخ اونٹنیوں کے مہر پر اپنے ساتھ کیا" یہ الفاظ سنتے ہی صحبت پر ایک سناٹا چھا گیا - اور نوار بگڑ کے زور و شور سے کوسنے دینے لگی - میاں فرزدق، تو مطمئن تھے کہ اب نوار میرے پھندے سے چھوٹ کے کہاں جاتی ہے - مگر نوار نہایت ہی پریشان تھی کہ کیا کرے اور کیونکر اس آفت سے پیچھا چھوٹے - ایک ایک کے پاس جاتی مگر لوگ کہتے "اس بات کے سچے گواہ لاؤ کہ فرزدق نے تمہیں فریب دیا" لیکن گواہی کے لیے جس کسی سے کہتی وہ ٹالتا - کیونکہ فرزدق اتنا بڑا ہجو گو شاعر تھا کہ زمانہ اُس سے پناہ مانگ رہا تھا - اور لوگ ڈرتے تھے کہ ہم سے ذرا بھی بگڑا تو ہمیں بدنام و رسوا کر دے گا - الغرض گواہ نہ ملتا تھا - اور بغیر گواہ کے کوئی اُسے فرزدق کی زوجیت سے آزادی نہ دیتا تھا - آخر اُکتا کے نوار نے ارادہ کیا کہ عبد اللہ بن زبیر کے پاس جا کے فریاد کرے جو اُن دنوں مکۂ معظمہ میں دعوائے خلافت کر رہے تھے - اور سارے عرب اور عراق پر قابض و حکمران تھے مگر خرابی یہ تھی کہ فرزدق کے ڈر کے مارے کوئی اُس غریب کو اپنے ساتھ مکۂ معظمہ تک لیجانے کی بھی جرأت نہ کرتا تھا - اتفاقاً بصرے میں جہاں نوار اور فرزدق تھے بنی عدی بن عبد مناۃ کے چند نوجوان آئے جو "بنی اُم نسیر" کے لقب سے مشہور تھے اور نوار سے قرابت قریبہ رکھتے تھے - نوار نے اُن سے ہمدردی کی درخواست کی اور وہ ترس کھا کے اُسے اپنے ساتھ لے کے مکۂ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے یہ سنتے ہی فرزدق نے اہل بصرہ سے مدد چاہی - لوگوں نے اُسے اونٹ دیئے - سامان سفر مہیا کر دیا - اور آخر تک ساتھ دینے کا وعدہ کیا - یہ مدد ملتے ہی فرزدق نے بھی نوار کے پیچھے پیچھے مکے کی راہ لی -- اور جو لوگ نوار کو لیے جاتے تھے اُن کی ہجو میں اشعار

گئے۔ مکّے میں پہونچ کے فرزدق کو معلوم ہوا کہ نوّار خاص عبداللہ بن زبیر کے گھر میں ٹھہری ہے اور اُن کی بی بی خولہ بنت منظور فزاریہ کی مہمان ہے۔ یہ چونکہ اُس عہد کا مشہور و مقبول سیف زبان و آتش بیان شاعر تھا۔ نام سنتے ہی اہل مکہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور نوّار کی چوٹ پر وہ خاص عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں کے پاس ٹھہرا۔ اور اُن کی مدح میں اشعار کہہ کے آخر اُنھیں اپنی سفارش پر مجبور کر دیا۔

اب عبداللہ بن زبیر عجب اُلجھن میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ کوئی رائے قائم کرتے بنتی تھی اور نہ کوئی فیصلہ کرتے بیٹے آکے فرزدق کی سی کہتے اور وہ ظاہر میں ہاں ہوں کر دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اپنی بی بی خولہ کے پاس جاتے تو وہ نوّار کی سی کہتیں اور فوراً اُنکی رائے اسی طرف ڈھل جاتی۔ آخر کھُل گیا کہ اُنکی رائے نوّار کی طرفداری میں ہے۔ اس پر بگڑ کے فرزدق نے یہ دو شعر کہے جو اُس کی زبان سے نکلتے ہی ساری دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔

اما بنوہ فلم تقبل شفاعتھم　　و شفعت بنت منظور بن زبانا

(لیکن اُن کی سفارش نہیں مانی گئی لیکن ہاں منظور بن زبان کی بیٹی کی سفارش کارگر ہو گئی)

لیس الشفیع الذی یاتیک مؤتزرا　　مثل الشفیع الذی یاتیک عریانا

(جو سفارش کرنے والا تمھارے پاس پائجامہ پہنے ہوئے آئے اُس سفارش کرنیوالی کے برابر نہیں ہو سکتا جو تمھارے پاس برہنہ ہو کے آئے)

یہ اشعار ابن زبیر کے کانوں تک پہونچے تو اُنھوں نے نوّار کو بلوایا اور کہا دو صورتیں ہیں ان میں سے تمھیں جو منظور ہو اُس پر عمل کیا جائے۔ تم کو فرزدق سے طلاق دلوانے کے بعد یا تو میں اُسے قتل کرا ڈالوں کہ پھر کبھی ہماری ہجو نہ کہے اور یا دشمنان اسلام کے مُلک میں جلا وطن کر کے بھیج دوں جہاں وہ خود ہی مارا جائے گا۔ عورت کو ہزار ستاؤ۔ لاکھ اُس کا دل دُکھاؤ۔ اُس کے ساتھ مکروفریب کرو۔ اُسے دغا دو۔ مگر پھر بھی اُس کا دل نرم ہوتا ہے اور اُسے ترس آہی جاتا ہے نوّار کو یہ ہرگز گوارا نہ ہوا کہ فرزدق میرے باعث جان سے مارا جائے۔ جواب دیا کہ "ان میں سے تو کوئی صورت مجھے منظور نہیں ہے۔" ابن زبیر نے کہا "اگر اُسکے حال

ترس بھی آتا ہے تو پھر وہ تمھارا ابن عم ہے اور تم پر فریفتہ بھی ہے کیون نہین منظور کرلیتین کہ تمھارے ساتھ اُس کا نکاح دوبارہ کرکے اس رنجش کو مٹا دون؟" نوار بولی "ہان مجھے اپنی زندگی خراب کرنا منظور ہے اور یہ نہین منظور کہ وہ غریب بےگناہ جان سے جائے۔" اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے فرزدق کو بلوایا اور کہا "نوار کے ساتھ جس مہر پر تم نے نکاح کیا ہے اُسے لاکے حاضر کرو ورنہ مین تمھارا نکاح باطل کردونگا۔" فرزدق نے کہا "مین یہان غریب الوطن ہون۔ بغیر گھر گئے اعلیٰ درجے کے سو اونٹ کہان سے لاؤنگا؟" ابن زبیر نے کہا "جس طرح بنے لاؤ۔ اور اگر نوار کی محبت ہے تو دو ہی گے۔" آخر فرزدق نے جھنجلا کے کہا "آپ اس لیے مجھ پر زور ڈالتے ہین کہ زبردستی نوار کو مجھ سے چھین کے اپنی بی بی بنالین۔" ابن زبیر بھی نہایت ہی مغلوب الغضب تھے بولے "تم کو اور تمھاری قوم بھر کو اہل عرب نے اپنی برادری سے نکال دیا تھا۔ تمھاری ہستی ہی کیا ہے؟" اسکے بعد اُسے اپنی صحبت سے اُٹھوا دیا۔ اور جب وہ جا چکا تو حاضرین سے کہا فرزدق بنی تمیم مین سے ہے۔ اور اُن لوگون نے ظہور اسلام سے ڈیڑھ سو برس پہلے خانۂ کعبہ پر یورش کرکے اُسے لوٹ لیا تھا۔ اُن کی یہ بے اعتدالی دیکھی تو تمام اہل عرب نے اتفاق کرکے اُن کی ایسی بے وقعتی کی جیسی کسی کی نہین ہوئی تھی۔ اور اُنھین ارض تہامہ سے نکال دیا۔ یہ کہہ کے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "نوار کا مہر لاکے حاضر کرو ورنہ بہت بُری طرح سے تمھین قتل کرونگا۔" فرزدق نے چند اور شعر کہے جن مین اپنی قوم کی تعریف کی اور اُن الزامون کی عذرخواہی کی جو ابن زبیر نے اُس پر لگائے تھے۔ ان اشعار کو سُن کے ابن زبیر بظاہر خاموش ہو رہے مگر دل مین لیے رہے۔ اتفاقاً ایک دن وہ نماز کے لیے گھر سے نکلے تو رستے مین فرزدق کو دیکھا دیکھتے ہی لپک کے اُسکا ٹینٹوا لیا اور کہا "میرے حکم کی جس طرح بنے تعمیل کرو۔"

اب فرزدق نہایت پریشان تھا۔ ساری شاعری اور ہجو گوئی بھول گئی اور کوئی تدبیر بنائے نہ بنتی تھی کہ کسی نے کہا "تم سلم بن زیاد کے پاس چلے جاؤ جو قید خانے مین گرفتار ہے۔ کیونکہ ابن زبیر اُس سے کچھ رقم طلب کرتے ہین اور وہ نہین

دیتا۔" فرزدق سنتے ہی سلم کے پاس دوڑا گیا اور اپنی مصیبت بیان کی۔ سلم نے پوچھا "کتنے میں مہر ادا ہو جائے گا؟" کہا "چار ہزار دینار میں" سلم نے فوراً چار ہزار دینار کی رقم نوار کے مہر کے لیے اور اسکے علاوہ دو ہزار دینار اُسکے سفرخرچ کے لیے۔ کل چھ ہزار دلوادیے۔ یہ رقم پانے کے بعد فرزدق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی فوراً عبداللہ بن زبیر کے پاس آکے سامنے وہ رقم لگا دی۔ اور کہا "لے۔ لائیے میری جورو کو" اُنھوں نے نوار کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیا۔ اور وہ رقم بھی واپس کی۔ فرزدق نے نوار اور اُس کے مہر کی رقم کو لے کے مکے سے بصرے کی راہ لی۔ اور جوش مسرت میں کہا "جب ہم دونوں بصرے سے چلے ہیں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور آج مکے سے چلے ہیں تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں" پھر نوار کی طرف متوجہ ہو کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اپنے ابن عم کے سامنے آؤ۔ اور اُس شخص کی سی نہ بن جاؤ جو گھوڑے کو چھوڑ کے گدھے کو اختیار کرے"

اس کامیابی کے بعد فرزدق اُسے لے کے بصرے میں آیا۔ مگر اس نکاح اور تعلق میں کسی قسم کا لطف نہ تھا۔ کیونکہ میاں بی بی میں محبت و الفت ضروری ہے اور یہاں مارے باندھے کا سودا تھا۔ نوار کی زندگی تلخ تھی۔ اور کسی بات میں لطف نہ آتا۔ فرزدق کی یہ حالت تھی کہ پورا شاعر اور رند مشرب تھا۔ وہ اپنے دلی جذبات کے آگے نہ سوسائٹی کی پروا کرتا نہ قوم کی۔ نہ سلطنت سے ڈرتا نہ دین سے۔ نہ کسی دوست کے بس میں تھا اور نہ کسی عورت کے۔ ایسے کے ساتھ نباہنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ لوگوں کی ہجویں کہتا۔ ہمعصر شاعروں پہ حملے کرتا۔ اور لوگ اُسے قتل کی دھمکیاں دیتے۔ ان سب باتوں کو نوار آنکھوں ہی آنکھوں میں دیکھتی اور دل میں کڑھ کے رہ جاتی۔ اس کے ساتھ وہ متقی اور پرہیز گار تھی۔ فرزدق رند مشرب تھا جسے شاعری کی دھن میں نہ دین کی پروا رہتی نہ دنیا کی۔ نوار کے دل میں بار بار خیال آتا کہ فرزدق نے مجھے زبردستی پھانس لیا ہے۔ میرا اس کا عقد جائز طور پر اور سچے ایجاب و قبول سے نہیں ہوا۔ اس لیے میں اس پہ حرام ہوں۔ پھر خیال آتا کہ شرع فرزدق کے موافق فیصلہ کر چکی ہے

الغرض عجب کشمکش و پیچ میں تھی - کبھی اُس سے ملنا ترک کر دیتی اور کبھی مجبور ہو کے ملنے لگتی - علاوہ دیگر اسباب اختلاف کے یہ بھی تھا کہ فرزدق بد وضعی کے ساتھ نہایت ہی بد صورت بھی تھا - اُس کا اصلی نام ہمام تھا - مگر بچپن ہی میں آپ کا چہرہ ایسا واقع ہوا تھا کہ باپ نے اُس پر فرزدق کی پھبتی کہی اور یہی اُس کا لقب پڑ گیا - فرزدق عربی میں سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں - چنانچہ ایک بار ایک شخص نے بنانے کے لیے فرزدق سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟" بولا "فرزدق" اُس نے قہقہہ لگا کے کہا "فرزدق کیا؟ یہ تو سوکھی روٹی کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں" فرزدق بھلا کب دبنے والا تھا؟ بولا "الحمدللہ کہ خدا نے مجھے تمہاری جوروؤں کے پیٹ میں پہونچا دیا"

ایک دن ایک صحبت میں بنی حرام کے چند لوگ جمع تھے جن میں حضرت عثمان ذی النورین کا غلام عنبسہ بھی بیٹھا ہوا تھا - اتفاقاً فرزدق کا ادھر سے گذر ہوا - عنبسہ نے مذاقاً پکار کے پوچھا "اے ابو فراس (یہ فرزدق کی کنیت ہے) عالم آخرت میں کب جاؤ گے؟" فرزدق نے پوچھا "کیوں؟ تمہارا وہاں کوئی کام ہے؟" جواب دیا "ہاں - تمہارے ہاتھ میں اپنے والد مرحوم کے پاس ایک خط بھیجوں گا" فرزدق نے برجستہ کہا "تو پھر یا تو یہ یا اصطفانوس (کسی مجوسی یا عیسائی) کی معرفت بھیجو - کیونکہ تمہارے باوا دوزخ میں جہاں ہیں وہاں میرا گذر نہ ہوگا"

محض نوار کے ستانے کے لیے فرزدق نے چند روز بعد جہیمہ نام ایک عورت کے ساتھ نکاح کر لیا - پھر اسی ضد میں ایک اور عورت سے نکاح کیا جس کا نام حدرا بنت زیق شیبانیہ تھا - اس پر نوار اس قدر جھنجلائی کہ آپے سے باہر ہو کے لپٹ پڑی اور فرزدق کی ڈاڑھی نوچ ڈالی - آپ نے گھر سے باہر نکل کے دو شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ "نوار میری ڈاڑھی نوچنے لگی اور جعدہ خشخاش کی ڈاڑھی نوچتی ہے - دو تو جب بگڑتی ہیں شیرنیاں بن جاتی ہیں - اور راضی ہوں تو بڑے مزے کی زندگی گذرتی ہے" خشخاش اُس زمانے میں ایک شخص تھا جس کی بی بی کا نام جعدہ تھا - یہ شعر جب مشہور ہوے اور جعدہ کے کان تک پہونچے

تو وہ نوار کے پاس دوڑی آئی - اور کہا "مین نے تمھارے میان کا کیا بگاڑا تھا جو اُنھون نے تمھارے ساتھ مجھے بھی لے ڈالا؟" نوار کیا جواب دیتی - کہا "مین نے بھی صبر کیا اور تم بھی صبر کرو۔"

عدرا کا مہر فرزدق نے حجاج سے مانگ کے ادا کرنا چاہا جس کی مقدار ایک سو اونٹ تھی - یہ اونٹ لے کے جب گھر مین آیا تو نوار نے کہا "ایک وہ یہ نصرانیہ کالی کلوٹی دُبلی حقیر اور مچھر کی سی ٹانگون والی عورت کا مہر اور سو اونٹ!" مگر فرزدق مہر کے یہ اونٹ لے کے عدرا کے گھر گیا تو وہ مرچکی تھی۔

فرزدق کا مقابل اُن دونون جریر شاعر تھا جو اُس کی خوب خبر لیا کرتا۔ فرزدق بھی دنیا مین اگر کسی سے ڈرتا تھا تو اُسی سے - آج تک عربی کے زباندان اور سخن فہمون مین اختلاف پڑا ہوا ہے کہ ان دونون شاعرون مین کون افضل تھا - کوئی فرزدق کو زیادہ پسند کرتا ہے اور کوئی جریر کو - اس مین شک نہین فرزدق کے کلام کو ترجیح دینے والے زیادہ ہین - لیکن اس مین بھی شبہہ نہین کہ جریر نے جس طرح فرزدق کی مٹی خراب کی ہے کوئی نہ کر سکتا تھا - خود فرزدق اس کا لوہا مانے ہوے تھا - اور اپنے شرمناک واقعات کو چھپاتا اور ساتھیون سے کہتا "بھئی اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرنا - جریر کو خبر ہوگئی تو میری مٹی پلید کر ڈالے گا۔"

عبد اللہ بن عطیہ فرزدق اور جریر دونون کے اشعار کا راوی تھا اُس کے کلام کو محفوظ رکھتا اور مدوّن و مرتب کرتا - ایک دن فرزدق نے اُسے بُلا بھیجا اور کہا "مین نے ابن مراغہ (جریر) کی شان مین ایک شعر کہا ہے اگر اُس نے اُس کا جواب دے دیا تو نوار پر طلاق ہے" - وہ شعر یہ تھا - عہ

فَانِّی انا الموت الذی ہو نازل بنفسک فانظر کیف انت محاولہ

پھر کہا "تم خود جا کے یہ شعر جریر کو سنا دو اور کہو اب کیا کہتے ہو؟" عبد اللہ کہتا ہے مین گیا جہان جریر رہتا تھا - اُسے اس حال مین پایا کہ دروازے کے سامنے بیٹھا ہاتھون سے کھیل رہا تھا - فرزدق کا یہ شعر سنا کے اُس کا پیام پہونچا دیا - سنتے

عہ مین موت ہون جو تجھ پر نازل ہوئی ہے - لے سنبھل دیکھون تو کیسے اُس کا سامنا کرتا ہے -

جریرنے باؤں پر لوٹنا سر پر خاک ڈالنا اور سارے بدن میں بال نوچنا شروع کیا۔ مغرب کے وقت تک اسی مشغلے میں رہا۔ اور دفعتاً ایک جوش کے ساتھ بولا "لو مین نے نوار کو طلاق دلوا دی" اور یہ شعر پڑھا

انا الدہر یفنی الموت والدہر خالد فجئنی بمثل الدہر شیئًا تطالبہ

عبداللہ نے واپس آکے جب یہ شعر فرزدق کو سنایا تو دم بخود رہ گیا اور بولا "تو اب اس واقعے کا کسی سے ذکر نہ کرنا"

اُس کی اس کمزوری سے نوار نے بھی فائدہ اُٹھایا۔ فرزدق نے اُسکے چھیڑنے اور ستانے کے لیے حدرا کی تعریف مین اشعار کہے اور اُن مین نوار کی تحقیر کی۔ نوار نے کہا "اب تم یون نہ مانوگے۔ اچھا دیکھنا اس کا کیسا مزہ چکھاتی ہون" پھر آدمی بھیج کے جریر کو اُس کے وطن سے بُلا بھیجا۔ اور اُس سے فرزدق کی بیہودگیون کی شکایت کی اور کہا کہ وہ میری ہجو مین شعر کہتا ہے۔ جریر نے کہا بیوی تم اپنا دل نہ کُڑھاؤ۔ مین اُس سے سمجھ لون گا۔ چنانچہ اُس نے فرزدق کی خوب خبر لی۔ اور فرزدق نے بھی اُس کا جواب دیا۔

اسی طرح نوار نے اپنا دُکھ جا کے بنی قیس بن عاصم مین بیان کیا اور وہ لوگ اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ فرزدق کو خبر ہوئی تو اُن لوگون کی ہجو مین دو شعر کہے۔ یہ شعر سُن کے اُن لوگون کو بڑا طیش آیا اور اُنھون نے فرزدق کے پاس کہلا بھیجا "اگر اس کے بعد تیسرا شعر تم نے کہا تو خدا کی قسم ہم تمھین مار ڈالین گے" یہ ایسی زبردست دھمکی تھی کہ پھر فرزدق کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

چند روز بعد فرزدق نے رہیمہ بنت غنی مزیہ سے عقد کیا۔ مگر دو ہی چار روز بعد اُس سے بگڑ گئی۔ اور ایسی بگڑی کہ طلاق کی نوبت آئی۔ اور فرزدق نے اپنے پُرانے حربے سے کام لیا یعنی اُس کی ہجو کہی۔ بنی نہشل کی ایک چھوکری سے بھی نکاح کیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ وہ حاملہ ہوئی۔ اور وضع حمل مین مر گئی۔ فرزدق نے اُس کے غم مین مرثیہ کہا۔

سب کے بعد بُڑھاپے مین آپ نے حلبیہ بنت حاتم مجاشعیہ کے ساتھ نکاح کیا۔

ع مین زمانہ ہون جو موت کو مٹا کے برقرار رکھتا ہے بھلا زمانے کی سی کوئی چیز بتا جسکی زندگی ایسی لافانی ہو۔

گر چونکہ مہر مین دینے کے لیے کوڑی پاس نہ تھی اس لیے اُسے ایک سال تک اُسی کے میکے مین جو صحرائے عرب کے اندر تھا رہنے دیا - پھر عامل فارس ابان بن اسد بجلی کو لکھا تو اُس نے مہر کی رقم دلوا دی - اب آپ اُسے رخصت کرا کے گھر مین لائے تو آپ کے ضعف پیری کے باعث وہی نتیجہ ظاہر ہوا جو سعدی شیرازی نے گلستان مین بتایا ہے -

میانِ شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چنان — کہ سر بشحنہ و قاضی کشید و سعدی گفت
پس از ملامت و شنعت گناہِ دختر نیست — ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی سفت؟

گھر کی جوتی پیزار کے بعد یہ شرمناک مقدمہ جن قاضی صاحب کے اجلاس مین پیش ہوا اُن کا نام نامی تہا جر تھا - مگر فرزدق کی ہجوون کا خوف اُن پر بھی اس قدر غالب تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے ہی کہہ دیا "چاہیے فرشتون ہی کو گواہی مین کیون نہ لائے مگر مین فرزدق کے خلاف مقدمہ نہین فیصل کر سکتا ۔"

فرزدق کے پاس ایک اور عورت تھی جو حبشن تھی جس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جو لکیہ کہلاتی تھی - اس حبشن کی تعریف مین آپ نے چند شعر کہے تھے جن مین منجملہ دیگر محاسن کے اُس کی خوشبو کی بھی تعریف کی تھی - وہ اشعار سن کے نوار بولی "ہان اُسی کی سی خوشبو تم مین بھی آتی ہے ۔"

فرزدق کا اصلی حربہ اُس کی ہجو گوئی تھی جس سے اُمرا و اعیان سلطنت شرفائے زمانہ اور اُس کے معاصر شعرا تک ڈرتے تھے - اسی قدر نہین بعض اوقات وہ اپنی رند مشربی اور آوارہ مزاجی مین بھی اسی حربے سے کام لیا کرتا تھا - چنانچہ آپ ایک خوبصورت شریف خاتون عرب پر فریفتہ ہو گئے - اور اُسے دھمکی دی کہ مجھ سے راضی ہو جاؤ ورنہ ہجو کر کے سارے زمانے مین بدنام کر دون گا - جب کئی بار اُسے اسی طرح کی دھمکی دی تو وہ مجبوراً نوار کے پاس آئی اور کہا "خدا کے لیے اپنے میان کو روکو - وہ میری آبرو لینے کے درپے ہین - اور مین کوئی بدکار عورت نہین ہون" نوار نے کہا "فرزدق سے بچا کرنے کی تدبیر یہ نہین ہے - تم اُن سے وعدہ کر لو - اور جس دن کا وعدہ ہو مجھے بلا بھیجو - پھر دیکھو کیسی دل لگی ہوتی ہے" اُس خاتون نے یہی کیا - وعدے کی شب کو آپ خوش خوش پہونچے - اُس

کہا "مین تم کو اپنے خلوت کے کمرے مین لیے تو چلتی ہون مگر وہان چراغ نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ میرا کوئی عزیز آجائے۔" آپ نے جوش محبت مین منظور کر لیا۔ کمرے مین گئے۔ اندھیرے مین وہ خاتون تو چل دی اور اُس کی جگہ نوار آکے بیٹھ گئی۔ لطیف صحبت اُٹھانے کے بعد یہ ابھی اطمینان سے نہین بیٹھنے پائے تھے کہ نوار نے ایک دوہتڑ مارا۔ اور چلائی کہ "موئے شہدے تیری یہ حرکتین ہین!" آواز پہچانتے ہی آپ نے فی البدیہہ کہا "اخاہ! یہ تم تھین!" "ما اطیبک حراما و اردک حلالا" "بھئی واہ! حرام مین تم کیسی اچھی ہو اور حلال مین کیسی بری تھین!"

مگر باوجود ان سب باتون کے جانتا تھا کہ میری اصلی بی بی اور مجھ پر حق رکھنے والی نوار ہی ہے۔ چنانچہ ایک بار فرزدق کہین باہر تھا۔ کلیبہ کی ماں حبشن نے اُسے نوار کی شکایت لکھی کہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہین کرتین۔ اُدھر نوار نے بھی اُسے اُس حبشن کی شکایت لکھ بھیجی۔ اس کے جواب مین فرزدق نے تین شعر لکھ کے اُس حبشن کے پاس بھیجے جن مین کلیبہ کی ماں کو ڈانٹا اور لکھا تھا کہ "نوار کو کوئی معمولی عورت نہ سمجھنا۔ وہ شریف ہے اور بڑے باپ کی بیٹی ہے۔"

مگر باوجود اس کے نوار کے دل مین فرزدق کی جانب سے روز بروز نفرت بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اور اس پر طرہ یہ کہ وہ اس کو جائز شوہر نہین خیال کرتی تھی۔ جب اور کسی طرح زور نہ چلا تو اُس نے فرزدق کی خوشامد درآمد شروع کی۔ ہر بات مین اُس کی خوشی پر چلتی۔ کوئی فعل اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرتی۔ یہان تک کہ بہزار خرابی اُسے طلاق دینے پر راضی کر لیا۔ لیکن اب بھی فرزدق نے اُس سے اتنی شرطین کرا لین کہ (۱) طلاق کے بعد بھی تمھارے گھر سے نہ جاؤنگی۔ (۲) تمھارا ساتھ کبھی نہ چھوڑون گی (۳) کسی اور شخص کے ساتھ نکاح نہ کرون گی۔ (۴) اور میرے مال و اسباب اور میری جائداد پر تم جو تصرف چاہو کرو۔ تمھین اختیار رہوگا۔ مین کسی بات مین کبھی تمھارا خلاف نہ کرون گی۔ تب اُسے لے کے اُس زمانے کے امام دین حسن بصری کے سامنے گیا۔ اور کہا "اے ابوسعید (حسن بصری کی کنیت ہے) آپ گواہ رہیے کہ مین نے نوار کو طلاق دی۔" حسن بصری نے سُن کے کہا "ہان مین گواہ ہون۔" اس طلاق کے وقت گواہون کی حیثیت

سے راویِ اشعار فرزدق ابوشفقل اور ایک دوسرا راوی فرزدق کے ساتھ تھے۔ خود نوار بھی موجود تھی۔ جس کے ہمراہ بہت سے لوگ گئے تھے۔ مگر فرزدق نے ابوشفقل سے کہا "ابھی میں تو اپنے کیے پر پچھتاتا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ نوار کو طلاق دے کے آزاد کر دوں"۔ ابوشفقل نے کہا "ایسا ہے تو خدا کی قسم تم اپنی جان دیا چاہتے ہو کیونکہ کس کو اپنے طلاق کا گواہ بنا چکے ہو؟ اگر حسن بصری نے اشارہ بھی کر دیا تو مسلمان تمہیں سنگسار کر کے مار ڈالیں گے"۔ تاہم فرزدق نے اس افسوس میں چند شعر کہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے نوار سے سچی محبت تھی۔ اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

دُکانت جنتی فخرجت منہا کادم حین اخرجہ الضرار

اور وہ (نوار) میری جنت تھی۔ جس سے میں ویسے ہی نکلا جس طرح حضرت آدم کو جھوٹ اور نفاق نے نکالا تھا۔ اور نوار کا طلاق لینا بھی محض دینداری کے خیال سے تھا۔ نہ اور کسی وجہ سے۔ اپنے دل میں وہ اپنے لیے فرزدق کی صحبت کو حرام و ناجائز خیال کرتی تھی۔ بس اسی سے بچنے کے لیے اُس نے بہزار دشواری آزادی حاصل کر لی۔ ورنہ جو شرطیں وہ فرزدق سے کر چکی تھی۔ اُن کی رُو سے نہ کسی سے نکاح کر سکتی تھی نہ فرزدق کو اپنے روپے پیسے پر تصرف کرنے سے روک سکتی تھی جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کیسی پارسا پاک طینت بی بی تھی۔

مرنے سے پہلے اُس نے فرزدق کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کی نماز حسن بصری آ کے پڑھائیں۔ فرزدق نے اُنھیں اس وصیت کی خبر کی تو فرمایا "اگر نوار نے مجھ سے پہلے سفر آخرت کیا تو میں ضرور اُس کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا"۔ اتفاقاً یہی ہوا کہ نوار رہگرائے عالم جاودان ہوئی۔ اور حسن بصری زندہ موجود تھے۔ فرزدق نے جا کے اطلاع کی تو وہ فوراً چلے آئے۔ یہاں پہونچ کے دیکھا تو بہت سے لوگ بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ پوچھا "یہ کیوں کھڑے ہیں؟" فرزدق نے کہا "یہ لوگ سب سے اچھے شخص اور سب سے بُرے شخص کے انتظار میں تھے"۔ اُس کی مراد تو اچھے سے حسن بصری اور بُرے سے خود اپنی ذات تھی مگر حسن بصری نے دونوں جملوں کو اپنے ہی سے متعلق کیا اور کہا "نہ میں سب سے اچھا ہی ہوں اور نہ سب سے بُرا ہی ہوں"۔ اس کے بعد نماز پڑھا کے نوار کو دفن کر دیا۔

اور قبر کی طرف اشارہ کرکے پوچھا "اس خواب گاہ کے لیے کیا سرمایہ جمع کیا ہے؟" فرزدق نے کہا "ستر برس کا یہ عقیدہ کہ لا الہ الا اللہ"۔ اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ فرزدق بھی دل سے سچا شیدائے توحید تھا۔ اور توحید ہی کو ذریعۂ نجات جانتا تھا اور اسی لیے ہم ان دونوں میاں بیبیوں کی نسبت کہتے ہین کہ "اللھم اغفر لھما"

ہند بنت نعمان

یہ عرب کی ایک صاحب جمال اور پاک نفس و پاک دل شاہزادی تھی جس کا عہد خاص طلوع نیر اسلام کے زمانے مین تھا۔ اسکے شباب کا زمانہ جاہلیت مین تھا اور اس نے وفات اس وقت پائی جبکہ اس کے آبائی ملک پر صحابہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔

عرب کا جو حصہ عراق سے ملا ہوا ہے جس سرزمین پر بصرہ و کوفہ آباد کیے گئے۔ اور جس کے قرب مین اب کربلا اور نجف وغیرہ کی آبادیاں ہین۔ یہ ملک عہد جاہلیت مین عرب کی ایک متمدن سلطنت کے زیر فرمان تھا جو "سلطنت حیرہ" کہلاتی تھی تاجداران حیرہ اگرچہ خسروان عجم کے ماتحت تھے مگر یہ ماتحتی صرف برائے نام تھی اس لیے کہ ان کے نظم ونسق اور ان کی آمدنی و محاصل سے دارائے عجم کو کوئی تعلق نہ تھا۔ یہان نعمان ابن منذر کا خاندان حکمران تھا۔ جس سے خسروان عجم سے پرانے تعلقات چلے آتے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جو قوانین سلطنت عجم کے دستور العمل تھے وہ اگلے فرمان روایان حیرہ ہی کے مدون کیے ہوے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ کبھی سلطنت عجم کے وزیر اعظم ہوتے تھے کبھی شاہزادگان عجم کے استاد و اتالیق اور کبھی وہان کے نابالغ تاجداران کے اتالیق اور نگہبان۔ الغرض یہان کے فرمان رواؤن نے سلطنت عجم سے خاص قسم کے تعلقات قائم کرلیے تھے۔ جن کا بہت کچھ لحاظ کیا جاتا تھا۔ خاصۃً ان کے مورث اعلیٰ نعمان اول کا تو خسروان عجم بڑا ادب کرتے تھے۔ یہ سلاطین حیرہ قبیلۂ بنی لخم مین سے تھے۔ اور بڑی شان و شوکت اور رعب و تمکنت کے لوگ تھے۔ عرب کے تمام حضری و بدوی قبائل مین انکی شان و شوکت کی دھوم تھی اور شعرائے عرب انکی مدح مین بڑے بڑے

پُر زور قصیدے کہتے تھے۔

انھیں میں کا آخری فرمانروا النعمان بن منذر بن امرأ القیس تھا۔ جس کی بیٹی ہِند بنت نعمان عرب کی وہ مشہور و معروف شاہزادی تھی جس کے حالات کو ہم اس موقع پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہِند اپنے زمانے کی حسین ترین عورتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اُس کی ماں عرب کے ایک دوسرے شاہی خاندان بنی کندہ کی شاہزادی "ماریہ" تھی۔ جو مذہبِ مسیحی کی پابند تھی۔ اور اسی وجہ سے ہند بنت نعمان کا مذہب بھی عیسوی تھا۔

مگر بجائے اس کے کہ ہند کا نکاح کسی شاہی خاندان میں ہو عرب کے عبادی قبیلے کے مشہور شاعر عدی بن زید کے ساتھ ہوا جو اُس کے رُخِ زیبا کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس عشق کی بنیاد یوں پڑی کہ ہند اپنی عمر کے گیارہویں برس جبکہ حیرہ کے تخت پر اُس کا دادا منذر حکمران تھا مسیحیوں کی عید فسح (ایسٹر) کے موقع پر ایک کنیسہ کی زیارت کو گئی۔ بہت سی حسین و ہم عمر خواصیں اور لونڈیاں ہمراہِ رکاب تھیں۔ اور انھیں خواصوں میں ماریہ نام ایک حسینہ بھی تھی۔ ہند ان سہیلیوں کے ساتھ گرجے کے ہر حصے میں جاتی اور بے تکلفی و بے باکی سے ہر چیز کو دیکھتی تھی۔

اتفاقاً عدی بن زید بھی جو کسرائے عجم کے دربار سے انھیں دنوں ہدیہ او[ر] انعام و اکرام کی چیزیں لے کے منذر بن نعمان کے پاس آیا ہوا تھا اسی وقت اسی کنیسے کی زیارت کو آیا۔ اور ہند کی بے تکلفیوں اور ناز آفرینی کی حرکتوں کو شوق و محویت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ عدی بھی ایک بہت ہی حسین و[...] جوانِ رعنا تھا۔ چنانچہ اُس کے دل پر ہند کے حسن و جمال کا اتنا اثر نہیں پڑا تھا جتنا کہ اُس کی زیبائی و رعنائی کا اثر ہند کی سہیلی ماریہ کے دل پر پڑ گیا۔ ما[ریہ] بے اختیار عدی پر عاشق و فریفتہ ہو گئی۔ دیر تک یہی کیفیت رہی کہ ماریہ عدی کو شوق کی نظر سے دیکھ رہی تھی اور عدی ہند کی بھولے پن کی حرکتوں اور طفلا[نہ] بے تکلفیوں کو۔ ماریہ کا فرض تھا کہ ہند کو ہوشیار کر دیتی کہ دیکھو تمھیں ا[...]

غیر شخص شوق کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ عدی کے باغِ حسن سے آنکھوں ہی آنکھوں میں گلچینی کر رہی تھی۔ اُسے ہوش کہاں تھا کہ اپنی شاہزادی کو اُس کی بیباکانہ حرکتوں سے روکے۔ ناگہاں خود ہند کی نظر عدی پر پڑ گئی۔ اور اُسے ہمہ تن اپنی طرف مصروف دیکھ کے شرما گئی۔ پھر ساتھ والیوں کو ڈانٹا کہ "ایک اجنبی شخص کی نظریں مجھ پر پڑ رہی تھیں اور تم سے اتنا نہ ہوا کہ مجھے ہوشیار کر دیتیں"۔ بلکہ جھنجلا کے ایک آدھ خواص کو مارا بھی۔ ان اداؤں نے عدی پر اور زیادہ اثر کیا۔

اگرچہ اس پہلے دیدار نے عدی کے دل پر ہند کے حسن کا نقش ڈال دیا تھا لیکن ابھی اس نقش کو زیادہ استقلال نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ چند روز بعد یہ خیال اُس کے دل سے مٹ جاتا۔ مگر ماریہ عدی کی محبت کا جو نقش اپنے دل میں لے کے آئی تھی وہ بہت گہرا تھا۔ وہ اس ہوس میں بیتاب تھی کہ اُس جوان رعنا سے ملنے کا پھر کوئی اچھا موقع ہاتھ آئے۔ اُس کا نام اور پتہ تو اُس نے لوگوں سے دریافت کر لیا تھا تعارف کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈھ رہی تھی۔

اب اس واقعے کو ایک سال گذر گیا۔ اور شاہزادی ہند بالکل بھول گئی کہ فلاں کنیسے میں کوئی مجھے گھور رہا تھا۔ اُسے غافل پا کے ماریہ نے اُسکے سامنے ایک اور بڑے رومی کنیسے کی تعریف کی۔ کہا "وہاں بڑے بڑے عابد و مرتاض راہب خدا کے پاک عابد و زاہد بندے اور بڑی بڑی خدارس راہبہ عورتیں رہتی ہیں۔ اُس کی فلک رفعت عمارت کا مقابلہ نہ کوئی شاہی قصر کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایوان عالی شان۔ حیرہ کی تمام عورتیں خصوصاً کنواری لڑکیاں اُس کی زیارت کو جاتی ہیں۔ وہاں بڑا بھاری میلہ لگا رہتا ہے۔ اور ہر وقت بڑے لطف کا مجمع ہوتا ہے"۔ الغرض ایسا شوق دلایا کہ ہند اُس کنیسے کی زیارت کی بیحد مشتاق ہو گئی۔ اور اپنی ماں سے وہاں جانے کی اجازت چاہی۔ ماریہ نے اُس کی ماں کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا۔ لاڈلی بیٹی کی زبان سے شوق زیارت سنتے ہی اُس نے اجازت دے دی۔ اور قرار پا گیا کہ فلاں تاریخ شاہزادی شان و شوکت سے فلاں گرجے کی زیارت کو

جائے گی۔

یہاں کا بندوبست کرنے کے بعد ماریہ عدی کے پاس دوڑی گئی اور کہا "اگر آپ شاہزادی ہند کے جمال جہاں آرا کی زیارت کرنا چاہتے ہیں تو فلاں تاریخ فلاں کنیسے میں آیئے۔ آپ کو اُس روز شوق کی نگاہ سے دیکھتے دیکھا تھا میں نے ترس کھا کے بندوبست کر دیا کہ آپ پھر اُنھیں دیکھ لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ذرا بن ٹھن کے امیرانہ ٹھاٹھ سے آیئے گا۔ تاکہ اُن کے دل پر بھی کچھ اثر پڑے۔" عدی نے احسانمندی کا اظہار کر کے وعدہ کیا اور پہلے دیدار کا مزہ اگر بھول بھی گیا تھا تو پھر یاد آ گیا۔ روز مقررہ پر اُس نے ایک زربفت کی بہت بھاری اعلیٰ درجے کی شاہانہ قبا زیب بر کی جو ایران کے ایک شاہی خاندان کے معزز رکن رکین "فرخان شاہ مرد" سے خلعت کے طریقے پر ملی تھی۔ نہایت ہی نفیس اور دماغ خوشبو لگائی۔ چند حسین و خوبرو اور بذلہ سنج و شوخ طبع نوجوانوں کو مہذب مصاحب کے طریقے سے ساتھ لیا۔ اور ٹھیک وقت پر کنیسے میں آ پہونچا۔

اتنے میں شاہزادی ہند بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آئی۔ اسوقت عدی اس وضع میں دیکھ کے ماریہ کے دل پر ایسا بے اختیار کر دینے والا اثر پڑا کہ اُ طرف اشارہ کر کے شاہزادی سے کہا "حضور دیکھیے وہ کیسا جوانِ رعنا ہے تو یہاں جتنی چیزیں ہیں سب ہی دلچسپ ہیں مگر دیکھنے کے قابل اگر کوئی چیز ہے یہ نوجوان ہے۔" ہند کی نظر جو اُس پر پڑی تو وہیں کی ہو گئی۔ مبہوت رہ اور کسی اور طرف نظر ہٹانے کو جی چاہتا ہی نہ تھا۔ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑ رہ گئی۔ اور نظر عدی کے رُخ زیبا پر جمی ہوئی تھی۔ جب شوق نے اور زیادہ کیا تو ماریہ سے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ اس جوان کو پاس سے جا کے دیکھوں یہ مجھے پہچان تو نہ لے گا؟" ماریہ نے کہا "پاس جانے میں مضائقہ ہی کیا ہے وہ کیا جانے کہ آپ کون ہیں؟" اب ماریہ کے کہنے سے ہند عدی کے قریب اور اُس کے حرکات کو دیکھنے اور اُس کی باتوں کو سننے لگی۔ عدی نے ادھر طرف سے نظر ہٹالی اور اپنے دوستوں سے مذاق اور شوخ مزاجی سے باتیں لگا۔ ہند کی پُرشوق آنکھوں کو نظر آیا کہ نہ اُس سے زیادہ کوئی حسین دنیا

نہ کسی کی وضع و لباس مین ایسا بانکپن ہے - نہ شوخ طبعی و خوش مزاجی مین کوئی اُس سے بڑھا ہوا ہے - اور نہ فصاحت و بلاغت مین کوئی اسکو جواب دے سکتا ہے - اُس کے دل پر ان باتون کا ایسا اثر پڑا کہ ہوش جاتے رہے - اور آنکھین محوِ دیدار ہو گئین - اور شوق دل کی بیقراریان اُس کے بھولے چہرے سے نمایان ہونے لگین - ماریہ سمجھ گئی کہ اسکے دل پر پورا اثر پڑ گیا ہے - جُھک کے کان مین کہا "آپ چاہین تو اس جوان پری تمثال سے باتین بھی کر سکتی ہین" ہند تو اس کی آرزو مند تھی ہی - عدی سے دو چار باتین بھی کین -

الغرض اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ عدی اور ہند دونون گرجے سے واپس چلے تو بیتاب و بیقرار تھے - اور ماریہ کا عشق تو اعتدال سے گذر کے بے شرمی و بیحیائی کے درجے کو پہونچ گیا تھا - عدی اس سے پہلے ماریہ کو مُنہ نہ لگاتا تھا لیکن اب اُس کا بیحد گرویدۂ احسان تھا اور درد دل کا علاج سوا اُسکے اور کسی سے ممکن ہی نہ نظر آتا تھا - جس کی وجہ سے اُس کا دوست ہی نہین بن گیا بلکہ اُسکے آسنے اور اُس سے دو باتین کر لینے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا - گرجے کی ملاقات سے دوسرے دن وہ اُس کے پاس گئی تو ہاتھون ہاتھ لیا اور اُس کا مزاج پوچھنے ماریہ نے کہا "میری آپ سے ایک تمنا ہے" عدی نے کہا "تمھاری جو تمنا و آرزو ہو گی اُسے سر آنکھون سے بجا لاؤن گا - تمھارے مُنہ سے نکلے تو سہی" ماریہ آنکھون پر بیحیائی کی ٹھیکری رکھ کے بولی "مین تمھارے شوق مین بیتاب ہون - اور آتشِ فراق مین جل کے خاک ہوئی جاتی ہون - اگر اتنا احسان کرو کہ مجھے اپنی خلوت مین جگہ دو تو وعدہ کرتی ہون کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دون گی - اور جس طرح بنے گا تمھین ہند سے ملاؤن گی" کوئی اور چارہ کار نہ دیکھ کے عدی نے اقرار کر لیا اور جب یہ شرط پوری ہو گئی تو ماریہ کو اپنا اقرار پورا کرنے کی فکر ہوئی -

عدی سے رخصت ہو کے ماریہ حیرہ کے ایوان شہریاری مین آئی تو دیکھا کہ ہند نہایت ہی بیقرار ہے - اور اس درجہ بیتاب ہے کہ کسی حال مین قرار نہین آتا - ماریہ کی صورت دیکھتے ہی حسرت کے ساتھ بولی "اب سینے مین یہ آگ تم نے لگائی ہے تو تمھین بجھاؤ بھی - اگر تم نے کوئی تدبیر نہ کی تو مین تڑپ تڑپ کے مر جاؤن گی"

ماریہ بولی "ہاں ہاں - میں جہاں تک بنے گا آپ کی آرزو پوری کروں گی - آپکے محل کے پچھواڑے فلاں مکان ہے میں اُسی میں عدی کو لا کے بٹھا دوں گی - اور آپ کا جب تک جی چاہے کوٹھے پر کھڑی ہو کے اُس سے باتیں کر لیجیے گا" ہند نے شکرگذاری کے ساتھ پوچھا "تو کب ؟" بولی "اب جاتی ہوں اس کا بندوبست کروں گی"

دوسرے ہی دن اُس نے عدی کو اُسی لباس و وضع میں لا کے اُس مکان میں بٹھایا - اور محل میں آ کے ہند کے کان میں کہا "لے جا کے اپنے عاشق سے مل آئیے - وہ آپ کا منتظر ہے" ہند فوراً کوٹھے پر دوڑی گئی - دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا - اور دیر تک اشاروں ہی اشاروں میں اپنا ذوق و شوق ظاہر کرتے رہے اس ملاقات نے آتش عشق کو اور تیز کر دیا - اور ہند کی یہ حالت ہو گئی کہ ماریہ سے کہا "اب اگر تم مجھے عدی کے پاس نہ پہونچا دو گی تو دو ہی تین دن میں مر جاؤں گی"

ماریہ نے اب عدی کے پاس جا کے ہند کی یہ بیتابی ظاہر کی - اور کہا "اگر آپ اُس سے شادی نہ کر لیں گے تو وہ تڑپ کے مر جائے گی" اور آپ پر اُس کا خون ہو گا" عدی بولا "بھلا میرے لیے اس سے بڑھ کے کوئی خوش نصیبی کی بات ہو سکتی ہے ؟ لیکن بھلا میری مجال ہے کہ بادشاہ نعمان کو اُس کی شاہزادی کے لیے اپنا پیام دوں ؟" ماریہ نے کہا "اس نسبت کو منظور کرانا میرا کام ہے - تم پیام تو دو - اور جس طرح میں بتاتی ہوں اُس طرح پیام دو" عدی "تم جس طرح کہو گی پیام دوں گا مگر ڈرتا ہوں کہ وہ بگڑ نہ جائیں" ماریہ نے کہا "ایک کام کرو تم ایک عام دعوت کرو - اور اُسی سلسلے میں ایک دن نعمان کو بھی بلا کے خوب کھلا پلا کے خوب شراب پلاؤ - اور جب نشے سے بدمست ہو اُس وقت پیام دو اور یقین جانو کہ وہ انکار نہ کرے گا" عدی نے کہا "خوب سوچ لو - جان کا معاملہ ہے - اگر برہم ہو گیا تو مجھے اُسی وقت قتل کرا ڈالے گا" ماریہ بولی "محل کے اندر میں نے اپنے طور پر پورا انتظام کر لیا ہے تب تم سے کہا ہے - تم بے اندیشہ پیام دو"

اس قرارداد کے مطابق عدی نے ایک فرضی تقریب قرار دے کے ...

کی دعوت کی۔ پھر بادشاہ نعمان کو مع اُسکے اہل دربار اور خدم وحشم کے مدعو کیا۔ نفیس و پرتکلف غذائیں کھلا کے شراب پلائی۔ اور جب دیکھا کہ نشے سے چور ہو رہا ہے شادی کا پیام دیا۔ مگر اُسے حیرت ہو گئی جب دیکھا کہ نعمان نے فوراً شادی منظور کر لی۔ اُسی صحبت میں نکاح کر دیا۔ اور تیسرے دن بیٹی کو رخصت بھی کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بعد نعمان بن منذر نے جب بجائے خود سوچا تو اپنے کیے پر پچھتایا۔ دل میں خیال گذرا کہ عدی نے شراب پلا کے میرے ساتھ دغابازی کی۔ اور اُسے بیٹی دینے سے میری بڑی توہین ہو گئی۔ مگر اس بغض کو دل میں لیے رہا۔ اور موقع ڈھونڈھتا رہا۔ اُس نے کبر و نخوت کے جوش میں یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ ایک دن تو شفقت و مرحمت کا دن قرار دیا تھا اور ایک دن غیظ و غضب کا۔ اہل دربار تو اِن دونوں دنوں سے واقف تھے۔ غیظ و غضب کے دن دُور ہی دُور رہتے۔ مگر دور و دراز کے ملکوں سے جو شامت زدہ اُس دن آ جاتا۔ نہایت بے رحمی سے قتل کر ڈالا جاتا۔ اتفاقاً شامتِ اعمال سے اُسی غیظ و غضب کے دن عدی اور نعمان کا سامنا ہو گیا۔ بس کیا تھا؟ نعمان کو موقع ہاتھ آ گیا۔ فوراً اُسے گرفتار کر کے قتل کرا ڈالا۔ جس کا انتقام عدی کے ایک بیٹے زید بن عدی نے یوں لیا کہ خسروِ عجم کو اُس کا دشمن بنا دیا۔ اور نعمان مدتوں تاجدار ایران کی قید میں رہ کے قتل کیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل دیکھنا ہو تو ناظرین ہمارے ناول ایامِ عرب کو ملاحظہ فرمائیں۔

شاہزادی ہند کو اپنے مظلوم شوہر کے مارے جانے پر بڑا صدمہ ہوا۔ باپ سے تو کیا کہہ سکتی تھی؟ کس کی مجال تھی کہ اُس سراپا نخوت فرمان روا کے سامنے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ مگر ہند کچھ ایسی شکستہ دل ہو رہی تھی کہ بمصداق ع "اُس پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا" تارک الدنیا ہو گئی۔ اور عرب کی شریف زادیوں کے عام مذاق کے خلاف تمام لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کش ہو کے مسیحی راہبوں کی ایک خانقاہ میں بیٹھ رہی جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کے "دیرِ ہند" مشہور ہو گئی۔

ہند کی شادکامی و کامرانی کی زندگی تو بہت ہی تھوڑی تھی مگر راہبہ عورتوں کے ساتھ بیٹھ کے عبادت کرنے کے لیے اُس نے بڑی طولانی عمر پائی۔ اس خانقاہ مین بیٹھے بیٹھے اُس نے کمال بےتعلقی کے ساتھ تقدیر کے بڑے بڑے فیصلے اور دنیا کے حیرت انگیز انقلاب دیکھے۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے مرحوم شوہر عدی کے بیٹے زید نے خسرو پرویز کے دربار مین رسوخ پیدا کر کے اُسے نعمان بن منذر کے گھرانے کی عورتون کا شوق دلایا۔ اور جب ایوان کسرے سے نعمان کی بیٹیان طلب ہوئین تو وہ اپنے کنبے کی تمام عورتون کو بنی شیبان کی حمایت مین چھوڑ کے خسرو پرویز کے دربار مین حاضر ہو گیا۔ جہان قید ہوا اور اُسی قید مین مر گیا۔ اب اسکے باپ کا تاج و تخت ایاس بن قبیصہ طائی کو ملا جو بنی طے کا سردار تھا۔ اور پرویز نے بنی شیبان سے نعمان کی عورتون کو مانگا۔ اُنھون نے انکار کیا۔ اور نتیجے مین "یوم ذی قار" کی عظیم الشان لڑائی ہوئی۔ جس مین عربون نے ایرانیون کو شکست دی۔ ایاس طائی کے بعد ہند کے باپ کی قلمرو پر ہمدان کا ایرانی سردار آزادبہ بھی والی ملک کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ جب وہ بھی ایک مدت دراز تک فرمان روائی کر چکا تو ہند کے بھائی منذر بن نعمان بن منذر کو آبائی حکومت ملی۔

اب حضرت سرور کائنات محمد رسول اللہ صلعم مبعوث ہو چکے تھے۔ اور عرب کی اُجلی ریگ روان کا نورانی غازہ دنیا کے منور کرنے کے لیے کرۂ ارض کے تاریک چہرے پر لگایا جا رہا تھا۔ سیف اللہ خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) علم اسلام کو لیے ہوے یہان پہونچے اور ارض حیرہ کے ساتھ تمام صوبجات عجم اسلام کے پرچم ہدایت کے سایہ مین تھے۔ اب یہان کی حکومت صحابۂ رسول اللہ کے ہاتھ مین تھی۔ کبھی ابو موسیٰ اشعری حاکم تھے اور کبھی ابو ہریرہ۔ کبھی شمشیر حکمرانی ابو بکرہ کے پنجۂ قدرت مین تھی اور کبھی مغیرہ بن شعبہ کے ہاتھ مین۔

ہند ان سب حیرت انگیز انقلابون اور تقدیر کے کرشمون کو اپنی خانقاہ کے حجرے سے خاموشی کے ساتھ دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہو گئی۔ مغیرہ بن شعبہ اپنی حکومت کے زمانے مین ایک بار اُس دیر (خانقاہ) کی طرف سے گذرے۔ اور

اُس کی عالیشان عمارت دیکھ کے لوگون سے پوچھا "یہ کون سی خانقاہ ہے ؟" لوگون نے کہا "دیر ہند - جس مین نعمان بن منذر کی تارک الدنیا شاہزادی رہتی ہو اور وہی یہان کی ساری راہبہ عورتون کی سردار ہے" یہ سُن کے مغیرہ خانقاہ کے دروازے پر گئے - اور اپنے آنے کی اطلاع کرائی - نام سُن کے ہند نے اندر بُلا لیا - اخلاق سے ملی - ہرن کی ایک کھال اُن کے بیٹھنے کے لیے بچھوا دی - اور پوچھا "آپ نے کیون تکلیف کی ؟" مغیرہ نے کہا "مین تمھین نکاح کا پیام دینے آیا ہون - اور چاہتا ہون کہ تم میرے عقد مین آنا قبول کر لو" یہ سُن کے ہند نے ذرا تامل کیا - پھر بڑی متانت کے ساتھ صلیب کی طرف اشارہ کر کے کہا "مین اسی کی قسم کھا کے کہتی ہون کہ اگر مجھے ذرا بھی گمان ہوتا کہ حُسن و جمال اور شباب کی زندہ دلیون کا کچھ بھی حصہ مجھ مین باقی ہے تو آپ سے ضرور نکاح کر لیتی - غالباً مجھ سے شادی کرنے کا خیال آپ کے دل مین اس لیے پیدا ہوا ہوگا کہ مین نعمان بن منذر کے ملک پر قابض و متصرف ہوا ہون تو اُس کی بیٹی کا شوہر بھی ہو جاؤن - تاکہ اپنے اقران و امثال پر فخر کر سکون - آپ جس خدا کو مانتے ہون اُسی کی قسم کھا کے کہیے کہ ہے نہ یہی بات آپ کے دل مین ؟" مغیرہ نے کہا "بے شک یہی آرزو میرے دل مین ہے" اُن کی زبان سے تصدیق کے یہ الفاظ سنتے ہی ہند بولی "مگر یہ قیامت تک نہ ہوگا - گو آپ کی آرزو کے خلاف ہے"

اپنے اس شوق مین مایوس ہو کے مغیرہ نے اُس سے بعض قبائل عرب کی شرافت اور اُن کی فوقیت کے بارے مین نعمان بن منذر کا خیال پوچھا جس مین ہند نے اُن کی مرضی کے موافق اطمینان بخش جواب دیے اور اُنکی تشفی کر دی - آخر مغیرہ بن شعبہ اُس سے رخصت ہو کے چلے آئے - اور اُس کی تعریف مین تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "نسل سلاطین مین جو خوبیان سُنی تھین وہ بے شک صحیح ہین"

بس پھر اسکے بعد پتہ نہین چلا کہ ہند کتنے دنون تک اس خانقاہ مین زندہ رہی اور کب اور کس زمانے مین اُس نے سفر آخرت کیا -

سجاح

بنی اسرائیل مین صدہا پیغمبر پیدا ہوے مگر کوئی ایسی عورت نہین نظر آتی جس نے کبھی جھوٹون بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہو - بت پرست اقوام مین دیویان تو ہزارون بن گئین مگر نبیہ کوئی نہین بنی - بابل مین سمیرامیس ملکہ تھی جو مظہر الٰہی قرار پا کے قوم کی قابل پرستش دیوی بن گئی - یورپ مین ہزارہا نون اور ولیہ عورتون مین سے اکیلی ایک جون آف آرک ایسی عورت ہے جس پر الہامات کا اتنا زیادہ اور ایسا گہرا اثر پڑا کہ اُس سے پیمبری کی شان سی نمایان ہونے لگی مگر صاف الفاظ مین نبوت کا دعوے اُس نے بھی نہین کیا - لیکن عرب کے خصائص مین ایک بات یہ بھی ہے کہ اُس مین ایک ایسی عورت پیدا ہوئی جو صریح الفاظ مین نبوت کی دعویدار تھی - اور جس کا نام سجاح تھا

یہ حارث بن سوید بن عقفان کی بیٹی تھی - ہوازن کے مختلف قبائل مین سے بنی تمیم مین پیدا ہوئی تھی - اور قبیلۂ بنی تغلق سے ننہالی قرابت رکھتی تھی - عرب کے شمال و مشرق مین اُس سرزمین مین اُس کا نشو ونما ہوا تھا جو میان دوآب یعنی دجلہ اور فرات کے بیچ مین واقع ہے جسے یونانی اگلے دنون مسوپوٹامیا کہتے تھے اور فی الحال دریاؤن کے وسط مین ہونے کے باعث الجزیرہ کہلاتی ہے -

سجاح بڑی عاقلہ - حکیمہ - عالمہ اور فصیحہ و بلیغہ تھی - اور اسی کے ساتھ اولوالعزم بلند حوصلہ اور نہایت ہی مستقل مزاج تھی - اُسکے حسن و جمال کے متعلق ہمارے پاس کوئی خاص شہادت نہین موجود ہے - لیکن اُس کی باتون مین اگلے زمانے کی کاہنہ عورتون کی ایسی تکلم کی شان پائی جاتی تھی - اور ایسے خوبصورت جملے مُنہ سے نکلتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پھول جھڑتے ہین - جو لوگون کو گرویدہ کر لیتے - اور جو شخص اُس کی گفتگو سنتا مطیع و منقاد ہو جاتا - اور اِس کے ساتھ ستم یہ تھا کہ ابھی شباب کا زمانہ تھا - جبکہ الفاظ کو دلبری کا زور دینے مین اُس کے ناز و انداز اور چشم و ابرو سے بھی مدد مل جاتی -

ان دنون عرب کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی - جناب سرور کائنات

صلعم سفر آخرت فرما چکے تھے۔ تمام صوبجات عرب اور تقریباً کل قبائل دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور ایک روحانی تہذیب کے ساتھ سارے عربون مین اتحاد و اتفاق پیدا ہو چکا تھا۔ جن کے ذمے یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ بجائے کسی قسم کے خراج کے زکوٰۃ کی رقم مدینۂ طیبہ مین بھیجا کرین تا کہ وہ رقم ملکی مصالح اور تمدنی ضرورتون مین خرچ ہوا کرے۔ جناب ابو بکر صدیقؓ جو خلیفہ ہوے تو مختلف قبائل عرب مین یہ شک پیدا ہوا کہ اب حضرت رسالتؐ کے بعد بھی زکوٰۃ کی رقم مدینے مین بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔

اس شک کے ساتھ ہی مختلف مقامات مین کئی شخص پیدا ہو گئے جنھون نے بجائے خود نبوت کا دعویٰ کیا اور جو لوگ رقم زکوٰۃ کے بھیجنے مین تامل کر رہے تھے اُنھین مخالفت پر اُبھار دیا۔ اور سارے عرب مین بغاوت کی آگ سی لگ گئی۔ صرف ایک مکۂ معظمہ تو سر اطاعت جھکائے رہا جو مخالفت کا پورا جوش ابتدائے بعثت ہی مین دکھا چکا تھا۔ باقی تمام بلادِ عرب بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ صاف صاف کہنے لگے کہ "ہم تو زکوٰۃ نہ دین گے"۔ اور پھر مدعیانِ نبوت نے اس آتش فساد پر اور تیل ڈالنا شروع کیا۔

یہان مدینے کی یہ حالت تھی کہ اس عام شورش اور ہر طرف پھیلی ہوئی بغاوت کو خطرناک تصور کر کے تمام صحابہ اور بڑے بڑے صائب الرائے لوگ دب جانے پر آمادہ تھے۔ حضرت عمرؓ کا سا سخت مزاج شخص بھی ابو بکر صدیقؓ کو یہی مشورہ دیتا تھا کہ فی الحال یہی مصلحت ہے کہ جو لوگ ادائے زکوٰۃ مین عذر کرتے ہین اُن سے تعرض نہ کیا جائے۔ مگر ابو بکر صدیقؓ اپنی ضد پر اڑے ہوے تھے کہ "خدا کی قسم مین تو جوتے کا ایک تسمہ بھی جسے یہ لوگ آن حضرت صلعم کی زندگی مین دیتے ہون اور اب نہ دین ہرگز نہ چھوڑون گا۔ اور اس کے لیے لڑونگا۔ تم اگر ساتھ نہ دوگے تو اکیلا جا کے مقابلہ کرون گا مگر اسے گوارا نہ کرون گا کہ اسلام کا ایک رُکن ٹوٹ جائے"۔

جبکہ مدینے مین یہ حالت تھی۔ طلیحہ ایک طرف۔ اسود عنسی ایک طرف اور مسیلمۂ کذاب ایک طرف نبوت کے دعوے کر کے اپنے اپنے ہم وطنون اور

قبیلوں کو توڑ توڑ کے مدینے کے مخالف بنا رہے تھے۔ سجاح بھی اپنے وطن الجزیرہ سے بنی تمیم۔ دیگر قبائل ہوازن۔ اور اپنے ننہالی قرابت داروں بنی تغلب کا ایک لشکر عظیم لے کے روانہ ہوئی کہ حجاز کے پیغمبر اُمّی (صلعم) کے مقابلے میں اپنی نبوت کا آوازہ بلند اور ابوبکر صدیق رضی سے مقابلہ کرے۔ ہذیل بن عمران جو بنی تغلب کا ایک نامور سردار اور عیسوی المذہب تھا۔ دین مسیحی کو چھوڑ کے سجاح پر ایمان لے آیا۔ اور اُسکے ساتھ ہی دیگر قبائل کے اور بھی بہت سے صاحب اثر سردار اُس کے مطیع و منقاد بن کے اُس کا کلمہ پڑھنے لگے۔ زیاد بن ہلال بنی ایاد کے لوگوں کے ساتھ۔ عقہ بن ہلال بنی نمر کے ساتھ۔ سلیل بن قیس بنی شیبان کے ساتھ آ کے اُس کے لشکر میں مل گئے۔ اور سجاح کے جھنڈے کے نیچے ایک بڑا بھاری لشکر جمع ہو گیا۔ لیکن ان لوگوں میں باہمی رقابت و عداوت ایسی تھی کہ سب کا ساتھ آخر تک نبھ نہ سکا۔ اور یہ حالت تھی کہ اگر اُس کے کہنے پر عمل کیا گیا تو وہ بگڑ گیا۔ اور اِس کی بات مانی گئی تو یہ بگڑ کھڑا ہوا۔

آخر اُن سب کے مجمع میں سجاح نے ایک پر اثر اور فصیح و بلیغ تقریر کر کے اُنھیں اُبھارا کہ بنی رباب پر حملہ کریں۔ بنی رباب بھی مقابلے کو تیار ہو گئے۔ اور ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہت سے لوگ مارے گئے۔ مگر قتل و خون کے بعد اُن لوگوں سے صلح ہو گئی۔ اور سجاح اپنے لشکر کو لے کے مقام نباج میں پہونچی۔ یہاں یہ مصیبت آ پڑی کہ اوس بن خزیمہ تمیمی نے اُس کے لشکر پر ناگہاں حملہ کر کے اُسکے کئی زبردست اور اعلیٰ درجے کے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن سجاح کی حکمت عملی اب بھی کامیاب ہوئی۔ اُسکے قیدیوں کو رہائی ملی۔ اور اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سجاح اُس سرزمین کو چھوڑ کے کسی اور طرف کا قصد کرے۔

اب سجاح اپنے عظیم الشان لشکر کو لے کے آگے بڑھی تو ارض یمامہ میں پہونچی۔

یمامہ میں قبیلۂ بنی حنیفہ آباد تھا۔ جن لوگوں نے مسیلمۂ کذاب نے بہکا کے اپنی نبوت کا معتقد بنا لیا تھا۔ اُنھیں وہ عجیب عجیب و جیانی سُنا تا تھا اور سنے کلام

جاری کرتا تھا اور نبوت کی نقل کرنے میں اپنے تمام معاصر مدعیان رسالت پر تفوق لے گیا تھا۔ چنانچہ اُس کی شریعت کا ایک حکم یہ تھا کہ جس کسی کا کوئی جیتا جاگتا بیٹا موجود ہو اُسے دوسری شادی کرنا درکنار اپنی منکوحہ بی بی سے بھی مقاربت کرنا حرام ہے۔ ہاں اگر بیٹا مرجائے تو اُس وقت تک جائز ہے جب تک دوسرا بیٹا نہ پیدا کرا لے۔

مسیلمہ نے جب سجاح کی نبوت اور اُسکے لشکر عظیم کے سر پر آ پہونچنے کی خبر سُنی نوبت گھبرایا۔ اور ڈرا کہ ایسا نہ ہو میرے گرد و پیش کے قبائل اُس سے جا ملیں اور میری کمر کہری ہو۔ اپنی قوت کو سجاح کے مقابلے میں کم پاتا تھا۔ اور مقابلے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ کیادی و مکاری میں کمال رکھتا تھا اسلئے دوسری وضع پر چلا۔ سجاح کے پاس تحفے اور ہدیے بھیج کے اُس کی استمالت کی۔ اور اُس سے دوستی پیدا کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ اور جب اُسے یوں راضی کر چکا تو پیام بھیجا کہ "مجھے تم سے ملنے کی آرزو ہے۔ اگر اجازت دو تو حاضر ہوں"۔ سجاح نے اجازت دی۔ وہ بنی حنیفہ میں سے چالیس ہوشیار آدمیوں کو ساتھ لے کے سجاح کے پاس گیا۔ اس سے محبت کے ساتھ ملا۔ اُس کی صورت و سیرت پر غور کیا۔ اُس کی حالت کا اندازہ کیا۔ اور دل میں سمجھ گیا کہ یہ عورت اس بلا کی ہے اور اپنے پیرووں پر ایسا اثر رکھتی ہے کہ فوج کشی کے ذریعے سے پیش پانا دشوار ہے۔ یہ ظالم فوج کشی سے نہیں بلکہ حُسن و عشق کے کھیل میں زیر ہونے والی ہے۔ اُس کی اس کمزوری کا راز دریافت کر کے مسیلمہ نے خواہش کی کہ آپ میری دعوت قبول کریں۔ اور میرے خیمے میں تشریف لا کے مجھے سرفراز فرمائیں۔ بشرطیکہ یہ ہے کہ میرے آپ کے دونوں گروہوں کے آدمی خیمے سے دور رہیں۔ سجاح نے وعدہ کیا۔ اور مسیلمہ وعدہ لے کے چلا آیا۔

اب یہاں آ کے اُس نے دلفنوں کا سا ایک پُر تکلف سرخ خیمہ کھڑا کرایا اپنے مذاق اور امکان کے مطابق اُسے اُسی طرح ناہنجار کے حجلۂ عروسی بنایا جس طرح زلیخا نے حضرت یوسف کے دل پر فتح پانے کے لیے اپنا کمرہ آراستہ کیا تھا۔ مسیلمہ نے اس خیمے کو خوب سجا۔ اُس میں خوب خوشبوئیں سلگائیں۔ عطر

لگایا۔ اور اُس خیمے کو ایسا بنا دیا کہ پاس بھی کھڑے ہو جائیے تو خوشبو کی لپٹیں چلی آتی تھیں۔

یہ حجلۂ عروسی تیار رہا کہ سجاح ملنے کو آئی۔ اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہایت نرم اور گدگدے فرش پر بٹھایا۔ اور اپنی نبوت سے عشق بازی کا کام لینے لگا۔ کہا "بتائیے آپ پر کیا وحی اُتری ہے؟" سجاح بولی "نہیں۔ آپ پہلے اپنی وحی سنائیں۔ میں پھر عورت ہوں۔ اور آپ مرد ہیں۔" اس جواب سے مسیلمہ سمجھ گیا کہ سجاح اپنی نبوت میں کمزور ہے۔ اور میرا کچھ نہ کچھ دباؤ ضرور مانتی ہے۔ بولا "مجھ پر تو وحی اُتری ہے 'الم تر کیف فعل ربک بالحبلی۔ اخرج منہا نسمۃ تسعیٰ۔ من بین صفاق وحشا'عہ۔" چونکہ یہ وحی کسی حد تک سجاح کے مذاق کے مطابق تھی بولی "اور کوئی وحی بھی سنائیے۔" مسیلمہ نے جب دیکھا کہ سجاح نے اتنی نوک جھوک کو گوارا کر لیا تو حوصلہ اور بڑھا۔ اور بولا "اور خدا نے مجھ پر یہ آیتیں بھی نازل کی ہیں 'الم تر ان اللہ خلق النساء افواجا۔ وجعل الرجال لہن ازواجا۔ فتولج فیہن ایلاجا۔ ثم تخرج ما نشاء اخراجا۔ فینتجن لنا انتاجا'عہ۔ اس بے شعت سورۃ اور دل کو ہیجان میں لانے والی وحی نے سجاح پر پورا اثر کیا۔ بولی 'اشہد انک نبی اللہ' (میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ پیغمبر ہیں) اب کیا تھا۔ مسیلمہ کو منہ مانگی مراد ملی۔ بولا "سنو خدا تعالیٰ نے آدھی زمین مجھے دی تھی اور آدھی قریش کو۔ مگر قریش نے ناانصافی کی۔ جس کی وجہ سے خدا نے اُن کا وہ نصف حصہ بھی تمھیں عطا کیا۔ اور اب میں کمال اشتیاق سے کہتا ہوں کہ کیا مناسب نہ ہوگا کہ ہم تم دونوں شادی کر لیں؟ اگر ہماری یہ دو قوتیں باہم مل گئیں تو ہم سارے عرب پر قبضہ کر لیں گے۔"

عہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ تیرے پروردگار نے حاملہ کے ساتھ کیا کیا؟ اُس میں سے ایک زندہ جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ اور جھلی اور احشا میں سے نکل کے آتی ہے۔

عہ کیا تو نے خدا کو نہیں دیکھا کہ غول کے غول عورتوں کے پیدا کئے ہیں۔ اور مردوں کو اُن کا جوڑا بنایا جو اُن میں دخول کرتے ہیں۔ پھر اُن میں سے جتنا چاہتا ہے نکالتا ہے۔ اور وہ ہمارے لیے نتیجہ بخش ثابت ہوتی ہیں

سجاح کے دل پر مسیلمہ کا جادو پورا چل چکا تھا بولی "مجھے منظور ہے۔" مسیلمہ نے مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو کے کہا "تو پھر دیر کاہے کی ہے؟ آؤ۔" اور اب گستاخی کا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُس نے چند نہایت ہی فحش شعر پڑھے جنھون نے سجاح کو بھی اُس کی طرح بالکل مست و دیوانہ بنا دیا۔ الغرض دونوں کی رضامندی سے "جھٹ منگنی پٹ بیاہ" کی مثل پوری کر دکھائی۔ اور سجاح نے کسی سے پوچھے گچھے اکیلے ہی میں عقد نکاح کر لیا۔ ان دونوں پیمبروں کی اُمتیں ملاقات کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اور یہاں دونوں پُرشوق صاحبان اُمت دولھا دلھن بنے حجلۂ عروسی کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اور شوق وصال ایسا بڑھا ہوا تھا کہ تین دن تک خیمے سے باہر نہ نکلے۔ تیسرے دن سجاح رخصت ہو کے اپنے معتقدوں میں گئی تو اُن لوگوں نے جو انتظار کرتے کرتے بے صبر ہو رہے تھے۔ صورت دیکھتے ہی پوچھا "مسیلمہ سے کیا ٹھہری؟" بولی "وہ نبی برحق ہے اس لیے میں نے اُس کی نبوت تسلیم کر کے اُس سے شادی کر لی۔" لوگوں نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا "اور مہر کیا قرار پایا؟" گھبرا کے بولی "یہ پوچھنا تو میں بھول گئی۔" ساتھیوں نے کہا "تو اسی وقت جا کے اپنے مہر کا فیصلہ کیجیے۔" سب کے مجبور کرنے سے اُسی وقت پلٹی۔ لیکن یہاں آ کے دیکھا تو مسیلمہ بھاگ کے اپنے قلعے میں ہو رہا تھا۔ اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ وہ دل میں سہما ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو میرے اس فعل کو سجاح کے ساتھی اپنی تحقیر و توہین خیال کر کے مجھ پر یورش کر دیں۔ سجاح نے اطلاع کرائی اور بلوایا تو اُسکو اس قدر خوف غالب تھا کہ باہر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کوٹھے پر آ کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا؟ "اب کس لیے آئی ہو؟" سجاح نے کہا "میرا مہر تو بتاؤ۔ آخر مہر میں کچھ دو گے یا نہیں؟" بولا "ہاں مہر ضرور ملے گا۔ تمھارا موذن کہاں ہے؟ اُسے بلواؤ۔" فوراً سجاح کا موذن شبیث بن ربعی ریاحی حاضر ہوا۔ جس سے مسیلمہ نے کہا "جاؤ تمام مومنین میں پکار دو کہ محمد (صلعم) خدا کے پاس سے جو پانچ نمازیں لائے تھے اُن میں سے دو عشا اور فجر کی خدا نے سجاح کے مہر میں مومنین پر سے معاف کر دیں۔"

یہ مہر پاکے سجاح واپس چلی تو اُس کے اصحاب کبار میں سے عطارد بن حاجب عمرو بن اہیم۔ غیلان بن خرشہ اور وہی اُس کا موذن شبیث بن ربعی ہمراہ رکاب تھے اور خاموش تھے۔ عطارد نے اپنی حالت پر غور کیا تو استعجاب سا معلوم ہوا اور یہ شعر پڑھا۔

اَمْسَتْ نَبِیَّتُنَا اُنْثٰی نَطُوْفُ بِھَا وَاَصْبَحَتْ اَنْبِیَاءُ النَّاسِ ذُکْرَانًا

اب مسیلمہ سے صلح تو ہو ہی گئی تھی۔ صلح کے شرائط میں گفتگو شروع ہوئی مسیلمہ نے کہا کہ تم علاقۂ یمامہ کا ایک سال کا محصول لو اور چلی جاؤ۔ اُس میں سے نصف میں اسی وقت دیتا ہوں اور نصف کے لیے تم اپنا کوئی مختار چھوڑ جاؤ۔ چند روز میں وہ بھی دے دیا جائے گا۔"

سجاح نے یہ شرط قبول کی۔ اپنے معتمد علیہ لوگوں میں سے ہذیل۔ عقہ۔ اور زیاد کو یمامہ میں چھوڑا اور خود اپنے تمام لشکر کے ساتھ ارض جزیرہ کی طرف واپس روانہ ہوئی۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ مدینے پر چڑھائی کرنے اور حضرت صدیق سے لڑنے کے لیے آئی تھی تو مسیلمہ سے شادی کرکے واپس کیوں چلی گئی۔ حالانکہ خود مسیلمہ بھی اسی دُھن میں تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شادی کے بعد اُسے یہ خیال ہوا کہ اب ساری ذمہ داریاں مسیلمہ کے سر ہیں۔ اور اُسی کا کام ہے کہ سارے عرب پر قبضہ کرکے جو ملک میرے نامزد کیا ہے میرے حوالے کرے۔

مگر وہ اُدھر گئی ہی تھی کہ حضرت صدیق کی جانب سے خالد بن ولید علم اسلام لیے ہوئے یمامہ میں آپہونچے۔ اور اگرچہ نہایت ہی سخت لڑائی ہوئی جس میں بعض وقت صحابۂ رسول اللہ کو ناکامی کی جھلک نظر آنے لگتی تھی۔ لیکن آخر میں اسلام ہی کی فتح ہوئی۔ مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ اور جن لوگوں کو سجاح ملک کی نصف آمدنی لینے کے لیے چھوڑ گئی تھی وہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسیلمہ کے بعد ہی باقی تمام مرتدوں اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہوا۔ اور پھر سارے عرب پر ویسی ہی حکومت قائم ہوگئی جیسی کہ جناب سرور کائنات صلعم

وفات کے وقت چھوڑ گئے تھے۔

سجاح کو پھر کبھی فوج جمع کرنے یا سرکشی کرنے کی جرأت نہیں ہوئی بنی تغلب میں ٹھہر کے نہایت ہی امن وامان اور خوشی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ یہاں تک کہ جناب معاویہ کا زمانہ آیا۔ اور ایک سال قحط پڑا جس میں معاویہ نے بنی تغلب کو بصرے میں آباد کرا دیا جن کے ہمراہ سجاح بھی بصرے میں آ کے مقیم ہوئی۔ اور اُس نے اور اُس کی ساری قوم نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہونے کے بعد سجاح سے پوری دینداری ظاہر ہوئی۔ اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ سمرہ بن جندب نے جو صحابۂ رسول اللہ میں تھے اور اُن دنوں بصرے کے حاکم تھے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

بہر حال سجاح تو نہ رہی۔ مگر دنیا میں نام کر گئی۔ اور وہ کام کیا جو آج تک دنیا کی ساری عمر میں کسی عورت سے نہ ہو سکا تھا۔

ہلینا (قسطنطین اعظم کی ماں)

اس کی ابتدائی زندگی بالکل تاریکی میں ہے۔ کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اُسکے ماں باپ کون تھے اور کس درجے کے لوگ تھے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین و نازنین پری جمال و مہ طلعت تھی۔ اور ایسی حسینہ تھی کہ جس کی نظر پڑ جاتی فریفتہ ہو جاتا۔ ایشیائے کوچک کے شہر نقیمیہ میں جسے اہلِ عرب شہر رہا کہتے ہیں ۲۴۶ء کے قریب پیدا ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قیاصرۂ روم عیسائیوں پر ظلم کرتے کرتے تھک گئے تھے اور نظر آتا تھا کہ اس نئے دین کی جس قدر روک کی جاتی ہے اُسی قدر بڑھتا جاتا ہے۔ اکثر غربا حضرت مسیح پر ایمان لاتے جاتے تھے اور اندر ہی اندر اُنکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ مسیحیوں میں جوش بھی سچا تھا اور بلا کا تھا۔ جن کے مقابل تمام پرانے بت پرستانِ روم کا جوش پھیکا پڑ گیا تھا۔ وہی زور جو مسیحیوں کی تعداد بڑھا رہی تھی اُس نے اس حسین لڑکی کو بھی مسیحیت کا شیدا بنا دیا۔ اور نقیمیہ کے اُسقف کے پاس جا کے اُس کے ہاتھ پر ایمان لے آئی۔

اور مذہبی کتابون کی تعلیم پاکے ایک تعلیم یافتہ لڑکی بن گئی۔

قسطنطین کلورس جو قیصر وقلطیانوس کا معتمد علیہ افسر تھا۔ حملہ آوری کے سلسلے مین ادھر آیا۔ اتفاقاً اُس کی نظر ہلینا پر پڑ گئی۔ اور دیکھتے ہی ستوجان سے عاشق ہو گیا۔ فاتح کو ایک مفتوح شہر کی لڑکی پر وہ چاہے کیسی ہی حسینہ ہو دسترس پانا کون مشکل تھا؟ اُسے ساتھ لے کے بزن ٹائن (موجودہ قسطنطینیہ مین گیا۔ اور اپنی نازآفرین محبوبہ بنا کے رکھنے لگا۔ ہلینا مسیحیہ ہو چکی تھی مگر اُس کے رومی نژاد شوہر کا مذہب وہی شرک کا پرانا مذہب بُت پرستی تھا۔ وہان اُس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کی ولادت کے ساتھ نجومیون نے وقلطیانوس قیصر سے کہا "یہ لڑکا عنقریب سارے روم کا مالک ہو جائے گا اور اہل روم کے مذہب کو بھی بدل دے گا۔" یہ سنتے ہی وقلطیانوس اُسکے خون کا پیاسا ہو گیا۔ باپ نے سوا اسکے اور کچھ نہ بن پڑا کہ بی بی کو مع بچے کے اُسکے میکے مین بھیج دیا۔ ہلینا اگرچہ اپنے مذہب پر مستقل تھی مگر اسکی جرأت اُسے مشکل سے ہو سکتی تھی کہ بیٹے کو بھی اپنے مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بچے کو باپ سے جدا اور ان کے وطن مین رہنے سے اور کچھ نہین تو اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اُس کے دل مین اگر مسیحیت کی نہین تو مسیحیون کی ایک گونہ محبت ضرور پیدا ہو گئی۔ چند روز بعد جب وقلطیانوس قیصر مر گیا تو اقبالمند بیٹا باپ کے پاس جا کے رہا۔

قسطنطین کلورس نے ہلینا کو یا تو اُس کی مسیحیت کی وجہ سے یا اور کسی بنا پر طلاق دے دی۔ اور مقسمیانوس ہرقل کی بیٹی سے عقد کر لیا۔ جس سے ہلینا مصیبت اور تنہائی مین پڑ گئی۔ مگر اپنے بچے کی اُمید پر مصیبت کے ایام بہر سکون سے کاٹتی رہی۔ اب یہ لڑکا رومی رواج کے مطابق اپنے باپ کے نام قسطنطین کا وارث ہوا۔ اور اپنے کارنامون اور اپنی بے نظیر کامیابیون اور اقبالمندیون کی بدولت قسطنطین اعظم کے لقب سے مشہور ہوا۔ اُس کا باپ اُس زمانے مین مغربی قلمرو روم کا حاکم تھا۔ اور اُسکے مرنے پر وہی اُس کی حکومت کا جانشین ہوا۔

ان دنون روم مین ایک ہی زمانے مین دو شہنشاہ رہا کرتے تھے - چنانچہ مغربی قلمرو روم کا حاکم قسطنطین تھا جو علاقہ گال (فرانس و جرمنی) مین رہتا - اور دوسرا فرمان روا مقسنطیوس تھا جو خاص رومۃ الکبریٰ مین تھا - دونون مین رقابت و عداوت بڑھتی گئی - اور قسطنطین اپنے لشکر کو روز بروز زیادہ زبردست اور مضبوط بناتا رہا - لیکن جس طرح خلافت عباسیہ مین امین اور مامون کے جھگڑون مین عرب اور بنی عباس امین کے طرفدار تھے اور عجمی مامون کو چاہتے تھے اور اُسے اپنا بھانجا کہتے تھے کیونکہ اُس کی مان مراجل عجمیہ تھی - اُسی طرح یہان روم مین رومی بُت پرست مقسنطیوس کے طرفدار تھے - اور مسیحی لوگون کو قسطنطین سے زیادہ محبت تھی جسے وہ اپنا بھانجا بتاتے کیونکہ اُس کی مان مسیحیہ تھی - قسطنطین نے دیکھا کہ جیسا سچا جوش اور صلیبی مستعدی و جان بازی آج کل عیسائیون مین ہے بُت پرستون مین نہین مسیحیون کی استمالت شروع کی - اور آسمان پر ایک نورانی صلیب دیکھ کے صلیبی جھنڈا بنایا جس کے آگے وہ دوڑ دوڑ کے مسیحی سر جھکا دیتے تھے - اس سے پیشتر مسیحیون نے صلیب کو اپنا دینی شعار نہین قرار دیا تھا - مگر قسطنطین کی روحانی آنکھون نے رومیون ہی کے مذاق کا ایک بُت آسمان پر دیکھ کے عیسائیون کو دکھایا - انھین دیکھتے ہی حضرت مسیحؑ کی شہادت و مصلوبی یاد آگئی - اور دوڑ دوڑ کے اُس کے آگے جوش و خروش سے سر جھکانے لگے - یہ ۳۱۲ء کا واقعہ ہے -

آخر قسطنطین صلیبی علم اور مسیحیون کا زبردست لشکر لیے ہوے رومۃ الکبریٰ پر چڑھ آیا - حریف کو شکست دے کے قتل کیا - اور لڑ بھڑ کے رومۃ الکبریٰ مین داخل ہوا - مگر یہان کے لوگون نے جو اپنے قدیم مذہب کے دلدادہ تھے اُسکا استقبال نہایت سرد مزاجی سے کیا - اور اُن سے وہ گرمجوشی نہین ظاہر ہوئی جس کو قسطنطین چاہتا تھا - یہ دیکھ کے اُسنے رومۃ الکبریٰ سے نفرت ہوگئی - اور مشرق کا سفر کر کے پرانے شہر بزنطیم مین آیا - اور اُسے خوب آباد کرنا شروع کیا - جس کا نام اُس ہی کی یادگار مین قسطنطنیہ قرار پایا -

اب قسطنطین ساری مملکت روم کا شہنشاہ تھا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکی

برابری کا دعویٰ کر سکے۔ اُس کی ماں جو باپ کے زمانے سے نکالی ہوئی تھی قصر شہنشاہی میں آ سکے "والدۂ سلطانہ" بنی جس کا قسطنطین نہایت ہی ادب احترام کرتا تھا۔ اور قسطنطنیہ میں آج تک جو یہ طریقہ جاری ہے کہ شہنشاہ کی ماں اصلی مالک سلطنت اور ملک بھر میں سب سے زیادہ واجب التعظیم تسلیم کی جاتی ہے غالباً یہ ہلینا ہی کے زمانے کی سنت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دین اسلام کے رُو سے بھی ماں کی ویسی ہی تعظیم ہونی چاہیے جیسی کہ قسطنطنیہ میں کی جاتی ہے لیکن کسی اور اسلامی سلطنت و مملکت میں بادشاہ کی ماؤں کو ویسا امتیاز نہیں حاصل ہوتا جیسا کہ وہاں دیکھا جاتا ہے۔

اب تخت و تاج حاصل کرنے کے بعد قسطنطین کو اپنا سب سے بڑا فرض نظر آتا تھا کہ عیسائیوں کے احسان کا معاوضہ کرے جن کی جاں بازی سے اُسے سلطنت ملی تھی۔ اس بارے میں اُسکی مشیر اُسکی ماں ہلینا ہی تھی جو کھلی مسیحیہ تھی۔

قسطنطین اعظم کی نسبت بعض لوگوں نے لکھ دیا ہے کہ وہ عیسائی ہو گیا تھا مگر اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ بیشک اُس نے عیسائیوں کی بے حد طرفداری کی۔ بیت المقدس میں جگہ جگہ اُن کے لیے کنیسے اور عبادت خانے تعمیر کرائے۔ سلطنت روم کے قوانین میں عیسائیوں کے متعلق جو سختیاں تھیں دُور کر دیں۔ اس سے بھی بڑھ کے یہ کیا کہ عیسائیوں کی حالت اُس وقت تک بالکل غیر منتظم تھی۔ ان کے عقائد و مسائل میں باہم سخت اختلافات پڑ گئے تھے قسطنطین نے نیقیہ میں عیسائیوں کی سب سے پہلی دینی کونسل منعقد کی جس میں ملکوں کے اُسقف اور پوپ شریک ہوئے اور قرار دیا گیا کہ ایک سچے مسیحی کیا عقائد ہونا چاہییں۔ اور تثلیث کا مسئلہ اسی کونسل نے طے کیا۔ اور جو موحد تھے اور تثلیث کے مخالف تھے ملحد و بے دین قرار دیے گئے۔ اس کونسل میں قسطنطین خود بھی شریک ہوا مگر اُسی طرح جیسے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں لفٹنٹ گورنر بہادر آ جاتے ہیں۔ باوجود عیسائیوں کی ایسی طرفداری کے رومیوں سے اپنے تعلقات منقطع نہیں کیے تھے سینٹ صوفیا جو آج کل اور اس سے پہلے کنیسہ تھی اسی قسطنطین کی بنائی ہوئی ہے جسے اُس نے مسجد

کے لیے نہین بلکہ علم کی دیوی کے مندر کی حیثیت سے تعمیر کرایا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیون نے تو قسطنطین کا نام اپنے سینٹون (ولیون) کی فہرست مین درج کر لیا اور بُت پرستون نے اُسے خوشی سے اپنا ایک دیوتا تسلیم کر لیا۔

بیت المقدس اور ارض فلسطین مین مسیحیون کے خوش کرنے کے لیے اُس نے جو کچھ کیا اپنی مان ہلینا کے ذریعے سے کیا۔ وہ ایک عقیدت کیش زائرہ کی وضع سے ادب و تعظیم کے ساتھ یہان آئی۔ جہان جہان حضرت مسیحؑ کے تشریف لیجانے کا حال سُنا یا جن جن مقامات سے آپ کا کچھ بھی تعلق ثابت ہوا وہان خود گئی۔ اور مناسب مقامات پر گرجے بنوائے۔ بیت اللحم مین آپ کے مولد پر کالوری کی پہاڑی پر یعنی آپ کے مقتل پر۔ نیز اُس مقام پر جسے عیسائی آپ کا مدفن بتاتے تھے بڑی بڑی عالیشان عمارتین بنوائین۔ اور جس قدر ان نئی زیارت گاہون کی طرف اُس نے توجہ کی اُسی قدر اصلی حرم یعنی مسجد اقصیٰ کی جانب سے بے پروائی کی گئی۔ اس لیے کہ ارض یہودا کے اصلی عیسائی جو اُسکی قدر کرتے تھے فلاکت زدہ تھے۔ اور رومی و یونانی عیسائیون کو اُس سے سخت عداوت تھی۔ کیونکہ جیسی آزادی وہ چاہتے تھے وہ اُس وقت تک نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی جب تک کہ یہود کی پُرانی شریعت اور قدیم چیزون کو کلیۃً ترک کر دیا جاتا۔

ہلینا یہان بڑی خوش اعتقادی کے ساتھ آئی تھی۔ صاحبزادے نے آسمان پر نورانی صلیب دیکھی تھی اب والدۂ محترمہ نے یہان پہونچ کے خواب مین زمین کے نیچے وہ اصلی صلیب دیکھ لی جس پر حضرت مسیح مصلوب کیے گئے تھے۔ چنانچہ اُس کے اشارے سے کالوری کی پہاڑی پر کھودا گیا تو زمین کے اندر سے تین صلیبین برآمد ہوئین۔ حضرت مسیحؑ کے ساتھ دو ڈاکو بھی مصلوب کیے گئے تھے۔ لہذا اس بات کا تو یقین ہو گیا کہ یہ وہی تینون صلیبین ہین مگر اس کا فیصلہ کرنا باقی تھا کہ ان مین سے کون صلیب حضرت عیسیٰؑ والی ہے اور کون ڈاکوؤن والی ہین۔ آخر خوش اعتقادی نے اس کا بھی تصفیہ کرا دیا۔ ان تینون صلیبون مین سے ہر صلیب باری باری ایک مریض کے سرہانے رکھی گئی۔ اور جس صلیب کی باری مین وہ مریض اچھا ہو گیا سمجھ لیا گیا کہ وہ اصلی صلیب

جس پر حضرت مسیح لٹکائے گئے تھے یہی ہے۔ یورپ میں اس صلیب کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور اس کے لیے بڑی بڑی خون ریزیاں ہوئیں۔ اس کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے بعض معزز زائرین کو دیے جاتے جو یورپ کے اکثر گرجوں میں اصلی صلیب کے نام سے قائم کیے جاتے اور اُنکے سامنے لوگ جا جا کے سجدہ کرتے۔ آخر یورپ میں اتنی صلیبیں بن گئیں کہ اگر وہ ایک جگہ جمع کی جائیں تو پورے جنگل کی لکڑیوں سے بھی اُن کی تعداد زیادہ ہوتی۔

الغرض یہ ہلینا ہی کے حسن کا کرشمہ تھا جس نے قلمرو روم میں مسیحیوں کو امن و امان دلوائی۔ اور چند روز بعد دولت روم کو مسیحی دولت بنا دیا بیت المقدس میں صدہا عالیشان گرجے تعمیر کرائے۔ اور آخر یورپ سے پرانے دین کو بالکل مٹا دیا۔ وہ جیسا ہم بیان کر چکے ہیں سنہ ۲۴۸ء کے قریب پیدا ہوئی تھی سنہ ۲۷۴ء میں جبکہ اُس کی عمر ۲۶ برس کی تھی اُس کے بطن سے قسطنطین اعظم پیدا ہوا۔ سنہ ۳۲۶ء میں جبکہ وہ ۷۸ برس کی تھی بیت المقدس کی زیارت کو آئی۔ اور یہاں کے گرجے بنوائے۔ اور سنہ ۳۲۸ء ۸۰ برس کی ہوکے دنیا سے رخصت ہو گئی۔

وہ عیسائیوں کی ملکہ استیر تھی۔ جس طرح یہود کو ایک یہودیہ لڑکی کے ملکہ بنجانے سے اسیری میں عروج حاصل ہو گیا تھا ویسے ہی ہلینا کے ملکہ بنجانے سے مسیحیت کے دن پھرے۔ دن ہی نہیں پھرے بلکہ عقیدے بھی درست ہوئے کیونکہ عیسائیوں کے مذاق کی اصلی مسیحیت وہی ہے جو نیقیہ کی کونسل میں یعنی مسیحیت اور ذریعۂ نجات قرار پائی۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ہلینا نہ ہوتی تو وہ کونسل بھی نہ ہوتی۔ اور وہ کونسل نہ ہوتی تو شاید عیسائیوں کو اس کے تسلیم کرنے میں عذر نہ ہوگا کہ سچا دین اور سچی صراط مستقیم نہ ہو گئی تھی۔ لیکن ہمیں افسوس کہ مسیحی اسی کونسل اور اسی ملکہ کی وجہ سے سچی توحید کی برکتوں سے محروم ہو گئے!۔

اولغا (ملکہ روس)

روس کی ملکہ کیتھرائن کا نام بہت مشہور ہے جو شہنشاہ پطرس اعظم کی لڑکی

اور اُس کے بعد وارثِ تاج و دیہیم ہوئی تھی - اور جس کے حالات ہم دلگداز کے صفحون پر بیان کر چکے ہیں - مگر اس سے بہت پہلے سلطنت مذکور کے ابتدائی زمانے میں ایک اور ملکہ گذری ہے - جس کے کارنامے کیتھرائن کے کارناموں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں - اور در اصل اُسی کے زمانے سے سلطنت روس کا ستارہ چمکا اُس کا نام دنیا میں مشہور ہوا - اور تہذیب و تمدن کی بنیاد پڑی - یہ مندرجہ عنوان ملکہ اَولغا تھی جو تیسرے بلکہ دراصل دوسرے تاجدار روس اگور کی ناز آفرین بی بی اور ملک کی محبوبۂ عام ملکہ تھی -

سلطنتِ روس کے آغاز کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ بحر اسود کے شمالی اور یورپ کے مشرقی و شمالی علاقے میں قدیم الایام اور شہر رومۃ الکبریٰ کی بنیاد پڑنے سے بھی پہلے سلاوی نام ایک قوم رہتی تھی جن لوگوں کی بت پرستی سب سے جدا اور جنکی زبان یونانی سے ملتی جلتی تھی - اس قوم کے بہت سے غول اور گروہ دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے اور بہادری میں شہرت رکھتے تھے - ان لوگوں کے گرد بوش کا سلسلہ شمالی حصۂ ربع مسکون میں ترکوں اور مغلوں کے غولوں سے آملا تھا - اُنھیں میں سے ایک گروہ کے سردار و سرگروہ رُورِک نے متعدد سلاوی گروہوں اور قبیلوں کو اپنے ماتحت کر کے ایک چھوٹی سلطنت قائم کی جو کہ سلطنت روس کے نام سے مشہور ہوئی - صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس قوم نے اپنی سلطنت کے لیے رُوس کا نام کیوں اختیار کیا - اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں مگر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ان لوگوں کے معبودوں میں "رُوسالکی" نام حسین و نازک اندام پریاں تھیں جو سمندر اور جنگل کی دیویاں مانی جاتی ہیں - اُنکی نہایت ہی خوبصورت اور دلفریب بُت پرستہ مورتیں بنا کے شوالوں میں رکھی جاتی تھیں اور اُن پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں - غالباً انھیں کے نام سے اس قوم نے اپنا نام ماخوذ کیا -

رُورک نے قوم کا بادشاہ مقرر ہوتے ہی شہر نوغراد پر قبضہ کر لیا - اور اُسی کو اپنا مرکزِ فرمان روائی قرار دیا - ۸۶۲ء میں اس نئی سلطنت کی بنیاد پڑی تھی اور اُس کے سترہ برس بعد ۸۷۹ء میں پہلے فرمان روا رُورک نے سفر آخرت کیا

جبکہ بغداد کے سریر خلافت پر معتضد علی اللہ پندرہوان خلیفۂ عباسی جلوہ افروز تھا اور یونانی قلمرو روم پر لیو وی سیج (لیو۔ ایب) کی حکومت تھی۔

زدرک کے مرنے کے وقت چونکہ اُس کا بیٹا اَغور نابالغ بچہ تھا اس لیے اُسکے ایک زبردست سردار اَولغ نے اغور کو تخت پر بٹھا کے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔ اَولغ نے ایسے زور و شور سے حکومت کی اور رعایا اور نیز شاہی خاندان کو اُس پر ایسا بھروسا تھا کہ ۳۲ سال تک حکومت کرتا رہا۔ اور اَغور نے بالغ ہونے پر بھی کسی قسم کی مخالفت یا سلطنت کی ہوس نہین ظاہر کی۔ یہان تک کہ جب سنہ ۹۱۲ء مین وہ مرا تو اصلی تاجدار اَغور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی۔

اسی اغور کی بی بی ملکہ اَولغا تھی۔ جو شہر سکوف کے قریب کسی گمنام گاؤن مین پیدا ہوئی تھی۔ اور غریب و فلک زدہ ماں باپ کے آغوش مین فلاکت و مسکنت کے ساتھ پلی تھی۔ مگر حسن و جمال اس بلا کا تھا کہ اونچے اونچے امیرون کی نظر پڑتی تھی۔ جو دیکھتا تیر نظر کا گھائل ہو جاتا۔ یہان تک کہ اُس کی چشم فتان اور زلف پیچان نے قوم کے سرتاج بادشاہ اَغور کو اپنا اسیر گیسو بنا لیا۔ چنانچہ اَغور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لینے سے دس برس پہلے سنہ ۹۰۲ء مین اُس کے ساتھ شادی کر کے اُسے اپنی ملکہ اور اپنا شریک سلطنت بنا لیا۔

اَغور اچھا بادشاہ نہ تھا۔ بے انتہا بخیل تھا۔ اور دولت کی ہوس اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ قوم اور رعایا مین ہر دلعزیز نہ رہ سکا تھا مگر ملکہ اَولغا کے اچھے اخلاق، اُس کی نیک نفسی و فیاضی۔ اُس کی محبت بھری باتون اور رعایا کے حال پر اُس کی عنایتون نے بی بی کی وجہ سے شوہر کو بھی بہت کچھ نیکنام کر دیا اور جب اُس نے عنان فرمانروائی اپنے ہاتھ مین لے لی تو اَولغا کی ذہانت و ذکاوت اور انتظامی قابلیت کے جوہر کھلنا شروع ہوے۔ اور وہ ساری قوم کی محبوبہ بن گئی۔

اغور نے ایک سرکش قوم "ڈریولیان" پر فوج کشی کر کے اُسے مطیع فرمان اور باجگزار بنایا۔ اس کو چند ہی روز گذر سکے تھے کہ پھر اُسی قوم پر چڑھائی کی اور پہلے سے دُونا خراج طلب کیا جسے اُن لوگون نے جبر و قہر ادا کیا۔ دولت

سے لدا پھندا قائم و سالم شہر کیف مین آکے ٹھہرا۔ اور دل مین خیال کیا کہ مین نے ان لوگون سے ابھی کم رقم وصول کی ہے اور لینا چاہیے۔ پھر اُن کمزور غریبون پر چڑھ گیا۔ اور جتنا پہلے وصول کیا تھا زبردستیان کرکے دوبارہ وصول کیا۔ جب یہ رقم بھی ادا ہو گئی تو دل مین کہا "ابھی ان کے پاس بہت کچھ باقی ہے مجھے اور لینا چاہیے"۔ اور کہلا بھیجا کہ "یہ کافی نہین ہے۔ اتنی ہی رقم اور دو"۔ ان باتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن لوگون کو بظاہر تو انکار کی مجال نہ تھی۔ مگر دل مین دشمن ہو گئے۔ اور موقع ڈھونڈھنے لگے کہ کب اور کس طرح اُسکے مظالم سے اپنی جان چھڑائین؟ آخر اُنھین موقع مل ہی گیا۔ ایک بار اِگور اپنی فوج سے جدا چند خاص رفیقون کے ساتھ تھا کہ ڈریولیان لوگ ناگہان آپڑے۔ اُس کے چند رفقا کو چُن چُن کے مار ڈالا اور خود اُسے پکڑ کے ایسی بُری طرح مارا کہ اُس کے قتل کا واقعہ عبرت روزگار ہے۔ دو درختون کے جو قریب قریب تھے دو ٹہنے کھینچ کھینچ کے قریب کیے۔ پھر ایک مین اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤن اور دوسرے مین دوسرا ہاتھ اور پاؤن مضبوط باندھ کے اُن ٹہنون کو چھوڑا تو وہ اپنی اپنی طرف کھنچے اور اُس کے جسم کے بیچ سے پیٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے جو الگ الگ دونون درختون مین جا لٹکے۔ اس طرح جان لے کے اُس کے جسم کے دونون ٹکڑے زمین مین گاڑ دیے اور اُن پر قبر کی حیثیت سے ایک تودہ بنا دیا۔

یون ۳۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۹۵ء مین اِگور کی زندگی کا چراغ گُل ہوا۔ اُس کا بیٹا چونکہ نابالغ تھا اسلیے ملکہ اولغا نے شوہر کے ماتم سے فراغت کرنے کے بعد سریر شہریاری پر قدم رکھا۔ جبکہ بغداد مین مطیع عباسی خلیفہ المطیع للہ کی اور قسطنطنیہ مین قسطنطین پورفیروجنیطوس الملقب بہ مورخ کی حکومت تھی۔ اولغا چونکہ بڑی ذہین دانا اور نیک نفس و نیک کردار عورت تھی اس لیے اُس نے بڑی ہی قابلیت اور شایستگی سے حکومت شروع کی۔ لیکن دل مین انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور بیقرار تھی کہ اپنے آنجہانی شوہر کے خون کا بدلہ کیونکر لون؟ اسی اُدھیڑ بن مین لگی تھی کہ ڈریولیان لوگون کے سردار کی

طرف سے بیس منتخب معزز سفیرون کا ایک ڈپوٹیشن آیا۔ اور اُسے شادی کا پیام دیا۔

اگور کو قتل کرکے ڈریولیان لوگون کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ چاہتے تھے کہ پوری قلمرو روس کے مالک بن جائین۔ جس کی مناسب ترین تدبیر اُن کے سردار کے ذہن مین یہ آئی کہ مین ملکہ اولگا سے شادی کر لون۔ اگرچہ اولگا کی عمر اب زیادہ ہو چکی تھی۔ وہ دلیری وناز آفرینی کا زمانہ گذر گیا تھا۔ تاہم گذشتہ حسن کی چند کرنین اب بھی اُس کے خوبصورت چہرے سے نمودار تھین۔ جنھون نے سلطنت کی ہوس مین مل کے ڈریولیان لوگون کے سردار کو از خود رفتہ کر دیا۔ اور وہ اپنی حالت وحیثیت کو بالکل بھول گیا۔

اس سفارت پہ ملکہ اولگا بہت برہم ہوئی۔ مگر چونکہ عقلمند اور انجام پر خوب نظر رکھتی تھی اپنے غیظ وغضب کو دل ہی مین دبایا۔ اور اُن سے کہا "تمھارا پیام مین خوشی سے قبول کر دون گی۔ مجھے تو خود ہی اس کی تمنا تھی۔ مگر تم جس کشتی مین آئے ہو اُسی مین جا کے ٹھیرو۔ مین اپنے اُمرا و وزرا سے مشورہ کر لون اور اس کے بعد اُنھین کل صبح کو تمھارے پاس بھیجون گی کہ تمھین قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم سے میرے قصر مین لائین۔ اور مین باضابطہ طور پر تمھاری درخواست کو قبول کر لون۔ مگر اتنا خیال رہے کہ تم سوا اُنکے کندھون پہ سوار ہو کے آنے کے اور کسی طرح اور کسی سواری پہ نہ آنا تاکہ تمھارا رعب اُن پر خوب بیٹھ جائے" اس جواب سے نہایت محظوظ ہو کے وہ لوگ اپنی کشتی مین واپس گئے۔

صبح کو اُنھین زیادہ انتظار نہین اٹھانا پڑا تھا کہ امرائے روس اُن کے استقبال کو پہونچے اور کہا "بسم اللہ تشریف لے چلیے۔ حضور ملکہ نے یاد فرمایا" اُن سفیرون نے کہا "مگر ہم نہ گھوڑون پہ [illegible] جائین گے اور نہ کسی اور سواری پر ہم تو خود تمھارے کندھون پر بیٹھ کے چلین گے" روسی امیرون نے کہا "اچھا آپ کو اس مین اصرار ہے تو ہمین کیا عذر ہو سکتا ہے۔ ہم تو آپ کی خاطر داری اور اپنی ملکہ کے حکم کو پورا کرتے ہیں" یہ کہہ کے سب نے پیٹھین جھکا دین اور

کہا "آیئے بیٹھیے" یہ بیسوں آدمی اُنکے شانوں پر سوار ہوے اور وہ اُنھیں قصر شاہی کی طرف لے چلے۔ لیکن قصر کے پاس پہونچ کے بجاے اسکے کہ پھاٹک کے اندر داخل ہوں اُنھیں محل کے پچھواڑے لے گئے اور وہاں ایک غار میں جو اسی غرض کے لیے رات ہی کو ملکہ کے حکم سے کھدوا رکھا گیا تھا پھینک دیا۔ پھر اُوپر سے مٹی ڈال کے اُنھیں زندہ دفن کر دیا۔

اب ملکۂ اولغا کو اُن لوگوں سے انتقام لینے کا موقع مل گیا تھا۔ ان سفیروں کا کام تمام کرتے ہی ڈریولیان لوگوں کے پاس اپنے چند ہوشیار افسر بھیجے جنھوں نے اُن لوگوں کے سردار سے کہا "ہماری ملکہ کو آپ سے شادی کرنا خوشی سے منظور ہے۔ آپ کے سفیر جو گئے ہیں قدر و منزلت سے وہاں مہمان رکھے گئے ہیں۔ اور ملکۂ محترمہ چاہتی ہیں کہ آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجیے تاکہ وہ اُنھیں دھوم دھام اور تزک و احتشام سے یہاں لے آئیں۔ کیونکہ بغیر کر و فر اور اعلیٰ درجے کے جلوس کے وہ اپنے شہر سے باہر قدم نہیں نکال سکتیں۔ ڈریولیان لوگوں کا سردار تو ہوس ملک گیری اور اولغا کے عشق میں از خود رفتہ ہو رہا تھا فوراً اپنے کل معزز سرداران فوج کو حکم دے دیا کہ جاؤ ملکۂ اولغا کو نہایت ہی قدر و منزلت اور شاہانہ شان و شوکت سے لے آؤ" یہ لوگ اِن روسی سفیروں کے ساتھ نوغراد میں پہونچے۔ جہاں اُن کا بہت کچھ استقبال کیا گیا۔ اور اسکے بعد وہ حمام میں بھیجے گئے تاکہ غسل کر کے ملکۂ اولغا کی خدمت میں باریاب ہوں۔ جیسے ہی حمام میں داخل ہوے اُس کے دروازے باہر سے بند کر دیے گئے اور آگ تیز کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی لمحوں میں سب کے سب حمام کے اندر گھٹ گھٹ کے مر گئے۔

یوں بڑی سہولت کے ساتھ اِن لوگوں کو نذر اجل کر کے اولغا نے خود روانہ ہونے کی تیاریاں کر دیں۔ اور ایک قاصد کو آگے بھیجا جس نے تیزی کے ساتھ جا کے ڈریولیان کو مژدہ سنایا کہ "ملکۂ اولغا روانہ ہو چکیں۔ آج ہی کل میں پہونچا چاہتی ہیں۔ وہ پہلے اپنے شوہر کی قبر پر ماتم و نوحہ خوانی کریں گی۔ پھر آپ سب صاحبوں کو ایک دعوت دینگی۔ جس کے بعد شادی کے رسوم عمل میں

آئیں گے۔"

یہ خوشخبری سنتے ہی سردار ڈریولیان کی یہ حالت ہوئی کہ جامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ساری قوم کو لے کے استقبال کے لیے شہر کے باہر آیا۔ بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ ملکہ اولغا سے ملا۔ لیکن خلاف توقع اُس کے ہمراہ اپنے ایک سردار کو بھی نہ دیکھ کے پوچھا "میرے وہ سردار کہاں ہیں؟" جواب ملا کہ "وہ پورے لشکر روس کے ساتھ پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔" اس جواب پر وہ مطمئن ہو گیا۔ اور اولغا نے اپنی قرارداد کے مطابق پہلے اپنے شوہر ایگور کی قبر پر نوحہ خوانی کی۔ ماتم کیا۔ جی بھر کے روئی۔ اور اپنی قیامگاہ میں آکے دعوت کا سامان کیا۔ یہ دعوت نہایت ہی پر تکلف اور شاندار تھی تمام ڈریولیان لوگ حسب مرتبہ قدر و منزلت سے بٹھائے گئے۔ دسترخوان چنا سب نے لذیذ غذائیں تناول کیں۔ سیر ہو کے کھایا۔ اور شراب کے دور چلنے شروع ہوئے۔ عمدہ قیمتی اور تیز شرابیں مہیا کی گئیں جن کے زیادہ تیز کرنے کے لیے کیا عجب کہ اُن میں اور بھی مختلف نشی اجزا ملا دیے گئے ہوں۔ کیونکہ دو چار جام میں جتنے تھے مدہوش و از خود رفتہ تھے۔ اور شور مچا ہوا تھا کہ

دور چلے دور چلے ساقیا   اور چلے اور چلے ساقیا

عین اسی حالت میں کہ کسی کو سر و پا کا ہوش نہ تھا۔ اور ملکہ اولغا لوگوں کی خود رفتگیوں کا تماشا دیکھ رہی تھی "ناگہان روسی سپاہی نیزے اور تلواریں لیے ہوئے ان لوگوں پر جھک پڑے۔ ڈریولیان لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ بھاگ سکتے تھے مگر بھاگنے کے قدم نہ تھے۔ اُٹھ اُٹھ کے گرتے تھے اور قتل ہوتے تھے چند لوگوں کا نشہ ہرن ہو گیا تھا وہ تو اپنے سردار کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے باقی پانچ ہزار آدمی اُسی جگہ کاٹ کے ڈال دیے گئے۔

اس طریقے سے اولغا نے ڈریولیان لوگوں کی قوت بالکل توڑ دی اُنھیں حیران و پریشان اور ترساں و لرزاں چھوڑ کے اپنے شہر میں واپس آئی ایک برس گذر گیا اور ڈریولیان لوگوں کو سوا خاموش بیٹھے رہنے کے کسی کی جرأت نہیں ہوئی۔ اولغا کے سینے میں ابھی تک انتقام کی آگ بھڑک

تھی - دوسرے برس اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کے سپاہ روس کی سپہ سالاری کرتی ہوئی اولغا ڈریولیان پر چڑھ آئی - ڈریولیان کو مقابلے کی جرأت نہیں ہوئی اپنے قلعے میں جا کے بیٹھ رہے اور پھاٹک بند کر لیے - ملکہ اولغا نے فوراً قلعے کا محاصرہ کر لیا - اور بڑی بہادری سے اپنے لشکر کو لڑاتی اور قلعے پر دھاوے اور حملے کرتی رہی - مگر قلعہ نہایت ہی مضبوط تھا - ہزار کوشش کی کچھ بھی زور نہ چل سکا - اور ڈریولیان قسم کھا گئے تھے کہ چاہے بھوکے پیاسے مر جائیں مگر قلعے کا دروازہ نہ کھولیں گے - خلاصہ یہ کہ محاصرے کو ایک مدت گذر گئی اور فوج روس کے کچھ بنائے نہ بنی -

اب ملکہ اولغا نئی تدبیروں میں مصروف ہوئی جو عورتوں کے لیے خاص ہیں - اور جن سے اکثر عورتوں نے بڑے بڑوں پہ فتح پائی ہے - اُس نے قلعے والوں کے پاس ایک سفیر کے ذریعے سے کہلا بھیجا کہ "کیا ارادہ ہے؟ اب کیا تم نے دل میں یہی ٹھان لی ہے کہ قلعے میں پڑے سڑا کرو؟ اور فاقے کر کر کے مر جاؤ؟ مانا کہ تمھارا قلعہ مضبوط ہے مگر رسد کا کیا انتظام کرو گے؟ اور یہ بھی سہی - مگر کب تک؟ میں نے بھی قسم کھا لی ہے کہ بے فتح کیے نہ جاؤں گی - ہاں اگر تم صلح پر آمادہ ہو تو میں نہایت ہی آسان شرطوں پر تمھارا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں - اور ایسا خراج قبول کروں گی جو محض برائے نام ہو گا اور جس کا تم پر بار نہ پڑے گا - فقط اتنا چاہتی ہوں کہ تم میں سے ہر شخص اپنے گھر سے تین کبوتر اور تین گرگریاں (خانگی چڑیاں) پکڑ کے میرے پاس بھیج دے - جن سے تمھاری اطاعت کا اظہار ہو جائے گا - اور میں اس معمولی اور بے آزار خراج کو لے کے چلی جاؤں گی" ڈریولیان لوگوں کے سرداروں نے یہ پیام سُن کے کہا "یہ کون سی مشکل بات ہے؟ اگر ملکہ ایسی نہایت آسان شرط پہ صلح کرنے کو آمادہ ہیں تو ہم خوشی سے اُن کی اطاعت قبول کرتے ہیں - اور عنقریب ہر گھر سے کبوتر اور چڑیاں پکڑوا کے نذر کر دیں گے" وہ ہی تین دن کے اندر کبوتر اور چڑیاں اولغا کے ملاحظے میں پیش کر دی گئیں -

ملکہ نے اس عجیب و غریب خراج کے وصول ہوتے ہی حکم دیا کہ جتنے کبوتر

اور چڑیاں ہیں اُتنے ہی کھینچے اور گنبد تیار کر کے تیل میں ڈبوئے جائیں اور پھر اُن
کبوتروں اور چڑیوں کی دُموں میں تاروں وغیرہ کے ذریعے سے باندھ دیے
جائیں۔ سپاہیوں نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ سرشام ہی وہ کھینچے اور گنبد
مشعلوں کی طرح روشن کر دیے گئے اور ملکہ کے حکم سے وہ تمام کبوتر اور چڑیاں
فوراً چھوڑ دی گئیں۔ جن کے اُڑتے ہی آسمان پر ایک عجیب قسم کی آتشبازی
کا تماشا نظر آیا۔ اور معلوم ہوا کہ لشکر روس سے ہزارہا ہوائیاں چھوٹ رہی ہیں
اور آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ جس تماشے کے دیکھنے کے لیے ڈریولیان لوگ
اپنے کوٹھوں اور قلعے کے برجوں پر چڑھ آئے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب
وہ کبوتر اور چڑیاں اپنے گھروں اور آشیانوں کی تلاش میں قلعے کی طرف
آئے اور اُترنے لگیں تو جہاں بیٹھیں اور جس گھر میں آئیں اُس میں آگ
لگا دی۔ ڈریولیان مبہوت و بدحواس کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ قلعے کے ہر کونے
اور آبادی کے ہر گھر سے شعلے بلند ہونے لگے۔ عورتیں اور بچے بلبلا بلبلا کے
گھروں سے باہر نکل پڑے۔ اور آخر آگ یہاں تک بڑھی کہ قلعے کے اندر کسی کو
پناہ نہ مل سکتی تھی اور سوا اجل کے مر جانے کے کوئی مفر نہ تھا۔ گھبرا کے قلعہ کے
پھاٹک کھول کے باہر نکلے اور ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔
یہ دیکھ کے ملکہ اولغا نے فوراً حملہ کر دیا۔ روسی سپاہی ہر طرف سے اُن پر
ٹوٹ پڑے۔ جو جدھر جاتا مارا جاتا تھا۔ اس طرح ہزارہا ڈریولیان لوگ مارے
گئے اور اُن کی پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔ اولغا نے اُن کا خوب اچھی طرح
قلع قمع کرنے کے بعد جب دیکھا کہ اب قلعے میں جو کچھ تھا جل چکا تو اس تباہ شدہ
قلعے کو اپنے قبضے میں کیا۔ اور اس سرکش گروہ میں ذرا بھی قوت نہیں باقی
رکھی کہ کبھی سر اُٹھا سکے۔
اس کے بعد وہ غانم و سالم شہر کیت میں ہوتی ہوئی اپنے شہر نوغازین پہونچی
اور سپاہیوں کو انعام و اکرام تقسیم کیا۔ اولغا نے اُن لوگوں سے اگرچہ نہایت
بے رحمی۔ سفاکی۔ اور مکاری کے ساتھ انتقام لیا مگر اس کے بعد پھر کسی امر میں اُس
سے کسی قسم کی سنگدلی اور بے رحمی نہیں ظاہر ہوئی۔ دارالسلطنت میں واپس آنے

کے بعد اُس نے بڑی عقلمندی اور عدالت گستری سے حکومت کی۔ اور تمام رعایا کے دل اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

اب اُس کی زندگی کا دوسرا رخ نمودار ہوا۔ کیونکہ وہ بہادر۔ مدبر و ذی ہوش ہونے کے علاوہ دین کی بڑی پابند اور نہایت ہی عابد و زاہد بھی تھی۔ دینِ عیسوی سارے یورپ میں پھیل چکا تھا۔ اپنی بت پرستی کو ملکہ اولگا اپنی قوم کی جہالت و بے عقلی کا نتیجہ خیال کرتی تھی۔ اور قوم روس محسوس کر رہی تھی کہ متمدن بننے کے بعد اُسے کسی اعلیٰ درجے کے متمدن مذہب کے اختیار رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاہم ابھی اُس کو تھوڑا زمانہ باقی تھا کہ قوم روس مذہب عیسوی کو اختیار کرے۔ مگر ملکہ اولگا کو اپنی قدیم بت پرستی کے عیوب نظر آ گئے تھے۔ اور ملتِ مسیحیہ کے قبول کرنے کے لیے بیتاب تھی۔ مگر اُس کے خیال میں یہ مناسب نہ تھا کہ میں جو قوم کی حکمران اور فرمان روا ہوں پرانے مذہب کو چھوڑ دوں اور قوم اپنی قدیم حالت پر برقرار رہے۔ اس لیے سنہ ۹۵۵ء میں جب سلطنت کو اُس نے خوب مضبوط اور دشمنوں اور خطروں سے صاف کر دیا تھا عنانِ حکومت اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دے دی۔ اور خود تختِ شاہی سے اُتر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئی۔ اب اُس کا بیٹا تو اپنے مذہب کا پابند رہا مگر وہ خود آمادہ ہوئی کہ دینِ مسیحی اختیار کر کے باقی زندگی ریاضت و نفس کشی میں صرف کر دے۔ چنانچہ سلطنت بیٹے کو سپرد کرتے ہی اُس نے قسطنطنیہ کا سفر کیا جو کہ اُن دنوں مسیحی فرقوں میں سے کلیسائے یونان والوں کا مرکز تھا۔ وہاں کے کنیسہ سینٹ صوفیا کی عظمت و شوکت زوروں پر تھی۔ اور اسی شان و شوکت نے اولگا کو اس مذہب کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ وہاں کے مقتدائے اعظم (پٹریارک) نے اُسے بپتسمہ دے کے اُس کا مسیحی نام "ہلین" قرار دیا۔ اور اُسے نہایت ہی عزت کے ساتھ تاجدارِ روم پورفیروجینی طوس ملقب بہ مورخ کے دربار میں پیش کیا۔

قسطنطنیہ سے واپس جا کے وہ گوشۂ عزلت میں بیٹھ گئی۔ اور عبادت و ریاضت میں اس قدر مصروف ہوئی کہ کلیساؤں نے اُسے سینٹ (ولیہ) کا لقب دیا۔ اس زمانے میں اُس نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ اپنے بیٹے فرمانروائے روس

کو دین عیسوی کا پیرو بنا لے۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بیٹے نے اپنے قدیم مذہب سے دست بردار ہونا نہیں گوارا کیا۔

آخر اسی عبادت و ریاضت اور رہبانیت و نفس کشی میں اس نے ۱۶۷۹ء میں دنیا کو رخصت کیا۔ اور مسیحیوں کے اصول کے مطابق دفن ہوئی۔

میڈم ڈی اسٹائل

اس خاتون کا پورا نام "این جرمن ڈی اسٹائل" تھا۔ "این" دراصل عبرانی نام ہے جس کا تلفظ اس زبان میں تو حنہ تھا مگر فرنگستان کے مغربی تصرفات نے اسے بگاڑ کے "این" بنا دیا ہے۔ یہ خاتون ملک فرانس کی ایک معزز اور صاحب اثر عالمہ و فاضلہ اور مصنفہ گران پایہ تھی۔ اس کا باپ "نیکر" شاہ فرانس لوئی شانزدہم کے دربار میں وزیر خزانہ کی معزز خدمت پر سرفراز تھا۔ شہر پیرس میں ۱۷۶۶ء میں وہ پیدا ہوئی۔ باپ کی امارت اور خوش مذاقی سے اُسے نہایت اعلیٰ درجے کی تعلیم پانے اور بہت ہی نکھرا شایستہ مذاق حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ جس کی بدولت تعلیم سے فارغ ہوتے ہی اس نے قابلیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا شغلہ اختیار کیا۔ کئی ڈراما اور ناول تصنیف کیے جو ملک میں قدر کے ہاتھوں سے لیے اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آخر اس کے عنفوان شباب۔ حسن و جمال اور اس کے ساتھ اُس کے علمی مذاق نے سوئٹزرلینڈ کے سفیر متعینہ دربار فرانس "بیرن ڈی اسٹائل ہولسٹین" کو اس کے جمال و کمال کا ایسا دیوانہ بنا دیا کہ با وجود بہت سن رسیدہ اور معمر ہونے کے اُس نے خوشامد درآمد کر کے اور اطاعت و فدائیت کے لمبے چوڑے وعدے کر کے آخرکار "این" کا سادہ اور بھولا دل جیت ہی لیا۔ اور شادی ہو گئی جیسی وہ دولہا جس قدر معمر تھا اسی قدر دولہن کمسن اور بچہ تھی۔

شادی کے بعد ۱۷۸۸ء میں جبکہ "این" کی عمر بائیس ہی برس کی ہونی چاہیے اُس کی کتاب "روسوں کی تحریروں اور اُسکے خصوصیات پر چند خطوط" شایع ہوئی جس نے فرانس کی پبلک پر بے انتہا اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اسی کتاب کی وجہ سے وہ

فرانس کی ایک مقبول عام مصنفہ بن گئی۔

اس کے بعد جب حکومتِ فرانس مین انقلاب ہوا اور آزادی کی دلدادہ رعایا نے اپنے تاجدار اور حکمران کے مخالف ہوکے سرتابی و بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تو دیگر امرا و عہدہ داران سلطنت کی طرح اِس شایستہ خاتون کے والدین بھی مملکت فرانس سے خارج کیے گئے مگر وہ خود چونکہ ایک ایسی سلطنت کے سفیر کی بیاہی تھی جس سے آزادی پسند اور مدعی جمہوریت فرانسیسی پیپلو سے دوستانہ تعلقات تھے اس لیے اُسے پیرس مین رہنے کی اجازت دی گئی۔ اس انقلاب مین وہ ابتداءً آزادی کے دعویداروں کی ہمدرد تھی۔ اور اس انقلاب و بغاوت کو نہایت پسند کرتی تھی۔ لیکن جب اُس نے فرانس کے شاہی خاندان کی تباہی و بربادی دیکھی اور یہ نظر آیا کہ شاہزادوں اور اُن کے اعزا واقارب کے ساتھ کیسا بہیمیت کا سلوک کیا جاتا ہے تو اُس کے دل مین خوفِ خدا پیدا ہوا۔ اور اُس کے ساتھ ہی وہ مدعیان آزادی کی بے اعتدالیوں اور دست درازیوں کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی۔ اب شاہی خاندان کی ہمدردی کا خیال اُسکے دل مین اس قدر جوش زن ہوا کہ نہایت جرأت سے کام لے کے اپنی کتاب "ملکہ کے مقدمے پر نظر" کمال آزادی اور بیباکی کے ساتھ چھپوا کے شایع کر دی۔ جس مین ملکہ میری انٹوانٹ کی جانبداری کی تھی اور اُس کی بیگناہیوں کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی اشاعت سے لوگ اس قدر برافروختہ ہوے اور اس طوفانِ بے تمیزی کے دور مین اُسے اپنے متعلق ایسے خطرے اور اندیشے معلوم ہوے کہ سوا جلا وطنی اختیار کرنے کے بچاؤ کی اور کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ فرانس کو چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

اس کے بعد جب "ڈائرکٹری" (مجلس حکومت) قائم ہوگئی اور فرانس کی بدامنی کا زمانہ ختم ہوا تو وہ پھر پیرس مین آ گئی۔ اب اُسے پالیٹکس سے بڑا شوق تھا۔ پوری پوری اسٹیٹسمین بنی ہوئی تھی۔ حکومت و تمدن کے حلقوں مین اُس کا بیحد اثر تھا۔ اور مجلس حکومت کے ارکان مین جیسے خیالات یا جو پالیسی چاہتی پھیلا دیتی۔ اپنی دانائی و ذہانت سے وہ نپولین کے اصلی مقاصد و

و اغراض کو پہلے ہی سمجھ گئی تھی - اور ملک مین اُسے سب سے زیادہ خطرناک شخص خیال کرتی تھی - جس کی وجہ سے نپولین بونا پارٹ اپنی اُلوالعزمی بلند حوصلگی کے راستے مین اُسے ہمیشہ مزاحم پاتا - اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے وہ جتنی باتین کرتا اور جو تدبیرین سوچتا اُن کو وہ سخت نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی اور لوگون کو مخالفت پر آمادہ کر دیتی - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کامیاب سپہ سالار فرانس نپولین بونا پارٹ جیسے ہی کونسل اول یعنی مدار المہام سلطنت مقرر ہوا - عہدے کا چارج ہاتھ مین لیتے ہی اُس نے سب سے پہلے جو احکام جاری کیے اُن مین ایک یہ بھی تھا کہ "میڈم ڈی اسٹائل (ایں) شہر پیرس سے خارج البلد کر دی جائے" اس حکم مین نپولین نے اس خاتون کی نسبت کمال تہذیب سے یہ الفاظ لکھے تھے "اس حوصلہ مند اور حیا دوبیان خاتون کے لیے ساری دُنیا کھلی پڑی ہے - صرف ایک دار السلطنت فرانس کو مین اپنے واسطے رکھے لیتا ہون" نپولین کے یہ الفاظ بتاتے ہین کہ اس خاتون کی فصاحت و بلاغت کا وہ کس قدر قائل تھا - اور اس کے اثر سے کسقدر ڈرتا تھا -

اس حکم کے بعد اُس کا پیرس مین ٹھہرنا غیر ممکن تھا - چنانچہ دوبارہ وطن کو خیرباد کہہ کے اُس نے سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کا سفر شروع کیا - مختلف شہرون اور علاقون مین گئی - وہان کے دلفریب مناظر دیکھے - وہان کی دلچسپیون سے لطف اُٹھایا - اور وہان کے عادات و اطوار سے واقف ہوئی - جن چیزون کا ثبوت اُس کے مشہور ناولوں "ڈلفین" اور "کورین" سے ملتا ہے -

اس کے بعد سنہ ۱۸۱۰ء مین یکایک اُسکی مشہور و معروف کتاب "جرمنی" پیرس مین شایع ہوئی جہان خود اُسے آنے کی اجازت نہ تھی - اس کتاب مین اُس نے جرمنی والون کے اطوار و عادات - علم و فضل - اور اُنکے پولیٹیکل ارادون کی مکمل تصویر دکھائی ہے - حکومت فرانس کو یہ کتاب اپنے مقاصد و اغراض کے بالکل خلاف نظر آئی - اشاعت کے ساتھ ہی نپولین کے وزیر پولیس نے اُس کی دس ہزار جلدین پکڑ لین - میڈم ڈی اسٹائل اُن دنون شہر کوپٹ مین گئی تھی جو جنیوا کی جھیل کے کنارے ہے - پیرس سے نکلنے کے بعد اسی مقام

اُس نے اپنا مستقر قرار دیا تھا - اپنی کتابون کے پکڑے جلنے کا حال سنتے ہی اُس نے زور و شور سے اعتراض کیا کہ یہ کارروائی بالکل خلاف ضابطہ ہے - اس کا جواب وزیر پولیس نے یہ دیا کہ "آپ کی یہ کتاب کوئی فرانس کی قومی تصنیف نہین ہے - اور اسی لیے مین نے اس کی اشاعت روک دی ہے - سابق مین آپ کا جو طرز عمل رہا اُس کا نتیجہ آپ کی یہ جلا وطنی ہے - مین خیال کرتا ہون کہ فرانس کی آب و ہوا آپ کے مزاج کے موافق نہین - اس لیے کہ ہم لوگ ابھی اتنے ذلیل نہین ہوئے ہین کہ جن قومون کی آپ مدح خوان ہین اُن مین سے اپنے لیے نظیرین تلاش کرین"

اب چونکہ فرانس کی پولیس نے سختی کے ساتھ اُس کے حرکات و سکنات کی نگرانی شروع کر دی تھی اس لیے اُس نے مملکت فرانس کو چھوڑ دیا - اور اُنکی ریشہ دوانیون کے حلقے سے بھاگ کے ملک روس مین پہونچی - اور وہان سے چل کے انگلستان مین آئی -

اس کے بعد اُس کی جو کتاب شایع ہوئی اس کا نام "دہ سالہ جلا وطنی" ہے - اس مین نہایت ہی جوش کے ساتھ نپولین اور اُس کی حکومت کی مخالفت کی ہے اور اُسے دھمکیان دی ہین - پھر ۱۸۱۴ء مین نپولین کی علٰحدگی کے بعد وہ پیرس مین آئی - اور جب شہنشاہ مذکور "البا" سے واپس آیا تب بھی اسے پیرس مین رہنے کی اجازت رہی - اسکے بعد جب مجلس "بوربون" قائم ہوئی تو وہ فرانس چھوڑ کے سوئٹزرلینڈ مین چلی گئی - اور یہی زمانہ تھا جب سے اُس نے پالٹکس مین دخل دینا چھوڑ دیا -

سوئٹزرلینڈ مین عزلت گزین ہونے کے چند روز بعد اُسکے شوہر بیرن ڈی شاٹل" نے سفر آخرت کیا - اور اُس نے مخفی طور پر "مسیو روکا" نام ایک شخص کے ساتھ عقد کر لیا - اور اُسی طرح سوئٹزرلینڈ کے گوشۂ عافیت مین عزلت گزین رہی - اس عزلت گزینی کا زمانہ اُس نے اپنی مشہور کتاب "انقلاب فرانس پر نظر" تصنیف و تدوین مین صرف کیا - مگر وہ اس کی زندگی مین نہین شایع ہو سکی - اس آخری تصنیف مین اُس نے فرانس کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانے

کی تصویر بڑی چابکدستی سے دکھائی ہے - اور اس دور کے جن جن لوگون سے اُسے سابقہ پڑا تھا اُن کے اوضاع و اطوار کا مرقع بنا کے ناظرین کی نظر کے سامنے پیش کر دیا ہے -

مذکورۂ بالا کتابون کے علاوہ یہ کتابین بھی اُس کی تصنیف ہین "جذبات کا اثر" "خودکشی" "خیال آفرینی" یہ تینون کتابین دراصل عالمانہ مضامین ہین جوان سبجکٹون پر قلمبند کیے گئے ہین -

الغرض میڈم ڈی اسٹائل اپنے عہد کی نہایت ہی قابل مصنفہ اور مدبرہ تھی - جس کی کتابین ہمیشہ زندہ رہین گی -

آخر اُسی سوئٹزرلینڈ کی خلوت گزینی مین ۱۸۱۷ع مین اُس نے دنیاے فانی کو رخصت کیا اور اُن خوش نصیبون مین جا ملی جنھون نے اُس ناموری کی زندگی کے شوق مین اِس دنیوی زندگی کو چھوڑ دیا ہے -

دہیاے کاہنہ

یہ ایک عجیب و غریب عورت تھی جو آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے اپنی فطرتی دانائی اور اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تھی - اور قرون اولیٰ کے وہ اہل عرب جنھون نے ایران و ترکستان اور روم و مصر کی زبردست سلطنتون کو تہ و بالا کر دیا تھا - اُنھین اس ہوشیار عورت پر غالب آنے مین بڑی بڑی دشواریان پیش آئین -

یہ عورت ثابت بن تیقان نام ایک بڑے رئیس کی بیٹی تھی - اور چونکہ اُس کا شوہر قبیلۂ زناطہ کے ایک مشہور خاندان جراوہ کا سردار تھا اس لیے وہ کاہنہ ہی نہین اپنی قوم اور اپنے وطن کی ملکہ تھی - لیکن اِسکے ساتھ اُس نے سحر اور نیرنگ کے فنون مین ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ لوگ اُسے غیب کی باتون سے واقف اور بڑی زبردست شیطانی یا روحانی قوتون پر حاکم جانتے تھے - اور سچ یہ ہے کہ عوام کی اسی عقیدت نے اُسے ایک مدت تک ملک گیری مین عجیب غریب طرح سے کامیاب کیا -

کوۃ اوراس اُس کا مامن یا دار الحکومت تھا۔ ملت یہود کی پابند تھی اور اس کی ساری قوم کا مذہب بھی یہی پُرانا اسرائیلی دین تھا۔ اور یہ یہودیت ہی کا اثر تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو روحانی علوم میں کامل اور بڑے شیاطین کو اپنا تابع فرمان بنانا شروع کر دیا۔

اس کے حکمران ہونے سے پہلے علاقہ جبل اور اوراس کا فرمانروا کسیلہ نام ایک شخص تھا۔ اہل عرب نے جب مصر پر قابض و حکمران ہونے کے بعد مغرب کی طرف آگے قدم بڑھایا تو اُنھیں طرابلس اور مراکش وغیرہ میں رومی حکمرانوں کے علاوہ اُس بربری تاجدار سے بھی سابقہ پڑا۔ جسے شکست دے کے انھوں نے توحید الٰہی کی تعلیم اس سرزمین میں پھیلانا شروع کر دی۔ اور کسیلہ لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے قتل کے ساتھ ہی تمام بربری اور زناطی قبائل جا کے اسی دہیا کے پاس حاضر ہوے۔ اور اُسے سب سے زیادہ صاحب عقل اور غیب دان خیال کر کے اپنی ملکہ بنا لیا۔ یوں اس کیا و اسرائیلیہ نے اپنا قدم کہانت کے بوریے سے اُٹھا کے سریر فرمان روائی پر رکھ دیا۔ اور دہیم شہریاری سر پہ رکھ کے تاجدار و جہان بان بن گئی۔

حکومت کے ساتھ چونکہ اُس میں یہ کمال بھی تھا کہ ہونیوالی باتیں بتا دیتی تھی اور لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیا کرتی کہ اس کام کا یہ انجام ہو گا۔ اس لیے بربری بدوی اور افریقی ابنائے بادیہ فرمانبرداری کے علاوہ اُس کے معتقد و مرید بھی بن گئے۔ دہیا کے تین بیٹے بھی تھے جنھیں اُس نے پالا تھا اور جو خاندانی سیادت و سرداری کے وارث ہوے تھے۔ مگر دہیہ کی سرکش طینت نے گوارا نہ کیا کہ بیٹوں کی فرمانبردار بن کے بیٹھے۔ چنانچہ کسیلہ کے مارے جانے اور "اوراس" کی ملکہ بننے سے پہلے ہی وہ اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے اثر اور اپنے جادو کے زور سے مغلوب و مقہور کر چکی تھی۔

اب جو وہ سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تو عربوں کو اسکی سرکوبی کی فکر ہوئی۔ خاصۃً اس لیے کہ عقبہ بن نافع کا ایسا نامی گرامی سپہ سالار عرب جس نے پورے افریقہ کو مغرب تک فاتحانہ طریقے سے طے کر کے شہر طنجہ کے پاس

گھوڑے کو سمندر میں ڈال کے یہ صدا بلند کی تھی کہ "خداوندا اگر یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو جہاں تک زمین ملتی میں برابر تیری توحید کے نعرے لگاتا چلا جاتا۔" اُسے بظاہر تو کسیلہ نے خود مسلمان بن کے اور مکر و دغا سے اُسے اُس کے لشکر سے جدا کر کے بربریوں کے نرغے میں گھیر لیا تھا اور شہید کیا تھا۔ لیکن تحقیقات کے بعد کھلا کہ اُس دغابازی و مکاری کی اصلی بانی یہی مکار دہیا تھی جس نے پہلے تو سنہ ۶۹ھ میں کسیلہ سے عقبہ بن نافع کو قتل کرا دیا۔ پھر جب کسیلہ اس کے انتقام میں زہیر بن قیس کے ہاتھ سے مارا گیا تو اسی دہیا نے بربریوں اور رومیوں کو ایسا برانگیختہ کیا کہ سب نے یکایک نرغہ کر کے زہیر بن قیس کو بھی شہید کر ڈالا۔ اور میدان خالی دیکھتے ہی دہیا افریقہ کی ملکہ بن گئی۔ جس کی سلطنت کسی معمولی ملکہ کی سی نہیں بلکہ ایک سن رسیدہ جادوگرنی کی ایسی تھی جو علانیہ لوگوں سے کہتی کہ شیاطین مجھے ہر بات کی خبر دے جایا کرتے ہیں اور وہی ہر امر میں میرے مدد معاون رہتے ہیں۔

یہ خبریں عبدالملک بن مروان کو پہونچیں تو اُس نے حسان بن نعمان غسانی کو والی افریقہ مقرر کر کے اس کاہنہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ زہیر بن قیس کے مارے جانے کے بعد دہیا سارے افریقہ اور نیز اُن تمام شہروں پر متصرف ہو گئی تھی جنھیں مسلمان اس سے بہت پہلے فتح کر چکے تھے۔ حسان نے قیروان اور قرطاجنہ پر پھر قبضہ کر کے علم اسلام قائم کیا۔ اور آگے بڑھے۔ بجایہ سے ایک منزل آگے رود مسکینی کے پاس دہیا کے زبردست لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دہیا نے ایسی جوانمردی و دلیری سے اپنی فوج کو لڑایا کہ عربوں کو فاش شکست ہوئی۔ ہزارہا مسلمانوں نے جام شہادت پیا۔ اور اُن کا ایک بڑا بھاری گروہ دہیا کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا۔ دہیا نے اس موقع پر اتنی نیک نفسی ظاہر کی کہ جتنے مسلمان گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا۔ صرف خالد بن یزید قیسی نام ایک نہایت خوش رُو جوان عرب کو روک لیا۔ اور وہ بھی کسی بُری نیت سے نہیں۔ بلکہ محض اس لیے کہ خالد کی نبرد آزمائی اور جان بازی کو دیکھ کے وہ اُن کی گرویدہ ہو گئی اور اُنھیں بیٹا بنا کے اپنی صحبت میں

رکھا۔

حسان شکست کھا کے واپس آئے تو برقہ کے علاقے مین ٹھہر گئے اور عبدالملک کے دربار مین لکھا کہ اور لشکر بھیجیے۔ اور دہیا کی سرکوبی کے لیے ضرورت ہے کہ عربون کا منتخب اور اعلیٰ درجے کا لشکر آئے۔ دمشق سے اس کی تعمیل ہوئی۔ اور حسان پانچ سال تک برقہ مین کمک کے امیدوار بنے پڑے رہے۔ اتنی مدت گذرنے کے بعد عبدالملک نے ایک بڑا بھاری زبردست لشکر اور بہت کچھ مال و خزانہ بھیجا اور حسان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حسان چونکہ ایک دفعہ شکست کھا چکے تھے۔ اس لیے اب کی بار روانہ ہونے سے پہلے اپنا ایک جاسوس نامہ بر خالد کے پاس بھیجا۔ اور اُن سے دہیا کے لشکر کی کیفیت اور حالت دریافت کی۔ خالد نے مخفی طور پر لکھ بھیجا کہ آپ فوراً حملہ شروع کر دین۔ اور جس قدر جلد ہو سکے یہان آ پہونچین۔ اس لیے کہ فی الحال تمام اہل بربر دہیا سے ناراض اور اُسکے مظالم سے برافروختہ ہو رہے ہین۔

کاہنہ مین خرابی یہ تھی کہ باوجود عورت ہونے کے نہایت ہی جابر و ظالم تھی۔ اور ملک کو تباہ کرنے کے سوا کبھی اُس کی آبادی کی فکر نہ کرتی تھی۔ رعایا کی فلاح سے اُسے سروکار نہ تھا اور انسان کے تباہ و برباد کرنے مین کوئی مضائقہ نہ سمجھتی تھی۔ خصوصاً اب جو اُس نے سُنا کہ عربون نے پھر حملے کا ارادہ کیا ہے تو کہنے لگی "عرب لوگ تو شہرون اور چاندی سونے کے خواستگار ہین۔ اور ہماری خواہش یہ ہے کہ کھیتون اور چراگاہون کو بچائین۔ اور شہرون کو جو اُنکے مطمح نظر ہین خود ہی تباہ و برباد کر ڈالین۔ تاکہ عرب لوگ جب دیکھین کہ سارا ملک اُجڑ گیا تو نادم ہو کے واپس چلے جائین۔" اپنی یہ پالسی اور اپنا یہ احمقانہ خیال ظاہر کرتے ہی اُس نے اپنے سردارون کو روانہ کیا کہ تمام شہرون کو جا کے ویران و برباد کر دین۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سختی سے ہونے لگی۔ تمام چھوٹے بڑے شہر اُجاڑ دیے گئے۔ زبردست اور مضبوط قلعے مسمار و منہدم کر ڈالے گئے۔ اور ساری رعایا کے گھر لوٹ لیے گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حسان نے دو ہی چار کوچ کیے تھے کہ رومی ساکنین افریقہ کے ایک جم غفیر نے آکے دوہائی دینا شروع کی کہ خدا کے لیے ہمین دہیا کے ظلم سے بچائیے۔ آگے بڑھ کے وہ شہر قابس مین پہونچے تو شہر والون نے بہت سا مال و دولت لا کے سامنے رکھ دیا اور اظہار اطاعت کیا۔ حسان نے خوش ہو کے اُن سے امن و امان کا وعدہ کیا۔ اپنی طرف سے ایک والی وہان مقرر کیا۔ اور شہر قفصہ مین پہونچے۔ یہان کے لوگون نے بھی سر اطاعت جھکا دیا۔ پھر وہ اور کوچ کر کے شہر قسطیلہ مین آئے اور اُس پر بھی قابض ہو گئے۔

اب جو عربون کی چڑھائی کی خبر دہیا کو پہونچی تو اُس نے اپنے دونون بیٹون اور خالد بن یزید کو اپنے سامنے بلوا کے کہا "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ اب کی لڑائی مین مین ماری جاؤن گی۔ اس لیے تمھارے حق مین مناسب یہ ہے کہ خود ہی حسان کے پاس چلے جاؤ۔ اور اپنے لیے امان مانگ لو۔ بلکہ اُنھین سے مل جاؤ۔ اب اس کے بعد تمھین میرا ساتھ دینے کی ضرورت نہین ہے"۔ چنانچہ اُس کے بیٹے اور خالد اُس کی اجازت سے عربی لشکر مین چلے آئے۔ حسان کی اطاعت قبول کر کے اپنے لیے امان حاصل کی۔ اور عربون ہی مین رہنے سہنے لگے۔ اب حسان اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے سر پر جا پہونچے۔ دہیا نے اگرچہ اپنے فرزندون کو بھیج دیا تھا مگر خود اُس کی اطاعت نہین قبول کی۔ اور دونون لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔

آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور بڑی ہی خونریز لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ عربون کے حوصلے بڑھے ہوے تھے۔ اور افریقہ و بربر والون کی ہمتین پست تھین۔ کیونکہ اب کی خود دہیا مین نہ وہ اگلا سا جوش و خروش تھا اور نہ کامیابی و فتحمندی کی اُمید تھی۔ چنانچہ بربریون کو شکست ہوئی۔ اور عربون نے کشتون کے پشتے لگا دیے۔ اس لڑائی کے ہنگامے مین کسی اسلامی بہادر کی تلوار خود دہیا کے منہ پر پڑ گئی۔ جو گری اور تڑپ کے اُسی جگہ رہ گئی۔ اُس کے قتل ہوتے ہی بربریون نے ہتھیار ڈال کے پناہ مانگنا شروع کی

اور فاتحون نے اپنی خون آلود تلوارین میان مین کین۔

منجملہ دیگر عجائبات کے یہ بھی ہے کہ کہتے ہین جس وقت دہیاے کاہنہ ماری گئی ہے اُس کی عمر ۱۲۷ سال کی تھی - اور تخت جہانبانی پر بیٹھے ہوے اُسے ۳۵ سال گذر چکے تھے - اُس کے مارے جاتے ہی پھر کس مین مخالفت و سرتابی کا حوصلہ تھا؟ سارا افریقہ مطیع و منقاد ہو گیا - اور عربون نے افریقہ کی مہم سے فارغ ہوتے ہی اندلس کی طرف توجہ کی -

افریقہ مین اب امن و امان قائم ہو جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ حسان نے دہیا کا فتنہ دور کرتے ہی ایک نیا فوجی قانون جاری کیا - جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کا موجد فرانس کا سپہ سالار ہند ڈوپلے تھا جس نے ہندوستان مین پہلے پہل یہ تجویز کی کہ ہندوستانیون کا ایک باضابطہ لشکر فرانسیسیون کی تائید کے لیے قائم کیا جائے - جسے پوری تعلیم اور پورے اسلحہ دیے جائین اور اس کا اندیشہ نہ کیا جائے کہ یہ کبھی دغا کرین گے - اس سے پہلے ہندوستان مین فرنچ گورنمنٹ اور برٹش گورنمنٹ کی جتنی فوجین اُن کے زیر علم تھین سب فرانسیسی اور انگریز سپاہیون کی تھین - ڈوپلے کی اس تجویز کے بعد سے فرانسیسیون نے ہندوستانی فوجین اپنے یہان مقرر کین اور انگریزون نے اپنے یہان - اور جو جو اُن کی وفاداری کا تجربہ ہوتا گیا اُن کو روز بروز ترقی دی گئی -

مگر ڈوپلے سے گیارہ بارہ سو برس پہلے ہی اصول دہیا کا ہنگامہ فرو کرنے کے بعد حسان بن نعمان نے افریقہ مین جاری کر دیا تھا - اس لیے کہ اُس نے بربریون پر یہ لازمی قرار دیا کہ اُن کے اچھے جوانون کی بارہ ہزار فوج ہمیشہ قائم رہا کرے - جس کا کام یہ ہو کہ اہل بربر مین سے کوئی بغاوت یا سرکشی کرے تو وہ فوج فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو - جس کا بہت بڑا نمایان نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ پھر مدتون تک رعایاے افریقہ مسلمانون کے خلاف سر نہین اُٹھا سکی -

دہیاے کاہنہ کا واقعہ طرابلس الغرب کی اُس فتح کے بہت دنون بعد کا ہے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر نے جا کے اور قلعہ طرابلس پر جوہر شجاعت دکھا کے

گرگوری کی بیٹی فلپانا کو اپنی حرموں میں شامل کیا تھا۔ دراصل وہ افریقہ کی پہلی فتح اسلام تھی۔ اور یہ آخری فتح اسلام۔ کیونکہ اسکے بعد پھر مسلمانوں کو دوبارہ فتح کرنے کی ضرورت اس کے بعد نہیں پیش نہیں آئی تھی۔

ستُّ الملک (ملکۂ مصر)

مصر میں جب خلفاے باطنین ائمۂ اسمٰعیلیین کے سر یہ فرمان روائی پہ الحاکم بامراللہ کا ایسا عجیب و غریب مختلف الاوصاف اور متلون المزاج خلیفہ حکومت کر رہا تھا اُس کے شر کے دور کرنے کے لیے خدا نے اس حسین و نازنین اور سراپا حکمت و فراست ملکہ کو ظاہر کیا۔ جو اگر حریم خلافت سے نکل کے رعایا کی خبر نہ لیتی تو الحاکم نے خدا جانے کیا قیامت بپا کر دی ہوتی۔

ستّ الملک حاکم بامراللہ کی بہن اور اُس سے پہلے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نزار کی نازپرورده بیٹی تھی۔ حسن و جمال میں ثانی نہ رکھتی تھی۔ اور ہوشیاری دانائی۔ استقلال۔ حکمرانی۔ اور سیاسی قابلیت میں کوئی اُس کا مثل و نظیر نہ تھا۔ مصر ہی نہیں شاید اُن دنوں ساری دنیا میں کوئی عورت اُسکی سی لیاقت اور ہمت مردانہ نہ رکھتی ہوگی۔

حاکم بامراللہ کو گیارہ ہی برس کی عمر میں آبائی حکومت مل گئی تھی۔ اور حکومت بھی کون؟ جو صرف دنیوی شہریاری نہیں بلکہ دینی امامت اور حضرت رسالت کی جانشینی بھی تھی۔ تاج و تخت پاتے ہی اُسے نظر آیا کہ ساری دنیا میری تابع فرمان ہے۔ میں دُنیا ہی نہیں دین کا بھی بادشاہ ہوں۔ اور دین و دنیا میں جیسے احکام چاہوں جاری کر سکتا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی پہلے تو اُس نے امامت کو مظہر ذاتِ ربانی یا ہندوؤں کی اصطلاح کے مطابق اوتار قرار دے کے اپنے آپ کو معمولی انسان سے بڑھا کے امام اور امامت سے بھی آگے بڑھا کے خدا بنا لیا۔ چنانچہ اُسی کی یادگار میں آج تک دروز کا فرقہ شام میں موجود ہے جو لوگ حاکم بامراللہ کے سوا خدا کو بھی نہیں مانتے۔ ان لوگوں کے عقیدے میں ایمان حاکم بامراللہ پر ایمان

لاتا ہے۔ اور چند خطوط جو حاکم کی امامت کی تبلیغ مین لکھے گئے تھے اُن کا مجموعہ اُن کا قرآن ہے۔ گو وہ مسلمانون مین شمار کیے جاتے ہین مگر نہ رسول مقبول صلعم کو مانتے ہین نہ قرآن مجید کو۔ نہ نماز پڑھتے ہین نہ روزہ رکھتے ہین اور مسلمانون کا سا اور کوئی کام کرتے ہین۔ اُن کے خیال مین نجات کا ذریعہ صرف الحاکم کو مظہر ایزدی مان لینا ہے۔

عنان حکومت ہاتھ مین لینے کے بعد حاکم نے جیسے جیسے متخالف و متضاد احکام جاری کرنا شروع کر دیے تاریخ مین یادگار ہین۔ سنہ ۳۹۵ھ مین حکم قطعی جاری کیا کہ صحابۂ کرام کو علانیہ گالیان دی جائین۔ بازارون۔ شاہراہون۔ مسجدون اور تمام عام گذرگاہون مین تبرا لکھ لکھ کے دیوارون پر لگا دیا گیا۔ اور یہی حکم تمام والیانِ ملک کو لکھ بھیجا گیا کہ اپنے مفوضہ علاقون مین جاری کرین۔ ایک زمانے تک یہ حکم جاری رہا تھا کہ دربار خلافت سے حکم پہونچا کہ تبرا کلیۃً موقوف۔ صحابہ کی شان مین جو شخص بُرا کلمہ کہے یا اُن کا ذکر بُرائی سے کرے اُسے سخت سزا دی جائے۔ اب اُن لوگون کو جو توہین صحابہ کے عادی کر دیے گئے تھے سزائین ملنے لگین۔ سنہ ۳۹۹ھ مین حکم جاری کیا کہ رمضان مین نماز تراویح کلیۃً موقوف۔ جامع عتیق کے امام نے اس حکم کی پروا نہ کی اور مسلمانون کو جمع کر کے نماز تراویح پڑھی۔ دوسرے ہی دن وہ پکڑ کے قتل کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۴۰۲ھ مین حکم جاری ہوا کہ تمام مسجدون مین نماز تراویح لازمی طور پر پڑھی جایا کرے۔ مسلمانون سے زیادہ سختیان یہود و نصاریٰ کو اس مجنون فاطمی خلیفہ کے تلوّن سے برداشت کرنا پڑین۔ کبھی حکم ہوتا کہ سب مجبور کر کے مسلمان بنائے جائین۔ کبھی اُنکو ذلیل قسم کا لباس پہننے اور ذلت سے رہنے کی تاکید ہوتی اور کبھی جوش و خروش سے اُن کی استمالت اور طرفداری کی جاتی۔ کبھی اُن کے معبد اور کنیسے کھود ڈالے جاتے اور کبھی تعمیر کر دیے جاتے۔ عورتون کی نسبت حکم ہوا کہ کوئی عورت گھر سے نہ نکلے۔ اور جب شکایت ہوئی کہ جن عورتون کا کوئی والی وارث نہ ہو وہ کیا کرین؟ تو فرمان جاری ہوا کہ بازار والے ہر قسم کا مال لے کے زنانی ڈیوڑھیون پر جایا کرین اور بیچ رستے کی کوئی چیز اپنے پاس رکھین جس مین رکھ کے ہر چیز دروازے

کے اندر بڑھا دیا کریں۔ تاکہ بغیر صورت دیکھے پٹ کی آڑ سے خرید و فروخت ہو جایا کرے۔

ان باتوں نے تمام اہلِ مصر کو اس قدر ناراض کر دیا کہ حاکم کے پاس روز گمنام رقعے اور خطوط پہونچتے جن میں اُسے گالیاں دی جاتیں اور برا بھلا کہا جاتا۔ حاکم کو سمجھائے اس کے کہ ان باتوں سے متنبہ ہو اور بگڑتا۔ اور ضد میں آ کے زیادہ ظلم کرتا۔ آخر ایک دن مصر کے منچلے لوگوں نے یہ کارروائی کی کہ کاغذی ایک عورت بنا کے حاکم کی گزرگاہ میں ایک جگہ کھڑی کر دی اور اُسکے ہاتھ میں ایک کاغذ دے دیا۔ یہ پتلا اس قدر مکمل اور ایسی صناعی سے بنایا گیا تھا کہ حاکم اُدھر سے گزرا تو بالکل نہ پہچان سکا اور سمجھا کہ سچ مچ کوئی عورت ہے جو فریاد کرنے کو آئی ہے۔ غلاموں کو بھیج کے اُس کے ہاتھ سے عرضی لے لی۔ دیکھا تو اُس میں صدہا گالیاں لکھی ہوئی تھیں۔ اور اُس کی کسی طرح کی توہین اُٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ لپک کے عورت کو پکڑا تو کاغذ اور بانس کا ڈھانچا تھا۔

اس کارروائی سے حاکم ایسا برانگیختہ ہوا کہ حکم دیا مصر کی آبادی میں آگ لگا دی جائے۔ اور فوج والے سارے شہر کو لوٹ لیں۔ مَردوں کا قتل عام ہو۔ اور عورتیں اور لڑکے پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنائے جائیں۔ فوراً اس نادری حکم کی تعمیل شروع ہوئی۔ اور شہر تباہ ہونے لگا۔ مکانوں پر شعلے بلند تھے۔ شرفا امرا بلا استثنا قتل ہو رہے تھے۔ اور معززین و شرفا کی عورتیں اور بچے کھینچ کھینچ کے گھروں سے نکالے اور لونڈی غلام بنائے جاتے تھے۔ جب مسلسل دو دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا تو لوگوں نے عفو تقصیر کے لیے التجا کی۔ مگر سنی نہ گئی۔ آخر رعایا نے مجبور ہو کے بہت سے ترکوں اور شام و عرب کے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور بغاوت کی دھمکی دی۔ یہ رنگ دیکھ کے حاکم نے ظلم سے ہاتھ روکا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرارت کی کہ حکم دیا کہ امرا و معززین کی جو عورتیں گرفتار ہوئی ہیں وہ بے عزت کر کے بیچ ڈالی جائیں۔ اور اُنکے بچے بھی فروخت کر ڈالے جائیں۔ یہ ایسی بے رحمی کے شرمناک مظالم تھے کہ مصر کا ہر شخص حاکم کا دشمن اور اُسکے خون کا پیاسا ہو گیا۔

ستّ الملک بھائی کی ان حرکتوں پر دل ہی دل میں کُڑھتی۔ اُسے سمجھاتی اور حتی الامکان لوگوں کو اُس کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر حاکم بجائے اسکے کہ اُس کا شکر گزار ہو اور اُس کے عاقلانہ مشوروں پر عمل کرے اُلٹے اُس سے ناراض ہو گیا۔ یہاں تک کہ آخر کار اُسے وہم ہوا کہ ستّ الملک میرے خلاف امرائے شہر سے سازش کرتی اور اُنھیں میری مخالفت پر اُبھارتی ہے۔

ستّ الملک سے پہلے حاکم بامر اللہ کو بڑی محبت تھی۔ اور چونکہ اُس کی دانائی اور عقلمندی کا قائل تھا اس لیے ہر ملکی معاملے اور اپنے ہر حکم کے جاری کرنے میں اُس سے ضرور مشورہ کر لیا کرتا۔ یہ ستّ الملک کی خوش نصیبی یا نیک نفسی تھی کہ جو امر اُسکے مشورے سے کیا جاتا اُس میں ہمیشہ کامیابی ہوتی اور رعایا خوش رہتی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ ستّ الملک اُسکے مجنونانہ احکام سے ہمیشہ اُسے روکا کرتی۔ لیکن جب اُس نے ستّ الملک کی رائے کے خلاف کارروائیاں شروع کیں اور لوگ برہم ہونے لگے تو اُسے اپنی بیوقوفی سے اس امر پر تعجب ہونے لگا کہ جو کام میں اپنی تجویز سے کرتا ہوں اُس سے لوگ ناراض ہوتے ہیں اور جس کام کو ستّ الملک سے پوچھ کے کرتا ہوں اُسکی کوئی شکایت نہیں کرتا۔ آخر اسی تعجب و حیرت نے اُسے بہن سے بدگمان کر دیا۔ اور جوش میں آ کے زیادہ خود رائی کرنے لگا۔ نتیجہ یہ کہ رعایا بھی زیادہ برہم ہونے لگی جسے اُس نے اپنی بہن کی سازش پر محمول کیا۔ آخر بے اختیار کھُل کھیلا اور ستّ الملک کو لکھ بھیجا "تم لوگوں سے سازشیں کرتی ہو اور تمھارا چال چلن نہیں اچھا ہے۔ اکثر نامحرم مرد تمھارے محل میں آیا جایا کرتے ہیں اس بدچلنی اور بدکاری سے باز آؤ ورنہ قتل کر ڈالوں گا"۔ اس پاکدامن شاہزادی کی عفت و حرمت پر ابھی تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ سنتے ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ اور اس فکر میں ہوئی کہ ایسے ظالم اور بے شرم بھائی سے اپنا جس طرح بنے پیچھا چھڑانا چاہیے۔

اب جوں جوں زمانہ گزرتا تھا بہن بھائی کے تعلقات نازک ہوتے جاتے تھے۔ حاکم کی بدگمانیاں جو بڑھیں تو اُس نے سمجھ لیا کہ جتنے گالیوں کے خطوط میرے پاس آتے ہیں اور اُس کاغذ کی بنی ہوئی عورت کے ہاتھ سے گالیوں کا جو خط مجھے ملا

تھا سب اسی ست الملک کی کارروائیان ہین۔ آخر ست الملک نے حاکم کو حد سے
گذرتے دیکھ کے دل مین کہا "اچھا ٹھہر جاؤ۔ اب تک تو مین نے تمھارے خلاف
کوئی سازش نہین کی تھی مگر اب کرتی ہون۔" اُن دنون قاہرہ مین ابن داؤس
نام ایک معزز شخص تھا جو ایک حصہ فوج کا افسر اعلیٰ تھا اور حاکم کو اُس پر بھی
طرح طرح کی بدگمانیان تھین۔ ست الملک نے اسی ابن داؤس کے پاس کہلا
بھیجا کہ "مین تم سے تنہائی مین ملنا چاہتی ہون۔" اُس نے عرض کرایا کہ "حضور کی
قدمبوسی میرے لیے مایۂ ناز ہوگی۔" اس جواب سے اُسے اپنے موافق خیال کر کے
ست الملک نے برقع پہن لیا۔ سب لوگون کی آنکھ بچا کے اُس کے گھر پہونچی۔
اور کہا "تم جانتے ہو کہ تمھاری نسبت بھائی کے کیا خیالات ہین؟" اُس نے
عرض کیا "جی ہان جانتا ہون کہ وہ میرے دشمن اور میری جان لینے کے درپے
ہین۔" ست الملک نے کہا "اور ایسی ہی دشمنی اُسے میرے ساتھ بھی ہے۔ اور
اُس کا مزاج ایسا ہے کہ جس دن دل مین آگئی پھر کسی بات کا خیال نہ کرے گا
اور بلا تامل ہم دونون کو قتل کرا ڈالے گا۔" ابن داؤس نے کہا "حضور سچ فرماتی
ہین۔" اب موقع دیکھ کے ست الملک نے کہنا شروع کیا کہ "اس کمبخت کے
ہاتھون سارے مسلمانون پر ظلم ہو رہے ہین۔ دین الگ خطرے مین ہے۔ عقائد
اس نے بگاڑ ہی دیے۔ مسلمانون کی عزت و آبرو بھی اُس نے نہ چھوڑی۔ معزز
اور پاکدامن بیبیون کو اُس نے بے حرمت کرایا۔ شریفون کے بچے اسکے ہاتھون
بازار مین بکے۔ اور یہ حالت ہو رہی ہے کہ اس کے اندیشے سے کوئی شخص گھر مین
چین سے نہین سو سکتا۔ پھر یہ دیکھو کہ ملک کا بچہ بچہ اس کی صورت سے بیزار
ہو رہا ہے۔ اور ساری رعایا کے دلون مین بغاوت کا جوش پیدا ہوتا جاتا ہے
اگر سب لوگ بگڑ کھڑے ہوے اور ہماری اس اسمٰعیلی خلافت کے تاج و تخت کو
اُلٹ دیا تو پھر نہ مین بچون گی اور نہ تم بچوگے اور مصر مین قیامت کبراے بپا
ہو جائے گی۔" ابن داؤس نے ست الملک کی یہ پُر اثر تقریر سن کے کہا "آپ
جو فرمائین مجھے اُس کی تعمیل مین عذر نہ ہوگا۔" ست الملک بولی "میرے نزدیک
تو مناسب یہ ہے کہ قبل اسکے کہ الحاکم کے دست ستم سے ہماری امامت کو صدمہ پہونچے

ہم اُسی کی زندگی کا چراغ گُل کردیں۔" ابن داؤس نے کہا "مجھے اس میں کوئی عذر نہیں۔ لہذا آپ اس کی جو تدبیر بتائیں کی جائے۔" ست الملک نے کہا "کل میرا بھائی الحاکم حسب معمول شہر سے نکل کے کوہستان کی طرف جائے گا اور عادت کے مطابق اُس کے ہمراہ کوئی نہ ہوگا۔ تم ایسے دو شخص وہاں مقرر کردو جو وہیں اُس کا کام تمام کردیں۔ اور پھر اُسے گھر آنا نہ نصیب ہو۔" ابن داؤس نے اس کا وعدہ کیا۔ جس سے خوب مطمئن ہو کے ست الملک نے وعدہ کیا کہ "اگر یہ کارروائی خوبی کے ساتھ انجام پا گئی تو میں تمھاری موجودہ جاگیر میں ایک لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر اور بڑھا دوں گی۔ اور سلطنت کا سارا نظم و نسق تمھارے ہی ہاتھ میں [illegible] کیونکہ تمھارے سوا اور کوئی وزیر اعظم اور مدار المہام سلطنت نہیں ہو سکتا۔" ان وعدوں نے ابن داؤس کو اُس کے ارادے میں اور مضبوط کر دیا۔ جس کے بعد ست الملک اپنی محلسرا میں واپس گئی۔

الحاکم مقررہ اوقات میں تن تنہا پہاڑوں پر جایا کرتا تھا۔ چونکہ امامت اور مظہر ایزدی ہونے کا مدعی تھا اس لیے اُس کی غیبت میں وہی شان ہوا کرتی جو حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے اور خدا کے احکام لانے کی تھی۔ اسی معمول کے مطابق ست الملک اور ابن داؤس کی سازش کے دوسرے دن ۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو وہ محل سے نکل کے پہاڑوں پر گیا۔ پہاڑ کے قریب پہونچ کے ساتھ والوں کو وہیں چھوڑا اور ایک نوعمر لڑکے کو لیے ہوئے گھاٹیوں میں گھسا۔ ناگہاں کوہستان کے سناٹے میں دو مسلح آدمی نمودار ہوئے جنھوں نے سامنے آتے ہی حملہ کرکے اُسے اور اُس کے ہمراہی لڑکے کو مار ڈالا۔ اور دونوں کی لاشیں غائب کر دیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان دونوں سپاہیوں کو ابن داؤس نے ست الملک کی خواہش کے مطابق یہاں بٹھایا۔ اور اُسکے قتل پر مامور کیا تھا۔ الحاکم کے واپس آنے میں جب حد سے زیادہ دیر ہوئی تو اُسکے خیرخواہوں اور سرداروں نے تلاش کرنا شروع کیا۔ پہاڑوں کے تمام پہلو اور ساری گھاٹیاں ڈھونڈھ ماریں مگر کہیں سراغ نہ لگا۔ ایک مقام پر حاکم کا گھوڑا اور اُس سے آگے بڑھ کے اُس کے کپڑے مل گئے۔ مگر اُن میں بھی خون کا کوئی دھبہ نہ تھا۔

لاشین کہین نہ ملین۔

آخر سب تھک کے اور عاجز آکے قاہرہ مین واپس آئے اور ست الملک کی ڈیوڑھی پر جا کے عرض کرایا "امیر المومنین غائب ہین۔ ہم نے سارا کوہستان چھان مارا کہین پتہ نہین۔ اب آپ کیا حکم فرماتی ہین؟" ست الملک نے اُنکے پاس کہلا بھیجا کہ "میرے پاس اُن کی تحریر آئی ہے تمہیں مین وہ فرماتے ہین کہ مین پرسون واپس آؤن گا۔" امرا و ارکان اس جواب سے مطمئن ہو کے اپنے گھرون کو گئے۔ اور ست الملک نے خزانے پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ ابن داؤس کے پاس بھیجا کہ سرداران فوج مین تقسیم کر دے۔ اس طریقے سے مسلسل سات دن تک وہ لوگون سے الحاکم کے ظہور کا وعدہ کرتی رہی۔ اب ساتوین دن ظہور حاکم کا انتظار تھا۔ ساری فوج قصر خلافت کے دروازے پر صفین باندھے کھڑی تھی کہ امام زمانہ امیر المومنین الحاکم کے دیدار سے بہرہ یاب ہون۔ ست الملک نے الحاکم کے بیٹے ابو الحسن علی کو جو ابھی ایک سولہ سال کا خوبرو لڑکا تھا لباس شاہانہ پہنا کے باہر نکالا۔ وزیر سلطنت اُس کے آگے آگے تھا۔ جس نے تمام حاضرین دربار اور اہل فوج کی طرف خطاب کر کے کہا "اے غلامانِ دولت! ہماری مالکہ ست الملک فرماتی ہین کہ اب تمہارے آقا۔ امام۔ اور امیر المومنین یہی ہین" یہ سنتے ہی ابن داؤس جو سب کے آگے تھا فوراً جھک کے زمین بوس ہوا اور ساتھ ہی وہ تمام امرا و سرداران فوج جنھین ابن داؤس کی معرفت روپیہ دیا گیا تھا زمین بوس ہو ہو کے آداب بجا لانے لگے۔ جب معززین کا ایک بڑا گروہ بے عذر زمین بوس ہو چکا تو باقی لوگون نے بھی اُنکی پیروی کی۔ اور کوئی نہ تھا جس نے ذرا بھی تامل کیا ہو۔ اب نوجوان شاہزادہ علی نے شاہی گھوڑے پر سوار ہو کے شہر کا ایک چکر لگایا۔ اور کل امراے دولت ہمراہ رکاب اور رسالے جلو مین تھے۔ ظہر کے وقت وہ قصر خلافت مین واپس آ کے گھوڑے سے اُترا اور کل اہل دربار کو دوسرے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دوسرے دن علی الصباح تمام عمائد اور جملہ اہل سلطنت و قلم در دولت پر حاضر ہوئے تو وہی شاہزادہ ابو الحسن علی پھر برآمد ہوا۔ آج کے دربار مین ست الملک نے اسے "الظاہر لاعزاز دین اللہ"

کے لقب سے ملقب کرکے سریر خلافت پر بٹھایا اور سب نے بلا عذر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ الغرض بغیر کسی قسم کا فساد اور جھگڑا ہوئے الظاہر کی تخت نشینی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ ساتھ ہی ست الملک نے ایک فرمان کے ذریعے سے الظاہر کی خلافت کا اعلان کیا اور اطراف و جوانب میں تمام والیانِ ملک اور سرداران بلاد کے نام اُس فرمان کی نقلیں اس حکم کے ساتھ بھیجیں کہ کل رعایا سے الظاہر کی بیعت لیں۔

اسکے بعد ست الملک نے ایک بڑا بھاری دربار کیا جس میں تمام معززین کو اُنکے درجوں اور رتبوں کے مطابق بٹھایا۔ سب کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ عزت افزائیاں کیں۔ پھر انتظام مملکت کے متعلق نہایت ہی عمدہ احکام جاری کیے اور کل امور کا ذمہ دار اور افسر اعلیٰ ابن دواس کو قرار دیا۔ اور کمال مہربانی کے ساتھ اُس سے کہا "ہم سارا نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ مگر کوئی دن مقرر کرو جس روز تم کو خلعت وزارت کے ساتھ ایک لاکھ سالانہ کی ذاتی جاگیر عطا کی جائے۔" ابن دواس یہ سنتے ہی گر کے قدمبوس ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور جس روز حکم دیں غلام حاضر ہو۔" ست الملک بولی "اچھا میں خود ہی کوئی دن مقرر کر کے تمھیں بلوا لوں گی۔" اب سارے قاہرہ میں مشہور ہو گیا کہ وزارت اور جملہ اختیارات ابن دواس کو ملنے والے ہیں۔

دو ہی چار روز بعد ست الملک کا چوبدار ابن دواس کی طلبی میں اُس کے دروازے پر پہونچا۔ اور وہ خوش خوش قصر خلافت میں حاضر ہوا۔ پہونچتے ہی ایک اندرونی کمرے میں بلوا لیا گیا۔ جہاں تمام سرداران فوج کلی دست بستہ کھڑے تھے۔ اب قصر کے تمام دروازے مقفل کر دیے گئے۔ اور یکایک ست الملک کا ایک خاص ملازم شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوئے نمودار ہوا۔ جس نے آتے ہی ابن دواس کی طرف مخاطب ہو کے نہایت ہی برافروختگی کے ساتھ کہا "تو ہی ہمارے امام الحاکم کا قاتل ہے"۔ اور یہ کہہ کے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ تدبیر کچھ ایسی خوبی کے ساتھ پڑی کہ کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ اور سب ابن دواس کے قتل کو خاموشی

سے دیکھ کے رہ گئے۔

اگرچہ ابن داؤس کے ساتھ نہایت ہی بے رحمی اور سخت بد عہدی کی گئی مگر ست الملک کے دل سے بغیر اُس کے قتل کے اس کانٹے کی کھٹک نکل ہی نہ سکتی تھی کہ جس شخص نے لالچ و خود غرضی کے جوش میں اپنے ایک امام اور آقا کو بے وفائی کے ساتھ قتل کر ڈالا ممکن ہے کہ وہ ایسی ہی کسی سازش سے متاثر ہو کے دوسرے کو بھی قتل کر ڈالے۔ بہرتقدیر اس طریقے سے ابن داؤس کو قتل کرا کے ست الملک نے نابالغ خلیفہ کے نام سے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور نہایت ہی مستعدی و بیدار مغزی کے ساتھ فرمان روائی کرنے لگی۔ رعایا اُس سے پہلے ہی خوش تھی۔ اور اُس کی طرفداری میں لوگ الحاکم کے دشمن ہو رہے تھے۔ اب جو اُس نے عدالت گستری اور رعایا نوازی کے جوہر دکھانا شروع کیے تو ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُس کا کلمہ پڑھنے اور اُس کا دم بھرنے لگا۔ وہ مظلوموں کی فریاد رسی کرتی۔ مقدمات کا بلا رُو رعایت فیصلہ کرتی۔ اور اُس کے ساتھ ہی خوش تدبیری سے اپنا ایسا رعب بٹھا لیا تھا کہ تمام سرکش اور فتنہ انگیز لوگ اُس کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تامل نہ کرتے تھے۔

الظاہر کی عمر سترہ سال کی تھی۔ عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ اور دلِ پُرجوش جذبات سے بھرا ہوا تھا مگر اُس نے کبھی کسی امر میں پھوپھی کے احکام سے سرتابی نہیں کی وہ ہر امر میں پھوپھی کے حکموں پر چلتا۔ اور جانتا تھا کہ میری اور سارے ملک کی سلامتی اسی میں ہے کہ ست الملک کے انتظامات اور احکام میں دخل نہ دیا جائے۔ مگر افسوس اُسے ست الملک کی خوش تدبیری اور تمدنی قابلیت سے فائدہ اُٹھانے کا زیادہ موقع نہیں ملا اس لیے کہ اُس کی تخت نشینی کو چار ہی سال گذرے تھے کہ ۴۱۵ھ میں ست الملک نے سفر آخرت کیا اور الظاہر کو نظر آیا کہ میں اپنے باپ الحاکم کے مرنے پر یتیم نہیں ہوا تھا بلکہ اب یتیم ہوا ہوں۔ در اصل ست الملک کے مرنے کی تاریخ تمام اہل مصر کے لیے بڑے رنج و الم کا دن تھی۔ جبکہ بادشاہ اور خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ رعایا میں سے ہر ایک کو بھی نظر آتا تھا کہ ہم آج یتیم ہو گئے۔

قدیم الایام کی ایک فلک زدہ شاہزادی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت مین جب سعدؓ بن وقاص نے آل ساسان کے زبردست لشکر کو شکست دے کے دولت عجم کو پامال کر ڈالا اور قادسیہ کی آبادی مین داخل ہوے تو حرقہ بنت نعمان بن منذر اُن سے ملنے اور اُنکے آگے سر نیاز جھکانے کے لیے حاضر ہوئی۔

ہم اپنے ناظرین کو مکرر وسہ کرر بتا چکے ہین کہ نعمان بن منذر کا خاندان حیرہ اور مغربی عراق کے عربی صوبے پر حاکم و متصرف تھا۔ دولت ساسانی پر اس خاندان کے پُرانے حقوق تھے جن کے لحاظ سے خسروان فارس ان تاجداران حیرہ کے حال پر نہایت ہی مہربان تھے۔ اور انھین پورے پورے شاہی اقتدارات دے رکھے تھے۔ یہ شاہزادی اُسی خاندان کے پچھلے تاجدار نعمان بن منذر کی بیٹی تھی جس کی دوسری بہن ہمارے ناول ایام عرب کی ایک ہیرو ئن ہے۔

یہ شاہزادی اپنی دو سہیلیون کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کے سامنے آکے کھڑی ہو گئی۔ چونکہ تینون کا لباس، اُنکی وضعین، صورتین، عمرین اور چال ڈھال ایک ہی شنع کی تھی سعد نے نہین پہچانا اور پوچھا "تم مین سے کون نعمان کی بیٹی ہے؟" حرقہ نے آگے بڑھ کے کہا "مین ہون" سعد نے تعجب کے لہجے مین کہا "تم ہی نعمان کی بیٹی ہو؟" جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سعد اُس کی معمولی حالت اور اُس کے خود ہی حاضر ہو جانے پر متعجب ہوے بولی "جی ہان مین ہی ہون۔ دنیا کسی حالت پر قرار نہین لیتی جلد جلد پلٹتی رہتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنے فرزندون کی حالت بھی بدلتی رہتی ہے۔ کبھی وہ کسی حال مین ہوتے ہین اور کبھی کسی حال مین۔ ہم اس شہر کے مالک اور بادشاہ تھے۔ ہم ہی فرمانروا تھے اور ہمارے ہی خزانے مین یہان کے محاصل جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب ہماری حالت بگڑ گئی۔ زمانہ دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ ہمارے سلطنت جو ہمارے ہاتھ مین تھا ٹوٹ گیا۔ اور ہماری جماعت منتشر ہو گئی۔ مگر زمانے کا یہی رنگ ہے جو شریفون کو لوٹتا اور ہماری عزت کو چھینا ہے۔"

اُسکے یہ الفاظ سن کے سعدؓ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ فرمایا "اچھا کچھ اپنی گذشتہ

حالت سناؤ۔" بولی "مختصر کہوں یا تفصیل سے بیان کروں؟" فرمایا "مختصر کہو۔" کہنے لگی "یا تو کل ہماری یہ حالت تھی کہ اہل عرب میں سے کوئی شخص نہ تھا جو ہمارے دربار میں باریاب ہونے کا آرزومند نہ ہو اور ہمارے نام سے کانپتا نہ ہو۔ یا آج ہماری یہ حالت ہے کہ عربوں میں سے کوئی نہیں ہے جس کے دربار میں پہنچنے کی ہمیں تمنا نہ ہو اور جس کے نام سے ہم ڈرتے اور کانپتے نہ ہوں۔" یہ کہہ کے اُس نے یہ دو شعر پڑھے۔

فبینا نسوس الناس والامر امرنا اذا نحن فیہم سوقۃ نتنصف

(اس حالت میں کہ لوگوں پر ہم سرداری کر رہے تھے اور ہمارا ہی حکم چلتا تھا یک بیک آ کر دیکھتے ہیں کہ ہم بازاری لوگ ہیں اور دوسروں کے سامنے فریاد کر رہے ہیں)

فاف لدنیا لا یدوم نعیمہا تقلب تارات بنا وتصرف

(لہذا افسوس ہے دنیا کی حالت پر جس کی نعمتیں باقی نہیں رہتیں۔ کبھی وہ ہمارے موافق ہوتی ہے اور کبھی پلٹ جاتی ہے)

سعد بن ابی وقاص کو اس کی باتیں اچھی معلوم ہوئیں۔ اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب وہ واپس جانے لگی تو فرمایا "اگر تمہارا کوئی کام ہو یا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو۔" بولی "مجھے کوئی اُجاڑ اور بے چراغ بستی عنایت فرمائیے تاکہ اُسے آباد کروں اور فائدہ اُٹھاؤں۔" سعد نے فوراً اپنے عاملوں کو حکم دیا کہ کوئی ایسا موضع ڈھونڈو کہ جو اُجاڑ ہو گیا ہو۔ مگر باوجود جستجو کے کوئی ایسا موضع نہ ملا۔ تب سعد نے حرقہ کو بلوا کے فرمایا "کوئی غیر آباد بستی تو نہیں ملی۔ آپ کوئی آباد گاؤں قبول کیجیے۔" یہ سنتے ہی ستم زدہ شاہزادی نے کہا "الحمد للہ کہ خدا نے میرے باپ دادا کو عدالت گستری کی توفیق دی۔ اُنھوں نے اپنے انصاف سے دنیا کو آباد کیا اور ویسا ہی آباد دوسروں کے حوالے کر گئے۔ لہذا اے امیر آپ بھی کوشش کیجیے کہ جب دوسرے کے حوالے کرنا پڑے تو اسے ایسا ہی آباد اور بارونق دیجیے جیسا کہ آپ نے پایا ہے۔ اس طرز عمل سے آپ خدا کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور آپ کی سلطنت پائدار ہوگی۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں سے آبادی اجڑ جائے اور آپ آتش دوزخ کے سزاوار ہوں۔ [illegible] نہ [illegible] کی تمنا رکھتی ہوں اور نہ دنیا کی [illegible] آرزو [illegible] چاہتی ہوں

یہ کہہ کے اس تارک الدنیا اور قناعت شعار شاہزادی نے سعدؓ کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی "اللہ جل شانہٗ آپ کی کوئی حاجت کسی ذلیل و فرومایہ شخص کے ہاتھ میں نہ ڈالے۔ اور جو اچھے لوگ ہیں اُن کی حاجتیں ہمیشہ آپ کے ہاتھ سے پوری ہوتی رہیں۔ اور جب کبھی خدائے تعالیٰ شریف لوگوں کو بے دولت کرے تو آپ کو ہمیشہ اُن کی حاجت روائی کا ذریعہ بنائے" یہ کہہ کے شاہزادی تو چلی گئی مگر سعد بن ابی وقاص کو اُس کے یہ کلمات اس قدر پسند آئے تھے کہ ابو ثور سے جو پاس بیٹھے ہوئے تھے کہا "اسکے ان الفاظ کو یاد کر لینا۔ یقیناً امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے دوہرانا ہوں گے" چنانچہ ابو ثور کہتے ہیں کہ جب میں نے مدینۂ طیبہ میں حاضر ہو کے یہ واقعہ اُنکی خدمت میں عرض کیا تو انھوں نے متاثر ہو کے فرمایا "سچ کہتی ہے۔ دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے جسے زمانہ ایک مدت تک عیش و راحت کا موقع نہ دیتا ہو"

اُمِّ جعفر

یہ محترم خاتون عبداللہ بن عرفطہ کی بیٹی تھی۔ مدینۂ طیبہ کے شریف اور معزز و مستند خاندانوں میں سے تھی۔ اور بے نظیر حسن و جمال کے ساتھ دانائی و فراست اور قابلیت و لیاقت میں بھی مشہور تھی۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ اور تابعین کا دور تھا۔ جب شعرائے عرب کا معمول تھا کہ ہمارے شاعروں کی طرح عام حسن کے دلدادہ یا کسی غیر متعین معشوق کے شیدا نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی خاص حسینہ کو چن لیتے اور خیال آرائی کے لیے منتخب کرتے اور بے محابا شعر خوانی کرتے پھرتے۔ پس ظاہر ہے کہ شریف زادیوں کے لیے یہ زمانہ نہایت ہی خطرناک تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ عربوں کا یہ اصول معاشرت کہ جس عورت کے ساتھ کسی کو شادی سے پہلے عشق ہو جائے اُس کے ساتھ نکاح کرنا نہایت ہی معیوب اور موجب بدنامی و رسوائی خیال کیا جاتا۔

غرض وہ ایسا نازک زمانہ تھا کہ امرا و شرفائے عرب کی محفلوں میں اُمِّ جعفر کے حسن و جمال اور اس کی نازنینی و دلبری کی شہرت ہوئی۔ اور جن لوگوں کو کبھی

اُسکے رُخِ زیبا کی زیارت نہین نصیب ہوئی تھی مصداق ع "بسا کین دولت از گفتار خیزد"۔ اُس کی نزاکت و رعنائی کی یاد مین سر دُھننے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس عہد کا مشہور شاعر آحوص اُم حعفر کا عاشق و دلدادہ بن گیا۔ اپنے اشعار مین علانیہ اُس کا نام لیتا۔ ایک ایک کے سامنے اُس کے رُخِ زیبا کو یاد کر کے روتا۔ اور اپنے کلام مین بے تکلف ظاہر کرتا کہ مین اکثر جا کے اُم حعفر سے ملتا ہون۔ اور اُس سے یون راز و نیاز کی باتین ہوتی ہین۔ فلان مقام پر اُس نے مجھ سے یہ کہا اور مین نے اُسے یہ جواب دیا۔ اور فلان مقام پر مجھے اُس کی یہ دلربائی کی ادا نظر آئی اور مین یون کلیجہ تھام کے رہ گیا۔ جب یہ اشعار مشہور ہوے اور احوص کے کلام کی عام مقبولیت کے باعث تمام لوگون کی زبانون پر اُم حعفر کا نام جاری ہوگیا تو اُس پاکدامن خاتون کو کُل شُرفا و معززین بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہان تک کہ اُم حعفر کے عزیز و قریب خاندان کی عصمت و ناموس پر حرف آنے کے خیال سے پریشان اور شرمندہ ہونے لگے۔ اور سب نے ام حعفر کو ڈانٹنا اور سخت و سست کہنا شروع کیا۔ غریب معصومہ نے قسم کھائی کہ مین نے تو کبھی اس ظالم احوص کی صورت بھی نہین دیکھی۔ جانتی ہی نہین وہ کون اور کیسا ہے۔ اور مین تو جانتی ہون کہ اُس نے بھی مجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ یہ فقط اُس کی شرارت و بیحیائی ہے جو مجھے مفت اور بے وجہ بدنام کر رہا ہے" ادھر اُم حعفر اپنی پاکدامنی و عفت کی قسمین کھا رہی تھی اور اُدھر احوص عام مجمعون مین غل مچاتا پھرتا تھا کہ ام حعفر کی نگاہِ ناز یون میرے کلیجے مین اُتر گئی۔ اور یون فلان مقام پر وہ اپنے تمام عزیزون سے چھپ کے مجھے ملی اور مجھے دیوانہ بنا کے چلی گئی۔

آخر اُم حعفر کے بھائی ایمن کو غصہ آگیا۔ اور طیش مین آکے احوص کے پاس کہلا بھیجا کہ "اپنی ان حرکتون سے باز آؤ ورنہ بُرا ہوگا۔ تم ایک شریف زادی کو مفت بدنام کر رہے ہو۔ جس سے اُسکے دامن عفت پر دھبہ لگا جاتا ہے۔ اگر پھر کبھی تم نے اس بارے مین کوئی کلمہ منہ سے نکالا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا" مگر احوص اپنی حرکتون سے باز نہ آیا۔ اور ایمن قطعی طور پر آمادہ ہوگیا کہ کسی وقت اس سے دو دو ہاتھ ہو جائین۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حاکم مدینہ نے اس اندیشے سے

کہ ان دونون کی عداوت سے کہین امن عامہ مین خلل نہ پڑ جائے، دونون کو پکڑ بلایا۔ پھر دونون کے پانؤن ایک رسّی مین بندھوا کے کوڑے دونون کے ہاتھون مین دیے اور کہا "اب دونون لڑو دیکھون کون زیادہ مار کھاتا ہے۔" اس لیے کہ رسّی مین بندھے ہونے کی وجہ سے کوئی بھاگ تو سکتا نہ تھا۔ کمزور اور مغلوب سوا اس کے کہ کھڑے کھڑے مار کھائے اور کچھ نہ کرسکے گا۔

اب دونون زور و شور سے کوڑے بازی کر رہے تھے۔ مگر ایمن کے دل مین شریفانہ غیرت و حمیت کا سچا جوش تھا۔ اور احوص مین علاوہ اسکے کہ شعرا اکثر بزدل ہوتے ہین۔ کذب و افترا کی کمزوری تھی۔ چند ہی کوڑے کھائے تھے کہ کمال بدحواسی کے ساتھ جان چھڑانے کے لیے رسّیان تڑانے لگا۔ اور آخر اپنے آپ کو چھڑا کے نوکدم بھاگا۔ ایمن پیچھے دوڑا اور دُور تک کوڑے مارتا چلا گیا۔ یہان تک کہ احوص کسی گلی مین بھاگ کے غائب ہو گیا۔

اس طریقے سے ایمن نے بخوبی سزا دے لی۔ اور بہت کچھ دل کی بھڑاس بھی نکل گئی۔ مگر جو اصلی مقصد تھا نہین حاصل ہوا۔ اس لیے کہ احوص باوجود بھاگتے پھرنے کے اب بھی اُسی قسم کے اشعار کہتا۔ اور ام جعفر کو اور زیادہ بدنام کرتا پھرتا۔ اب ایمن کے خیال مین سوا اسکے کوئی تدبیر نہ تھی کہ احوص کو جو چھپتا پھرتا تھا کہین ڈھونڈھ نکالے اور جہان ملے بے تامل قتل کر ڈالے۔

اسی اثنا مین ایک دن احوص اپنے احباب کے ایک بڑے مجمع مین بیٹھا ہوا غزلخوانی کر رہا تھا۔ اور لوگ اُس کی نازک خیالیون کی داد دے رہے تھے۔ انھین اشعار مین اُس نے اپنے وہ اشعار بھی سنائے جو ام جعفر کے حسن کی تعریف مین تھے اور جن مین اُس سے ملنے اور وصل کا وعدہ لینے کا تذکرہ تھا۔ ناگہان ایک برقع پوش عورت آئی اور خوشامد کے لہجے مین احوص سے کہنے لگی "آپ نے مجھ سے وہ بھیڑی لی تھی مگر اُس کے دام آج تک نہین دیے۔ اب مین نہایت پریشان و تنگدست ہون لہذا اُسکے دام دے دیجیے۔" احوص نے کہا "مین نے کبھی تم سے کوئی بکری نہین لی۔" عورت بولی "مجھ مفلس و نادار بے کس و بے بس دکھیا کے تم نے انکار کر دیا، مگر مین بے لیے نہ رہونگی۔" یہ کہہ کے اُس نے ایک کاغذ نکال کے ندیمانِ صحبت کے ہاتھ

میں دیا اور رو رو کے کہنے لگی "دیکھیے اس کاغذ پر انھوں نے مجھے لکھ بھی دیا تھا اور آج کس طرح صفائی کے ساتھ مکرے جاتے ہیں؟ زمانے کا یہی حال ہے تو کوئی کیونکر جیے گا؟" لوگوں نے وہ کاغذ احوص کو دیا۔ جسے دیکھ کے اس نے کہا "یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہی نہیں ہے۔ یہ کوئی مکار اور جعلساز عورت ہے جو خواہ نخواہ مجھ سے کچھ روپیے مارنا چاہتی ہے۔" اس کا جواب سن کے عورت نے رونا پیٹنا اور آہ و واویلا کرنا شروع کیا۔ اور آنسو بہا بہا کے کہنے لگی "لوگو خدا کے لیے تمھیں میری مدد کرو۔ میں فاقوں مر رہی ہوں۔ مفلسی نے نان شبینہ تک کو محتاج کر دیا ہے۔ بڑا سہارا ان روپیوں کا تھا جو اس ظالم کے ذمے ہیں۔ افسوس یہ بھی مکر گیا۔ ہائے میں تو مر جاؤں گی۔" یہ عورت کچھ ایسی پھوٹ پھوٹ کے روئی کہ حاضرین کو اس کی حالت پر ترس آ گیا اور سب نے احوص سے کہا "تم کو ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے۔ اس کا جو کچھ باقی ہو اسی وقت دے دو۔" احوص نے کہا "آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں خدا کی قسم اس سے واقف ہی نہیں ہوں۔ جانتا ہی نہیں کہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔"

یہ سن کے عورت بولی "اچھا ظالم رہ۔ تو نے میرے روپیوں سے انکار کیا۔ اپنی تحریر سے انکار کیا۔ کیا اب میری صورت سے بھی انکار کر جائے گا؟ مگر میں بے جھوٹے کو گھر تک پہنچائے نہ رہوں گی۔ اور اپنا روپیہ لے کے جاؤں گی۔" یہ کہتے ہی عورت نے چہرے سے نقاب جو الٹی تو معلوم ہوا کہ ابر میں سے چودھویں رات کا چاند نکل آیا۔ حاضرین کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اور سب بھوچکا رہ گئے۔ اپنا عالم آشوب چہرہ دکھا کے عورت نے کہا "اب تو پہچانا؟ اب بھی انکار کیے جاتا ہے؟" احوص نے کہا "یہ صورت زیبا بھی آج ہی دیکھی ہے۔" سنتے ہی عورت نے اس طرح غل مچا کے رونا پیٹنا شروع کیا کہ بہت سے راہگیر کھڑے ہو گئے۔ اور سیکڑوں آدمیوں کا مجمع ہو گیا۔ جن کے سامنے احوص انکار کیے جاتا تھا کہ میں نے اس نازنین کو کبھی نہیں دیکھا۔" عورت نے کہا "اچھا یوں ہی سہی۔ تو قرآن اٹھا لے کہ آج سے پہلے کبھی تو نے میری صورت نہیں دیکھی ہے۔ تیری جان کو صبر کر کے میں اپنا روپیہ چھوڑ دوں گی۔" احوص بولا "مجھے منظور ہے۔" اور قرآن ہاتھ میں لے کے کہا "میں نے کبھی اس عورت کی صورت نہیں دیکھی ہے۔" احوص نے حلف اٹھایا ہی تھا

کہ عورت نے نہایت ہی جوش و طیش کے ساتھ بڑھ کے احوص کے منہ پر تھوک دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے ماہ وش چہرے کو نقاب میں چھپا کے بولی "لوگو۔ تم سب کے سامنے حلف اٹھا چکا ہے کہ اس نے آج سے پہلے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سنو میں ام جعفر بنت عبداللہ ہوں جس کے عشق کا یہ دم بھرتا ہے۔ اور اپنے اشعار کے ذریعے سے کہتا پھرتا ہے کہ میں اس سے فلاں مقام پر ملی۔ اور میں نے اس طرح اس سے ملنے کے وعدے کیے! یہ سچ ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی بھیڑ یا بکری نہیں خریدی اور نہ اس کے ذمے میرا کچھ باقی ہے۔ مگر اس کے انکار اور حلف اٹھانے سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ کتنا بڑا جھوٹا ہے۔ شریف زادیوں کو مفت بدنام کرتا ہے۔ اور اپنے کذب و افترا پر نادم ہونے کے عوض اور زیادہ اکڑتا اور فخر کرتا ہے۔ بھائی اُن کے ہاتھ سے سزا پانے پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ مگر میں نے آج ایسی سزا دی ہے کہ غیرت دار ہے تو پھر کبھی میرا نام زبان پر نہ لائے گا۔ اور آپ سب صاحبوں کو چاہیے کہ ایسے بدمعاش اور جھوٹے کو ایک گھڑی بھر کے لیے بھی اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں" یہ کہہ کے ام جعفر سب لوگوں کو اس حال میں چھوڑ کے چلی گئی کہ ہر شخص دم بخود تھا۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلتا تھا۔ اور احوص کی یہ حالت تھی کہ سر جو جھکایا تو کسی طرح اوپر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کے قابل نہ تھا

غرض اس واقعے نے احوص کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔ ام جعفر کا خوبصورت چہرہ جیسا روشن و صاف۔ اور اجلا تھا ویسا ہی اُس کا دامن عصمت و عفت بھی قیامت تک کے لیے بے داغ اور پاک و صاف ہو گیا۔ اور احوص ہمیشہ کے لیے ایسا بدنام و ذلیل ہوا کہ پھر کبھی کسی پارسا خاتون کی آبرو پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ آج کل کے ایسے شریف جو اکثر جوب دینی عورتوں کو اپنے شعروں سے ذلیل و ناپاک کرتا۔

قیصرۂ تھیوڈورا

جناب سرور کائنات صلعم کی ولادت سے قسطنطنیہ کی مشرقی سلطنت روم کے تاجدار

جسٹن دوم کے عہد میں ہوئی ہے جو ۵۷۴ء یعنی ولادت محمدی کے چوتھے برس تک قسطنطنیہ کے تخت پر حکومت کرتا رہا تھا۔ اس سے پہلے اُس کا چچا جسٹینین قسطنطنیہ کے تاج و تخت کا مالک تھا اور ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء یعنی ۳۸ سال تک یورپ کی مشرقی دنیا کے سیاہ و سفید کا وہی مالک تھا جسٹینین کے زمانے اور اُس کے حالات پر غور کرو تو عجیب متضاد واقعات نظر کے سامنے آجاتے ہین۔ وہ عقلمند تھا۔ اچھا تھا۔ بڑا زبردست تھا۔ نئے نئے قوانین جاری کیے۔ بہت سے ملک فتح کیے۔ قسطنطنیہ کی جامع آیا صوفیہ کو جو اہل روم کی علم کی دیوی کا مندر تھا ازسرنو تعمیر کرکے عیسائیون کا گرجا قرار دیا۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اُسکے زمانے مین بڑے مظالم ہوے۔ اُس کا عہد فتنون اور ہنگامون سے بھرا ہوا تھا۔ اور اُسے اپنے ملک کے اندرونی جھگڑون اور تعصبات کی بدولت کبھی ایک گھڑی کو بھی اطمینان سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا۔ اور ان سب باتون سے بڑھی ہوئی یہ بات تھی کہ اُس کی بیوی تھیوڈورا تھی جو ایک عجیب غریب عورت تھی۔ جس کے مذاق و اطوار کی دورنگی بابل کی قدیم ملکہ سمیرامیس کی زندگی سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی۔ اور ہمین یقین ہے کہ اُسکے حالات ناظرین دلگداز کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہون گے۔

اُن دنون قسطنطنیہ کے فرمان رواؤن اور امیرون کو قدیم یونانیون اور رومیون کی طرح تھیٹرون اور سرکسون کا بڑا شوق تھا۔ سرکسون مین وحشی درندے عام ناظرین کے سامنے لاکے باہم لڑائے اور بدنصیب مجرمون اور قیدیون پر چھوڑے جاتے تھے۔ جس ضرورت سے اکثر شیرون۔ ریچھون۔ چیتون اور تیندوون کی ایک بڑی بھاری تعداد موجود رہا کرتی تھی۔ انسٹاسیوس قیصر کے زمانے مین قسطنطنیہ مین ان وحشی درندون کا داروغہ اکاکیس نام ایک شخص تھا جو ہمارے ذات بابرکات کامل پاشا کا ہم وطن یعنی جزیرۂ قبرس (سائپرس) کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص سارے قسطنطنیہ اور اُسکی قلمرو مین "ریچھ والا" کہلاتا تھا۔ جو پھبتی صورت و سیرت کے لحاظ سے کامل پاشا پر بھی پوری طرح صادق آسکتی ہے۔ اکاکیس کے ریچھ والا کہلانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ ریچھون کو زیادہ پالتا اور انھین بڑی کاریگری کے ساتھ سدھاتا تھا۔ یہ خدمت معزز ہو یا نہ ہو۔ مگر اس مین شک نہین کہ کل امرا مین وحشی

جانوروں کا تماشا دیکھنے کا شوق ہونے کی وجہ سے رؤسا کے ایک بڑے طبقے پر اُس کا اثر تھا۔ اقاقیوس جب مرا تو اُس نے تین کافر ماجرا بیٹیاں چھوڑیں۔ بڑی تو کومیٹلو منجھلی تھیوڈورا۔ اور چھوٹی انسطاسیہ۔ باپ کے مرنے کے وقت ان میں سے بڑی بچی سات سال سے زیادہ کی نہ تھی۔ بیوہ ماں نے اپنے شوہر کی دارو غگی دوبارہ حاصل کرنے کے لیے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ ایک ایک کے پاس جا کے روئی۔ اور جب دیکھا کہ اس خدمت کے سرانجام دینے کے لیے کسی مرد کی شدید ضرورت ہے تو جھٹ پٹ نکاح کر کے اپنے شوہر کا نام بھی دربار میں پیش کر دیا۔ مگر سماعت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

اب اُس نے اپنی تینوں کمسن نادان اور بھولی بھالی بچیوں کو فریادیوں کے لباس پہنا کے تھیئٹر میں بھیجا۔ اُن دنوں رومی رؤسا و امرا دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سبز بانے والے۔ اور نیلے بانے والے (جن کے مفصل حالات ہم انشاءاللہ کسی آیندہ نمبر میں لکھیں گے) ان دونوں گروہوں میں باہم سخت رقابت تھی۔ اور ہمیشہ چشمک رہا کرتی تھی۔ یہ خوبصورت ننھی ننھی فریادنیں اُن کے سامنے گئیں تو سبز بانے والوں نے اُن کی تحقیر و تضحیک کی اور نیلے بانے والوں کو اُن پر ترس آیا۔ مگر ماں کا مطلب اب بھی نہ حاصل ہوا۔

ان حسین لڑکیوں میں سے منجھلی تھیوڈورا سب میں زیادہ حسین و نازنین اور سب سے بڑھ کے ذہین و ہوشیار تھی۔ نیلے بانے والوں کا یہ سلوک اُس کے دل پر نقش ہو گیا۔ اور جب موقع ملا تو اپنا بدلا لینے میں اُس نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ پری جمال تھیوڈورا اُن دنوں اگرچہ ایک بیکس و بے یار یتیمہ تھی اور قسطنطنیہ کے لوگوں نے اُس کی پامالی میں کوئی بات اُٹھا نہیں رکھی تھی مگر تقدیر برسر یاری تھی۔ اور خود قدرت نے عجب عالمگیر قوت کے ساتھ اُسے پالنا۔ نشوونما دینا۔ اور حسن و جمال کو چمکانا شروع کیا۔ اُس کے اُٹھتے ہوئے شباب اور اُسکی کافر ماجرائی کی اداؤں کو دیکھ دیکھ کے سارے زمانے کی زبان پر تھا کہ اب تو "نشہ ہے کوئی دن میں قیامت ہو گی"

یہ تینوں لڑکیاں جب جوان ہوئیں تو اپنی بے بسی و بیکسی سے اور نیز اس وجہ

سے کہ کوئی مربی سر پر نہ تھا اہل قسطنطنیہ کی جلوت و خلوت کی دلچسپیاں اور عشرت پرستیوں کا مشغلہ بن گئیں۔ اندرونی زندگی میں اُن کو شوقین روساے شہر نے بے آبرو کیا اور اُنکی ظاہری زندگی یہ تھی کہ خوبصورت ایکٹرسوں کی طرح اسٹیج پر آکے اپنے ناز و کرشمے سے ناظرین کی دلربائی کرتیں۔ پہلے بڑی بہن کومیٹو اسٹیج پر آئی۔ اور اُس کے بعد جب تھیوڈورا بھی اسٹیج پر آکے نمودار ہوئی تو اُس کے حسن و جمال نے اُسوقت کے قسطنطنیہ میں ہلچل سی ڈالدی۔ جب وہ ایک نوعمر خوبصورت غلام کے بھیس میں ایک تپائی پر سر رکھے اسٹیج پر آتی تو ہزاروں تماشائی دل مسوس کے رہ جاتے۔ اور جو جو وہ آزادی و بیباکی سے اپنی دلفریب ادائیں دکھاتی لوگوں کے دل ہاتھ سے نکلے جاتے۔ وہ نہ کبھی ناچی نہ گائی۔ نہ اُس نے بانسری بجائی۔ صرف اپنے ناز و انداز کے کرتب دکھائے۔ اور اپنے پیدائشی حسن کے کرشموں سے دنیا کو جیتنا شروع کیا۔ اکثر مذاق کے کھیلوں میں وہ یک بیک کچھ ایسی دلربائی کی ادا سے منہ پھلا لیتی۔ اور ایسے مضحکہ خیز لہجے اور آواز میں شکوہ کرتی اور بگڑ کے ڈھیلے ہاتھوں سے مارنے لگتی کہ دیکھنے والے آپے سے باہر ہو جاتے اور ہزارہا خلقت سے تحسین اور تعریف کے نعرے بلند ہوتے۔ اُسکے دلفریب حسن پر اُس کی یہ شوخ ادائیں اور چلبلے پن کی حرکتیں ایسا زیب دیتی تھیں کہ جو تھا اُس کا فریفتہ تھا۔ اُسکے خط و خال نہایت ہی لطیف و نازک تھے۔ اور مصوروں اور شاعروں کا خیال حسن کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ تصویر کھینچ سکے تھیوڈورا کا پیارا چہرہ اُس پر غالب ہی آجاتا۔ رنگت کسی قدر زرد اور گندمی تھی۔ اور اُس میں ایسی فطرتی دلکشی تھی کہ اُس کے خوبصورت چہرے کو دلوں کا مقناطیس کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔ شوخ آنکھیں چلبلے پن کے ساتھ ہر وقت چلتی ہی رہتیں اور اُس کی ہر حرکت اور اُس کے ہر انداز میں اپنا تھوڑا سا جادو اس طرح شریک کر دیا کرتیں کہ کوئی دل نہ تھا جس پر اُسکا جادو چل نہ جاتا۔ اُسکی بات بات میں نزاکت تھی اور ہر ہر ادا میں لگاوٹ۔ غرض ایک فتنہ تھا کہ اُس کے سامنے سارے فتنے دب گئے۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ایسے اعلیٰ درجے کے حسن کی سخت بے وقعتی ہو رہی تھی

اس لیے کہ یہ آفتابِ حسن عوام کی نظروں کے سامنے تھا۔ ہر شخص کے شہوت پرستی کے جذبات اُسے نہایت ہی آسانی و سہولت سے حاصل کر سکتے تھے۔ اور ایسا بے مثال جمال تمام زناکار لوگوں کے لیے عام اس سے کہ خاص شہری ہوں یا آفاقی اور چاہے کسی طبقے اور درجے کے ہوں اور کوئی پیشہ و حرفہ کرتے ہوں بے عذر موجود تھا۔ عشاق کے ہجوم اور حسن پرستوں کی مزاحمت نے اکثر یہ رنگ بھی دکھایا کہ ایک عاشق اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوا اُسکے بستر عیش پر پہونچا مگر اُسی رات کو کسی دوسرے زبردست اور دولتمند عاشق نے اُسے ڈھکیل کے تھیوڈورا کے بستر عیش پر اپنا قبضہ جما لیا۔ آخر یہاں تک نوبت پہونچی کہ جب وہ سڑکوں پر گذرتی تو جو لوگ بدتہذیبی و بےحیائی سے بھاگتے یا جو ایسی ہرجائی نازنین کے عاشق و فریفتہ ہو جانے سے ڈرتے منہ چھپا کے یا راستے سے کترا کے نکل جاتے۔ یہی [illegible] رہتیں۔ مورخین ڈرا یا بتاتے ہیں کہ تھیوڈورا کی بےشرمی آخر اس درجے کو پہونچ گئی تھی کہ بارہا پبلک اسٹیج پر برہنہ آ کے اُس نے اپنے ہنر اور اپنے ناز و انداز دکھائے عیش پرستی کے فنون لطیفہ میں پختگی کے بعد وہ فطرت کے اس بخل کی شکایت کرتی کہ انسان کو اُس نے عیش کے برداشت کرنے کی بھی کس قدر کم طاقت دی ہے۔ شائستگی کی زبان اس قسم کے واقعات کو ہمیشہ پردے میں رکھا کرتی ہے مگر تھیوڈورا کی بے اعتدالیاں اس درجے کو پہونچ گئی تھیں اور اُس کے شہوت رانی کے جذبات اور اُسکے عیاشانہ ہنر اس قدر اعتدال سے باہر تھے کہ کسی پردے میں چھپ نہیں سکتے۔ بہرحال قسطنطنیہ کے معزز طبقے والوں اور عام دولتمندوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی باقی رہا ہوگا جس نے تھیوڈورا کے حسن و جمال کے مزے نہ لوٹے ہوں۔

تھیوڈورا [illegible] حسن پرستانِ قسطنطنیہ کی دیوی اور بےشرمی کی ملکہ بنی رہنے کے بعد وہ اقبولوس نامی ایک معزز شخص کے گھر بیٹھ گئی۔ اور اقبولوس مصر اور افریقیہ کا گورنر مقرر ہو کے اپنے علاقے کو گیا تو اُس کے ساتھ وہ بھی روانہ ہوئی۔ مگر قیامت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ اقبولوس اُس کی پرستش کرتا تھا اور اُس کی حکومت و دولت کا زیادہ حصہ اُسی کی ناز برداری میں صرف ہو جاتا تھا مگر وہ اپنی اندرونی عشقبازیوں سے باز نہ آتی۔ ظاہر میں اقبولوس کی پابند تھی اور باطن میں دیکھیے تو اندر ہی اندر

بہتون سے تعلقات تھے۔ جسے اِسکی عادت پڑگئی ہو کہ سیکڑون سے آنکھین لڑائے اور بیسیون کا آغوش شوق گرم کرے اُس سے ایک کا ہو کے رہنا بہت دشوار تھا آخر اِکیبولس نے تنگ آکے ایسی فضول خرچ اور بے عصمت معشوقہ کو نکال باہر کیا۔

اب تھیوڈورا بے یار و مددگار بے انیس و ہمدم اسکندریہ کی سڑکون پر افلاس و فلاکت زدگی کی حالت مین ماری ماری پھرتی تھی۔ مگر اُس کے بے مثل بے نظیر حُسن سے بڑا مددگار کون ہو سکتا تھا؟ اُسی کے کرشمون سے انسانون کا شکار کھیلتی اور قدم قدم پر خلقت کو اپنا اسیر گیسو بناتی ہوئی خشکی کی راہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ارض شام سے ایشیائے کوچک کے آخر تک ہر مقام مین اُس کا گذر ہوا۔ اور ہر شہر نے اس حسین و بے مثال قبرسیہ کے حُسن کے مزے لوٹے۔ جہان گئی لوگ اُس کے غیر معمولی حُسن کی وجہ سے اُسے کوئی انسان سے مافوق مخلوق حور یا دیوی خیال کرنے لگے۔ یونانیون کے حسن کی دیوی وینس (زہرہ) بھی جزیرہ قبرس ہی مین پیدا ہوئی تھی۔ لہذا عام خیال تھا کہ یہ نئی مہ جبین اگر وینس کا کوئی نیا روپ نہین تو اس کی نسل سے ضرور ہے۔

تھیوڈورا اس بات کو بخوبی سمجھی ہوئی تھی اور روز بروز سمجھتی جاتی تھی کہ دنیا مین فتحمند و کامیاب ہونے کے لیے خدا نے مجھے جو سلاح دیا ہے وہ میرا عالمگیر حسن ہے لہذا اُس کی حفاظت اور اُسکے اُبھارنے اور چمکانے مین کبھی ذرا بھی غفلت و کوتاہی نہ کرتی۔ خاصةً اس بات کی تدبیرون مین ہمیشہ لگی رہی کہ کوئی بچہ نہ پیدا ہونے پائے۔ لیکن اس آوارہ گردی کے زمانے مین جب وہ روز نیا دانہ کھاتی نیا پانی پیتی اور نئے پلنگ پر سوتی تھی ایک بار تقدیر کی گھات مین پھنس ہی گئی۔ حمل رہ گیا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوا جسے اُس نے کسی معزز سردار کے سر تھوپا۔ اور اسی کے آغوش مین دے کے آگے بڑھی۔

اب تھیوڈورا کی عام دلربائیون سے اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے کہ لوگ اُس کی لگاوٹ مین آکے اُس کے حجلۂ ناز مین باریاب ہوتے۔ مگر چند ہی باتین کرنے پاتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص آ کے اُنھین وہان سے نکال باہر کرتا اور خود اُس کا شانۂ عیش کا مالک بنجاتا۔ ان واقعات نے [illegible] مین مشہور کیا کہ جیون

اور دیوزادون سے اُسکے تعلقات ہین - اور یہ اُنھین کا کام ہے کہ جو کوئی اُس کے دل مین جگہ پاسکے اُسکی خواب گاہ تک پہونچ جاتا ہے اُسے اُٹھا کے پھینکدیتے ہین - اپنی بیوفائیون اور زرپرستیون پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا عجب کہ خود تھیوڈورا ہی نے اس خیال کو پھیلایا ہو -

اسی اثنا مین اُس نے خواب دیکھا کہ "مین کسی بڑے زبردست شہنشاہ کی کی ملکہ ہون اور ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہون" یہ خیال اُسکے دل مین اس قدر جم گیا کہ اُسی خیال کا پلاؤ پکاتی ہوئی قسطنطنیہ مین آئی - مگر اس عظمت و سلطنت کی آرزو نے یکایک اُس کا مذاق بدل دیا - اور اُس کی زندگی مین اتنا بڑا تغیر ہوگیا کہ گویا وہ کوئی دوسری تھیوڈورا تھی - اب بجاے سڑکون پر مارے مارے پھرنے ایک ایک سے آنکھ لڑانے - دلون پر نگاہ ناز کے تیر برسانے - اور ہر راہرو کو اسیر گیسو کرنے کے عوض وہ خودداری اور رکھ رکھاؤ سے رہنے لگی - اور پاکدامن بہو بیٹیون کی سی وضع اختیار کرلی - ایک چھوٹے سے مکان مین خاموشی کے ساتھ رہتی تھی - اُون کات کات کے پیٹ پالتی تھی - اور گویا کسی سے مطلب ہی نہ تھا اگرچہ ساری دنیا جانتی تھی کہ وہی حسن فروش تھیوڈورا ہے - جو ہزارون آدمیون کا پہلو گرم کرچکی ہے - اور اُس کے حالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے - مگر اس انقلاب مزاج اور اس کایا پلٹ کو دیکھ دیکھ کے ہر شخص حیران و متعجب ہو رہا تھا -

ان دنون جسٹن اول قیصر روم کا بھتیجا جسٹنین قسطنطنیہ مین شہنشاہ کے بعد سب سے بڑا بطریق اور صاحب اثر شخص تھا - جو ایک حسین و خوشرو نوجوان تھا - اور اپنے چچا کی طرف سے دولت مشرقی روم کی ساری قلمرو پر حکومت کر رہا تھا - اتفاقاً کسی موقع پر تھیوڈورا کے چہرے پر جسٹینین کی نگاہ پڑ گئی اور دیکھتے ہی شیدا ہوگیا - ع - وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی - اگر تھیوڈورا وہی پہلی تھیوڈورا ہوتی تو اس نئے عشق کا جھگڑا ابھی دو چار روز کی شہوت رانی پر ختم ہو جاتا - مگر اب اُس نے اپنے آپ کو روکا - اور جس دولت حسن کو کمال بے پروائی کے ساتھ وہ ہر ذلیل شخص کی طرف پھینکدیا کرتی تھی اس موقع پر اُسے ذرا روک کے رکھا اور جسٹینین کی آتش شوق بھڑک بھڑک کے خوب تیز ہو گئی - آخر تھیوڈورا نے

چند روز تک اُسے ہجر و فراق کی تکلیفوں کا مزہ چکھا کے اور اپنے وصل کی قدر و قیمت بتا کے اُس سے تعلق پیدا کر لیا۔ یہ تعلق اگرچہ ناجائز اور غیر مستقل تھا مگر تھیوڈورا نے بڑی ہی عقلمندی اور ہوشیاری سے کام لیا۔ ملنے پر بھی رکتی۔ اور روز بروز اُس کے دل پر زیادہ قبضہ کرتی جاتی۔ اپنے برتاؤ سے کچھ ایسا خلوص اور ایسی سچی محبت ظاہر کی کہ جسٹی نین کا دل اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اور جسٹی نین کی تمام آرزوؤں اور مسرتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ تھیوڈورا مسرور و شاد کام ہو اور ملک بھر میں اُس سے زیادہ معزز و محترم اور دولتمند کوئی نہ ہو۔ اُسے یقین ہو گیا کہ میں زندگی کے کسی مرحلے پر بغیر تھیوڈورا کی رفاقت کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخر اُس نے اپنے اقتدارات سے مشرقی سلطنت روم کا سارا خزانہ تھیوڈورا کے قدموں پر لا کے ڈال دیا اور دل میں ٹھان لی کہ میں اسے مذہبی رسوم و آداب کے ساتھ اپنی بی بی اور اپنی شریک زندگی بناؤں گا۔ مانا کہ یہ کل تک ایک فاحشہ عورت تھی مگر آج تو پاکدامن خاتون اور میرے دل و جان کی مالک ہے۔"

مگر دشواری یہ تھی کہ اول تو روم کے قانون میں صراحتاً موجود تھا کہ سینیٹ (مجلس حکمرانی) کا کوئی معزز ممبر کسی ایسی عورت کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا جو بے آبرو ہو۔ یا ادنیٰ درجے کی ہو، یا کبھی اسٹیج پر آ چکی ہو۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ موجودہ قیصرۂ روم یعنی اُس کی چچی لو پی سینیہ جو اگرچہ خود ایک وحشی قوم کی نسل سے تھی مگر نہایت ہی پاکدامن تھی اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کسی بازاری کسبی کو اپنی بہو ہرگز نہ بناؤں گی۔ خود جسٹی نین کی ماں وی جی لانشیہ نے باوجود یکہ تھیوڈورا کے حسن و جمال کو بہت ہی پسند کیا مگر اس اندیشے سے بہو بنانے پر وہ بھی راضی نہ ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو یہ مکار حسینہ میرے بھولے بھالے بیٹے کے اخلاق اور اُس کی مسرتوں میں فرق ڈال دے۔ مگر جسٹی نین کو یہی دھن تھی کہ شادی کروں گا تو تھیوڈورا سے۔

اُس نے ماں کی مخالفت کی تو پروا ہی نہ کی۔ جو نہایت دلگرفتگی کے ساتھ خاموش ہو رہی۔ چچی کا البتہ اندیشہ تھا۔ اس لیے کہ وہی وارث تاج و دیہیم تھا اور چچی کے ناراض کرنے میں سلطنت سے محروم ہو جانے کا خوف تھا۔ اسلیے

خاموشی کے ساتھ اُس کے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسی درمیان مین اُس نے اپنے چچا کو سمجھا بجھا کے اور نہایت ہی دانائی سے کام لے کے اس مضمون کا ایک فرمان جاری کرا دیا کہ "قدیم رسوم کی پابندی کی کسی کو کچھ ضرورت نہین ہے۔ اور اس بارے مین جو پرانے قوانین مروج ہین منسوخ تصور کیے جائین"۔ اس حکم نے اُن تمام محروم القسمت عورتون کے گھرون مین گھی کے چراغ جلا دیے جنھون نے کسی معزز رکن سلطنت کو اپنے حسن و جمال پر لبھا کے اور اُس کے دل پر قابو پا کے اُسے نکاح کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر قانون کی گرفت سے مجبور تھین۔ اور کوئی زور نہ چلتا تھا۔ اب اُنھین آزادی حاصل تھی کہ جس بڑے سے بڑے امیر سے چاہین شادی کرین۔ اور خوشیان منائین۔ اس نئے قانون پر عملدرآمد شروع ہی ہوا تھا کہ قیصرہ مر گئی۔ جسٹی نین کے لیے میدان صاف تھا۔ بڑی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک و احتشام سے شادی ہو گئی۔ اور جسٹی نین کسی پاکدامن دوشیزہ کی طرح ملکہ فریب تھیوڈورا کو بیاہ لایا۔ اب تھیوڈورا قسطنطنیہ کی ساری معزز بیگمون، محترم شاہزادیون اور قسطنطنیہ کی کل شریف زادیون کی سرتاج تھی۔ اسی درمیان مین جسٹن قیصر نے جسٹی نین کو باضابطہ طور پر اپنا ولیعہد قرار دیا۔ اور جس وقت شہنشاہ اور معتقد اعظم نے حسب رسوم مروجہ جسٹی نین کو خلعت ارغوانی پہنا کے تاج قیصری اُس کے سر پر رکھا تو دوسرا خلعت و تاج اُنھین اپنے معزز و متبرک ہاتھون سے تھیوڈورا کو بھی پہنانا پڑا جو نہایت ہی تمکنت سے اُس کے برابر کھڑی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ "شرافت و پاکدامنی پر حسن یون فتح پاتا ہے!" مگر یہ عزت بھی تھیوڈورا کی نظر مین کچھ زیادہ نہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ معمولی قسم کی عزتین جو رومی آداب سلطنت نے شاہزادیون نواب زادیون اور معزز طبقے کی بیگمون کے لیے مقرر کر رکھی تھین وہ نہ تھیوڈورا ہی کے لیے کافی تھین اور نہ اُس کے عاشق جسٹی نین کی تمنا و آرزو کی پوری کرنیوالی تھین۔

جسٹی نین کو ولیعہد مقرر ہوے پورے دو سال بھی نہین ہوے تھے کہ شہنشاہ جسٹن اول آغوش لحد کے سپرد کیا گیا اور جسٹی نین نے قیصر روم اور قسطنطنیہ کا شہنشاہ قرار پا کے تاج جہانبانی سر پر رکھا۔ اور تخت پر قدم رکھتے ہی اُس نے تھیوڈورا

کو بھی اپنے برابر بٹھا کے صاحب تاج و تخت بنایا - یوں تو ہر بادشاہ بیگم روم میں ایک خاص شان اور خاص اثر رکھتی آئی تھی مگر تھیوڈورا دستور سابق کے خلاف ایک مستقل شریک سلطنت تسلیم کی گئی - اور تمام والیان ملک کے نام رعایا سے عہد وفاداری لینے کے جو فرمان جاری ہوے وہ صرف جسٹی نین نہیں بلکہ اُس کے اور تھیوڈورا دونوں کے ساتھ عہد وفاداری کرنے کے بارے میں تھے - اور جو برتاؤ ہندوستان میں جہانگیر نے نورجہان کے ساتھ کیا تھا وہی قسطنطنیہ میں جسٹی نین نے تھیوڈورا کے ساتھ کیا - گو کہ تھیوڈورا کو نورجہان سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی نورجہان پاکدامن اور عفیفہ تھی - اور تھیوڈورا ایک بازاری عورت اور انتہا درجے کی بدنام فاحشہ - مگر تقدیر دونوں کی ملتی جلتی تھی - پھر تقدیر جسٹی نین کی سرپرآرائی کے ساتھ ہی مشرقی دولت روم کی ساری رعایا تھیوڈورا کے آگے سجدے میں گر پڑی - اور وہی بازاری کسبی جس نے بیشمار خلقت کے سامنے قسطنطنیہ کے تھیٹر میں اسٹیج پر نقالی کی تھی - اسی شہر میں متین و سنجیدہ مجسٹریٹوں - مقدس دیندار اُسقفوں - فتحمند سپہ سالاروں - اور اسیر شدہ شاہان ارض سب نے اُسے بلا تامل اپنی ملکہ اور اپنی جان و مال کی مالکہ تسلیم کر لیا -

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بے عصمتی عورت کی ساری خوبیوں کو مٹا دیتی ہے - اسی خیال کے لوگ غالباً اُن مورخوں کے بیان کو بڑے شوق اور بڑی دلچسپی سے سنیں گے جو تھیوڈورا کو ہر بات پر الزام دیتے ہیں - اُس کی برائیاں بتانے میں مبالغہ کرتے ہیں - اور اُس کے ہنروں کو بھی عیب بنا کے دکھاتے ہیں - اس میں شک نہیں کہ اُسے ہر صحبت میں جو انانہ شہوت پرستی کے الزام دیے جاتے تھے - اور ہر شخص جو اُس کے حسن سے لطف اُٹھا چکا تھا اُسے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا - اور اسی ندامت سے تھیوڈورا کو بھرے دربار میں اہل دربار سے چار آنکھیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی - خواہ ندامت یا تو ہین و تحقیر کے ڈر سے جوان تک بنتا وہ عام مجمعوں میں آنے سے بچتی - اور کسی ایسے بڑے دربار میں بلائی جاتی تو انکار کر دیتی - اسی قدر نہیں وہ دار السلطنت قسطنطنیہ میں رہنے سے بھاگتی - اور اُس کا سال کا زیادہ حصہ اُن عالیشان قصروں - باغوں کو شکوں

اور نزہت گاہون مین گذرتا جو لیپانٹ اور باسفورس مین سمندر کے کنارے بنے ہوے تھے۔
یہان اُس کی زندگی عیش و تنعم اور خودآرائی مین بسر ہوتی۔ ہوشیار مشاطائین اُسکا بناؤ سنگار کرتین۔ اس کے چاند سے چہرے کی آب و تاب کو چمکاتین۔ اور اُس حسن و جمال کی آبیاری کرتین جس نے جسٹی نین کے دل کو ہاتھ مین لے کے ساری دنیا کو مفتوح کر لیا تھا۔ حمامون مین نہا نہا کے نکھرتی۔ میز پر بیٹھ کے الوانِ نعمت کا مزا لیتی۔ عشرت گاہون مین بیٹھ کے اپنی خواصون سے ہنستی بولتی۔ اور نرم و نازک سہریون پر لیٹ کے جوانی کی نیندین لیتی۔ اُسکے حضور ی کے اسٹاف مین حسین و خوش سلیقہ خواصین، نازک اندام و خوش رو نوعمر لڑکے۔ اشارون پر دوڑنے والے خواجہ سرا اور صدہا غلام تھے۔ جن کے جھگڑے چکانے مین اُسے گھر بیٹھے عدالت و حکمرانی کا مزہ آجاتا۔ اس کے خلوت کدے کے قریب وہ دیوانخانہ تھا جس مین بڑے بڑے ارکان دولت۔ امرا و رؤسا۔ سپہ سالار اور وزرا۔ رہبا اور مقتدا باریابی و آستان بوسی کی تمنا مین آ کے جمع ہوتے۔ گھنٹون انتظار کرتے۔ اور اُمیدواری کی سختیان برداشت کرنے کے بعد اُنھین صرف اتنی اجازت ملتی کہ ادب و تعظیم سے آ کے تھیوڈورا کے قدمون کو بوسہ دین اور نظر نیچی کیے واپس چلے جائین۔ اکثر ایسے موقعون پر یہ منظر دیکھ کے خود اُس کا دل دھڑکنے لگتا کہ وہی امیر جس نے کبھی اُس کے حسن و جمال کے مزے لوٹے تھے اُسے آغوش شوق مین بٹھایا تھا اُس کے لب لعلین کے بوسے لیے تھے آج اس بات کو اپنی بڑی اقبالمندی سمجھتا ہے کہ اُس کے قدمون کو چوم سکے۔ تھیوڈورا کو اس کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر جسٹی نین مر گیا تو میرا کوئی نہ ہوگا۔ اور وہ لوگ جو آج میری پرستش کر رہے ہین میری تذلیل کے درپے ہو جائین گے۔ اس خیال سے اُس نے اتنا روپیہ جمع کر لیا۔ تاکہ وقت پڑنے پر کم از کم اتنا تو ہو کہ مین کسی کی محتاج نہ ہون۔

مگر سب سے بڑی قیامت یہ تھی کہ تھیوڈورا کے دل سے یہ خیال کسی طرح نہ جاتا تھا کہ لوگ مجھے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہین۔ یہ خیال بڑھتے بڑھتے جنون اور وہم کے درجے کو پہونچ گیا۔ اُس نے ہزارون جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو محلون محلون مارے مارے پھرتے۔ اور گھر گھر کی خبر لیتے۔ اور روز آ کے اُسے

خبر دیتے کہ فلان شخص نے آپ کی نسبت یہ کلمہ کہا - فلان نے آپ کو یہ الزام دیا - فلان آپ کو یہ کہتا تھا - اور فلان آپ پر یہ حملہ کرتا تھا - اس قسم کی صدہا رپورٹین روزانہ اور وہ ہر ایک سے بدگمان ہوتی جاتی - ایسے لوگون کے سزا دینے کے لیے جن کی نسبت ایسی مخبریان ہوتین اُس نے ایک بڑا بھاری خوفناک اور زمین دوز تہ خانہ بنا رکھا تھا - جو ایک طلسمی راز تھا - اور کسی کو اُس کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے - جاسوس جن لوگون کی نسبت ایسی مخبری کرتے - دو تین روز کے بعد وہ یکایک گھر سے یا راہ چلتے سے غائب ہو جاتے اور اسی قید خانے مین لا کے ڈال دیے جاتے - بغیر کسی تحقیقات کے اور بغیر اسکے کہ کسی عدالت نے فیصلہ کیا ہو یہ لوگ زبردستی چُرا لائے جاتے اور اس قید خانے مین بند ہوتے جہان رحم اور ترس کھانے کے نام سے بھی کوئی آشنا نہ تھا - آسمان کبھی کسی کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا - سورج کی روشنی وہان تک پہونچ نہ سکتی - اور اندھیرے مین روشنی لے کے کوئی بڑی ہی سنگدل اور ظالم عورت آتی جو تمام اسیرون کو کوڑون سے پٹواتی - اُن پر طرح طرح کے عذاب کرتی اور اُنھین ہر قسم کی تکلیفین دیتی - زمین کے اندر یہ مظلوم ستم زدہ درد و تکلیف سے چیختے چلاتے - دہائیان دیتے - ایک ایک کی خوشامد کرتے - مگر کوئی اُن پر ترس نہ کھاتا - اور نہ کبھی اُنکی آہ و زاری سُنی جاتی - غرض بیان ایسی روح فرسا اور جان گزا تکلیفین دی جاتین کہ بہت سے لوگ اسی قید خانے مین تکلیفین اور اذیتین اُٹھاتے اُٹھاتے مر گئے - اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوے اور کہان گئے - بعض برگشتہ بخت ناشاد و چھوٹ کے بھی آئے تو اس قابل نہ تھے کہ زندگی سے لطف اُٹھائین یا کسی کو دنیا مین مُنہ دکھائین - کیونکہ کسی کی ناک غائب تھی - کسی کے کان کٹ گئے تھے - کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تھی - کسی کا کوئی اور عضو کاٹ لیا گیا تھا - اور پھر اسکے ساتھ اکثر مخبوط الحواس تھے - اور دل و دماغ نہین ٹھکانے رہے تھے - ماسوا اسکے اُنکی تمام دولت جائداد تباہ کر دی جاتی - اور قید خانے سے باہر آنے کے بعد وہ سڑکون پر مارے مارے پھرتے - پڑ رہنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہ نصیب ہوتی - اور اپنی ناکارگی کی حالت اور تباہی و بربادی سے دنیا کے سامنے ثبوت دیتے کہ اُس کے انتقام کا زندہ ثبوت

پیش کیا کرتے ۔ اُس کے ہاتھ کے سزا یابون مین عوام ہی نہین بلکہ ارکان سلطنت اور محترم مقتدایان دین بھی تھے ۔ ایسے معزز مجرمون کی نسبت قتل وغیرہ کی سزا دینے کا حکم دیتے وقت تھیوڈورا اپنے معتمد علیہ داروغہ تتاری سے کہتی "اگر میرے حکمون کی تعمیل مین تم نے ذرا بھی کمی کی تو مین اُسی خدا کی قسم کھا کے کہتی ہون جو ہمیشہ زندہ رہے گا کہ تمھاری کھال کھنچوا لون گی"۔ رہائی پانے والون مین زیادہ تعداد اُن نوعمر لڑکون کی تھی جن کی نسبت وہ بدگمان ہو گئی ہوتی۔

ہم بیان کر آئے ہین کہ ایشیائے کوچک مین تھیوڈورا ایک لڑکا جن کے کسی اپنے منظور نظر آشنا کے پاس چھوڑ آئی تھی ۔ اُس لڑکے کو اُس شخص نے بڑی حفاظت سے پالا ۔ اس راز کو اُس نے مخفی رکھا کہ اُس کی ماں تھیوڈورا ہے جب اُسے یہ خبر پہونچی کہ اب تھیوڈورا قیصرۂ روم اور شہنشاہ قسطنطنیہ کی شریک زندگی و شریک سلطنت ہے تو اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو ماں کی ماتا جوش مارے اور اس لڑکے کو زبردستی چھنوا لے ۔ اُس نے اس بچے کو ارض عرب مین بھیجدیا ۔ جہان کی آزاد سرزمین روم و فارس دونون کی دسترس سے باہر تھی ۔ اسکے بعد جب وہ شخص بیمار ہوا اور جانا کہ میرا یہی مرض موت ہے تو اُس نوعمر لڑکے کو عرب سے بلوایا ۔ اور مرنے سے چند ساعت پہلے بستر مرگ پر پڑے پڑے اُسے بتایا کہ "تمھاری ماں اسوقت دُنیا کی سب سے بڑی ملکہ اور قسطنطنیہ کی شہنشاہ بیگم تھیوڈورا ہے"۔ اس راز کے کھُلتے ہی سادہ مزاج لڑکے کے دل مین خدا جانے کامیابی و مقصد وری اور دولتمندی و حکومت کی کیسی کیسی آرزوئین پیدا ہو گئین کہ باپ کو آغوش لحد کے سپرد کرتے ہی قسطنطنیہ کی راہ لی ۔ اور قیصرہ کے محل کے پھاٹک پر پہونچ کے اپنے آنے کی خبر کرائی ۔ تھیوڈورا یہ سنتے ہی چونک پڑی ۔ اُردابیگنی (عرض بیگن) کو حکم دیا کہ اُسے قدر و منزلت سے اندر لے آؤ ۔ لڑکا خوش خوش اندر گیا ۔ ماں کے تخت کے سامنے ادب سے زمین بوس ہوا ۔ ماں نے اُس پر سر سے پانون تک ایک نظر ڈالی ۔ اور پھر پتہ نہ لگا کہ وہ کہان گیا اور کیا ہو گیا ۔ تھیوڈورا کی زندگی ہی مین نہین اُس کے مرنے کے بعد بھی پھر کسی نے اُس لڑکے کی صورت نہ دیکھی ۔ اور یقیناً وہ اُس دوزخ مین پہونچ گیا ۔ اُسکے زمانے والے اُس سے

اس قدر جلے ہوئے تھے کہ اُسکے عقائد اور مذہب پہ بھی اعتراض کرتے اور اُسے لا مذہب کہتے ہیں - مگر یہ صرف تعصب ہے - وہ دل سے سچی مسیحیہ تھی - اور مسیحیت کی ترقی اور دینی خدمات کی جانب اپنے شوہر کو ہمیشہ متوجہ کرتی رہی - لیکن لا مذہب نہ ہونے پر بھی اس مین شک نہین کہ وہ متکبر - حریص - طامع اور ظالم تھی محض ظالم ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ مسیحیہ نہ تھی تاریخ عالم کی تغلیط کرنا ہے - وہ تو ایک نفس پرست اور بد اطوار ملکہ تھی اچھے اچھے پا بند دین اور خدا پرست مسیحیون نے انتقام لیتے وقت روم کے بت پرستون پر - یہودیون پر - مسلمانون پر جیسے جیسے مظالم کیے ہین اُن سے تھیوڈورا کی سنگدلیان کچھ زیادہ بڑھی ہوئی نہین -

اب بمصداق ع عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو - ہم تھیوڈورا کے بعض محاسن بھی بیان کرتے ہین - اُس کی سب سے بڑی ایک خوبی یہ تھی کہ شہنشاہ جسٹی نین کے نا قابلِ برداشت غیظ و غضب کو ہمیشہ اعتدال پر لے آتی - اس مین شک نہین ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو جسٹی نین نہایت ہی ظالم و جابر اور اُس کے ساتھ ہی بہت ہی ناکام و نامراد بادشاہ ثابت ہوتا - اور غالباً اسکو ہر واقف کار تسلیم کرے گا کہ جسٹی نین مین جتنی خوبیان تھین وہ اُس کی نہین بلکہ اصل مین تھیوڈورا کی خوبیان تھین - دینداری اور جرأت و شجاعت کے سارے کامون مین جسٹی نین کے نام کے ساتھ تھیوڈورا کا نام یکسان عزت و وقعت کے ساتھ شامل تھا - اور یہ ایسی نیکی تھی کہ اُس کے دشمن بھی امید دلاتے ہین کہ باوجود تمام گناہون کے شاید وہ اُس کی نجات کا ذریعہ ہو سکے -

ہر شخص کو اپنے گروہ والون سے زیادہ ہمدردی ہوا کرتی ہے - اس لیے کہ اُنکی تکلیفون اور مصیبتون سے جس قدر وہ واقف ہوتا ہے دوسرا نہین ہو سکتا چنانچہ تھیوڈورا کو سب سے زیادہ ہمدردی عصمت فروش و ناکام رنڈیون سے تھی - اُس نے جو سب سے بڑی اور اعلیٰ درجے کی فیاضانہ تربیت گاہ قائم کی اپنی اُن ستم زدہ بہنون کے لیے تھی جنھین کسی مرد کی بیرحمانہ بے شرمی نے بے آبرو کر ڈالا تھا - یا جو ہر طرف سے عاجز آکے رنڈی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی تھین اس غرض کے لیے باسفورس کے ایشیائی ساحل کا ایک عالیشان قصر شاہی ایک

باعظمت وجبروت خانقاہ بنا دیا گیا۔ اسکے مصارف نہایت سیرچشمی کے ساتھ سلطنت نے اپنے ذمے لیے اور اُس مین ۵۰۰ عورتین ایسی لا کے رکھی گئین جو قسطنطنیہ کی سڑکون اور وہان کے قحبہ خانون سے سمیٹ لائی گئی تھین۔ اس امن وامان کے قلعے اور تقدس و اتقا کے امن مین یہ سوسائٹی کی ستائی اور مذہب کے دربار سے ملعون بنا کے نکالی ہوئی عورتین خاموشی اور تنہائی مین زندگی بسر کرتین۔ ان عورتون کی روم مین یہ حالت ہو رہی تھی کہ اسی طبقے کی چند بدنصیب عورتین ہجوم نامرادی سے گھبرا کے اور زندگی سے عاجز آ کے سمندر مین پھاند پڑی تھین۔ اُنکی ایسی ناقابلِ برداشت نامرادی اب اس فیاض مربیہ کی عنایت سے شکرگزاری اور اصلاح سے بدل گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ تھیوڈورا نے اس تربیت گاہ کے ذریعے سے ہزارون عورتون کو گناہ و عذاب اور ذلت و بے عزتی سے بچا لیا۔

تھیوڈورا کی دانائی و ذہانت کا خود جسٹی نین معترف تھا۔ جن عمدہ اور مضبوط قوانین کو اُس نے جاری کیا اُنھین وہ اپنی نہایت ہی مقدس و محترم ملکہ ہی کی جانب منسوب کرتا ہے اور اُس کی نسبت یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ "دنیا کے لیے وہ ایک بڑی نعمت و برکت ہے"۔ تھیوڈورا دل کی نہایت ہی مضبوط اور بات کی بہت پکی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر امرا و وزرا کے مجمعون مین نہایت آزادی و ہوشیاری سے مناسب رائے دیتی۔ اور اکثر خوفناک موقعون پر اُس سے ایسی غیر معمولی جرأت ظاہر ہوئی کہ بڑے بڑے جوانمرد حیران رہ گئے۔ ایک بار سبز اور نیلے باتے والون کی برہمی سے قسطنطنیہ مین سخت بلوہ ہو گیا تھا۔ بلوائیون نے شہر کی عمارتون مین آگ لگا دی تھی۔ سارے شہر پر شعلے بلند تھے۔ سینٹ صوفیہ کی عالیشان عمارت جو قسطنطین اعظم نے دانائی کی دیوی کی یادگار مین بنائی تھی جل کے خاک کا ڈھیر رہ گئی۔ رعایا شہر چھوڑ کے بھاگنے لگی۔ جسٹی نین بھی اپنے ایک بیرونی قصر مین چلا گیا۔ اور وہان بھی اطمینان نہ نظر آتا تھا۔ امرائے دربار نے یہ تجویز پیش کی کہ جسٹی نین کو مع اُسکے محلون اور حرمون کے جہازون پر سوار کرا کے کسی دُور کے شہر مین پہونچا دیا جائے۔ اس تجویز کی محرک گو کہ دغابازی و سازش تھی اور اس وقت شہر سے نکلنا تاج و تخت سے جدا ہونا تھا مگر جسٹی نین گھبراہٹ مین فریب کو

نہین سمجھا اور چلے جانے پر راضی ہوگیا - اس موقع پر تھیوڈورا بہادرون کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی - اور کمال جوانمردی سے بولی "مانا کہ بھاگنے ہی مین جان بچتی ہے مگر مین بھاگنے کو ذلت و حقارت سمجھتی ہون - موت پیدا ہوتے ہی ہماری قسمت مین لکھ دی گئی ہے - مگر جو صاحب تاج ہین وہ تاج و تخت سے علٰحدہ ہوکے زندہ نہین رہ سکتے - میری درگاہِ الٰہی مین یہ تمنا ہے کہ کبھی کوئی دن بغیر تاج جہانبانی اور خلعت ارغوانی کے نہ دیکھون - اے قیصر - اگر تم نے بھاگنے ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو تمھارے پاس دولت کے خزانے ہین - اور سامنے دیکھو جہاز بھی کھڑے ہین - جب چاہو ان پر چلے جا سکتے ہو - مگر اس سے ڈرو اور کانپو کہ مبادا زندگی کی ہوس مین تمھین بدنصیبی کی جلاوطنی اور ذلیل قسم کی موت نہ نصیب ہو جائے - باقی رہی مین - تو میرا شعار تو یہ قدیم الایام کا مقولہ ہے کہ "تخت ہی مبارک مقبرہ ہے"! تھیوڈورا کی اس تقریر نے سارے دربار پر اثر کیا - اور اسی کی اس مضبوطی کا نتیجہ تھا کہ جسٹی نین اپنے دارالسلطنت سے نہین ہٹا - اور اُسکو کسی قسم کا آزار نہ پہونچ سکا -

جسٹی نین کے نکاح مین آنے کے بعد سے تھیوڈورا کی عصمت کا دعوی کیا جاتا ہے - اور اس مین شک نہین کہ اب کبھی اس سے کوئی ایسی بدعنوانی نہین ظاہر ہوئی جو طشت از بام ہوئی ہو یا جسٹی نین کو اُس کی عفت پر شبہہ ہوا ہو - لیکن اُسکی اس پاکدامنی مین زیادہ دخل اُسکے محض قید خانے اور اُسکی سختیون کو تھا - پھر تو کیا کہتے سارے شہر مین کسی کی مجال نہ تھی کہ اُسکے چال چلن کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے - ممکن ہے کہ اُس زمانے مین بھی اُسکے مخفی عشاق ہون - اس کی پرائیوٹ خدمت اور ہر وقت کے کامون کے لیے دس خوش رو اور بلکے ترچھے نوجوان تھے - جو جلوت و خلوت مین ہمیشہ سامنے رہتے - اور اُس کے نہایت ہی منظور نظر تھے - لیکن جب خود جسٹی نین کو اُس پر بدگمانی نہین ہوئی تو اور کسی کو بُری رائے قائم کرنے کا کیا حق ہے؟ اور واقعی وہ دل کی ایسی مضبوط تھی کہ کوئی تعجب کی بات نہین اگر اُس نے اپنے شوق عیش اور بد اطواری کی پُرانی عادتون کو اپنے موجودہ فرائض و مقاصد پر قربان کر دیا ہو؟

اسی اخلاقی پالیسی کا اثر تھا کہ اپنی دانائی و قابلیت سے اُس نے جسٹی نین

کی محبت کو کبھی گھٹنے نہ دیا۔ اور ہمیشہ اُسے یکسان درجے پر قائم رکھا۔ بلکہ جتنی زمین کو روز بروز قطعی یقین ہوتا جاتا کہ بغیر تھیوڈورا کے نہ مین حکومت کر سکتا ہون اور نہ زندہ رہ سکتا ہون۔ بہر تقدیر جس کشتی مین قیصر کا دل تھا وہ کبھی ڈھیلی نہ پڑنے پائی۔ کبھی کبھی خفیف سی باتون پر میان بی بی مین شکر رنجی بھی ہو جاتی مگر وہ دراصل ملاپ کا مزہ لینے اور جوش وصل مین تازگی پیدا کرنے کے لیے تھی۔ بعض بے وقوفون نے اُن رنجشون کو دلی عناد خیال کر لیا اور بادشاہ کو تھیوڈورا کے زیادہ مخالف بنا کے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش اُنکے حق مین سم قاتل ثابت ہوئی۔ دو ہی تین روز مین میان بی بی مین پھر ملاپ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے۔

شادی کے بعد تھیوڈورا کو سب سے بڑی تمنا اولاد نرینہ کی تھی۔ تاکہ سلطنت روم اُسی کی نسل مین رہے۔ مگر اس برکت کی صلاحیت کو اپنی ابتدائی بے اعتدالیون مین اُس نے خود ہی ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ تاہم قدرت نے اُس کے آنسو پونچھے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر اُسکی عمر نے وفا نہ کی اور بچپن ہی مین مان باپ دونون کے کلیجون کو داغ دے کے آغوش اجل مین چلی گئی۔ جسے تھیوڈورا نے اپنے آنسوؤن مین نہلا کے دفن کیا۔

جوانی کی بے اعتدالیون نے اُسے اولاد ہی کی برکت سے محروم نہین رکھا اُس کی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ کبھی موٹی اور تیار نہین ہونے پائی۔ ہمیشہ نازنین و نازک اندام دُبلی پتلی اور چھریری تھی۔ اور اب آخر مین اسکی صحت زیادہ بگڑنے لگی۔ اُسکے طبیبون نے یہ علاج بتایا کہ علاقہ پتھیا کے حامون مین جا کے نہائے۔ اور اُس نے فوراً اُس سرزمین کا ارادہ کر دیا۔ سفر مین ایک بڑا بھاری جلوس اُسکے ساتھ تھا۔ اطبا کے علاوہ ایک اسقف۔ سلطنت کا سب سے بڑا خزانچی چند کاونٹ (نواب) اور بطریق (امرا) تھے۔ اور چار ہزار ملازمون اور خادمون کا با شان وشوکت گروہ ہمراہ رکاب تھا۔ جس طرف سے ملکہ عالم کی سواری گذرتی سڑکین دو تین روز پہلے سے درست اور صاف کر دی جاتین۔ اُس کے فروکش ہونے کے لیے ہر منزل پر ایک قصر شاہی بنا ہوا ملتا۔ جو اُسکے مقیم ہونے کے لیے

تعمیر کیا جاتا - جاتے جاتے جب تبتینہ مین پہونچی تو وہان کے گرجون - خانقاہون - اور ہسپتالون پر اُس نے بڑی بڑی فیاضیان کین - اور عام انعام و اکرام کے ساتھ مذہبی خدمات بجا لانے مین ذرا بھی کوتاہی نہین کی - یہ سب اس امید مین تھا کہ گرجون - خانقاہون اور ہسپتالون والے اُس کی صحت کیلیے دعا کرین - مگر کسی کی دعا کارگر نہ ہوئی - اور فرشتۂ اجل آہی پہونچا - چنانچہ شادی کو چوبیسوان اور فرمانروائی کو بائیسوان سال تھا کہ ناگہان زہر باد ہوگیا - جس سے جان بر نہ ہو سکی - اور جسٹینین کو اُسکے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا -

بوادیقیا اور قارطس مانڈوا

انگلستان کی تاریخ کا آغاز ان دو ملکاؤن کے کارنامون سے ہوتا ہے جنھون نے اپنی رعایا کو اپنی حسن و جمال کے دام گلوگیر مین اسیر کرکے اُن سے جو اور جیسا کام چاہا لے لیا - ان مین سے اول الذکر یعنی ملکۂ بوادیقیا (جس کے نام کا تلفظ انگریزی مین فی الحال بودیشیا کیا جاتا ہے) نہایت ہی شریفانہ طرز عمل رکھنے کے باعث ملک مین بھی شجاعت و حمیت اور اعلیٰ درجے کی قومی و ملکی محبت کا جوش دکھا گئی - اور دوسری یعنی قارطس مانڈوا جسکے نام کا تلفظ فی الحال کارٹسمانڈا کیا جاتا ہے اپنی مذکورہ ہمرتبہ بہن کے خلاف نہایت بے حمیت و بے غیرت اور بے عصمت و بے عفت تھی - جو بیوفائی و بےعصمتی کا شرمناک ترین نمونہ دکھا کے اور ابدی بدنامی حاصل کرکے دنیا سے رخصت ہوئی - لیکن ہمین یہ خیال کرکے افسوس آتا ہے کہ پہلی جو اچھی تھی وہ تو دنیا سے ناکام و نامراد گئی - اور دوسری اپنے ناپاک جرم کی سزا سے بچ جاتا اور کُلنار اپنے مقاصد مین کامیاب و بامراد ہوئی -

ملکۂ بوادیقیا کی سرگذشت یہ ہے کہ اُس کا شوہر پراسوطاغوس (پراسوٹیگس) انگلستان کے علاقۂ ایسینی کا بادشاہ تھا جو علاقہ کہ اب نارفوک کے نام سے مشہور ہے اُن دنون انگلستان مین چونکہ رومیون کا اثر بڑھ رہا تھا - اور وہان کی قومی ریاستین رومی اسلحہ سے مرعوب ہو ہوکے فنا ہوتی جاتی تھین - اس لیے پراسوطاغوس نے وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد میری حکومت و سلطنت کے وارث شہنشاہ

اور میری بیٹیاں ہوں - اس وصیت میں اُس کی یہ مصلحت تھی کہ شہنشاہ روم تو شرکت میں آ کے میری قلمرو پہ قبضہ کرنے سے رہا - میری بیٹیاں ہی مالک ہوں گی - اور شہنشاہ کے تعلقات کی وجہ سے وہ ہر طرح کی دشواریوں سے محفوظ اور تمام بیرونی حملوں سے مامون ہو جائیں گی - اور کسی پاس پڑوس والے فرمان روا یا کسی رومی سپہ سالار کی اتنی جرأت نہ ہو سکے گی کہ میری قلمرو کو نگاہ اُٹھا کے بھی دیکھ سکے -

لیکن اُس کی اُمید کے خلاف یہ اُلٹا نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی رومی سپہ سالار نے اُسکے شہر اور محل پر قبضہ کر لیا - رومی سپاہیوں نے سارے شہر اور محل میں لُوٹ مچا دی - جو ہاتھ آیا اپنا مال سمجھ کے لوٹ لے گئے - اور اسی قدر نہیں - بوادیقیا کی نازپروردہ شاہزادیوں کو بھی جو شریک وراثت قرار دی گئی تھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ بے آبرو کیا - ملکہ بوادیقیا نے اس پر اظہار ناراضی کیا تو اُس غریب کو پکڑ کے سر بازار خاص اُس کی رعایا کے سامنے کوڑوں سے مارا - اور تحقیر و تذلیل کی کوئی بات اُٹھا نہ رکھی -

رومی جب لوٹ مار کے اور ہر طرح کی بیحرمتیاں کر کے واپس گئے تو بوادیقیا نے اپنی رعایا کو رومیوں کی مخالفت پر اُبھارا - رومیوں نے اس موقع پر کچھ ایسی بیرحمی اور دغا بازی سے کام لیا تھا کہ ساری رعایا طیش میں بھری ہوئی تھی - اور جتنے آدمی تھے اگرچہ جانتے تھے کہ رومیوں سے مقابلہ کرنا جنون اور اُنکے مقابل ہتھیار اُٹھانا خودکشی ہے اپنی ملکہ کی صدائے فریاد سنتے ہی لڑنے مرنے اور جان دینے کو اُٹھ کھڑے ہوئے - بوادیقیا اُن سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر کے اور قومی اسلحہ سے مسلح کر کے بڑے جوش و خروش کے ساتھ مردانہ وار چلی - اور رومیوں کے قلعۂ قالودونم پر جو اب کال چسٹر کے نام سے مشہور ہے دھاوا کر دیا - رومیوں نے پوری قوت سے مقابلہ کیا - اپنے منجھے ہوئے اصول جنگ کے مطابق صفیں باندھ کے بڑھے - مگر برطانیہ والوں کے پُرجوش سیلاب کا روکنا دشوار تھا - ہزار کوششیں کیں کسی طرح کامیاب نہ ہوئے - آخر شکست کھا کے بھاگے - اپنی دغابازی و بے تمیزی کی پاداش میں نہایت ہی بودے پن کے ساتھ مارے گئے - اور بوادیقیا نے بڑھ کے اس رومی قلعہ پر قبضہ کر لیا -

اس فتح نے اس برطانی ملکہ کا حوصلہ بڑھا دیا۔ فوج درست کرنا شروع کی۔ ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ رومیوں کی شائستگی و تہذیب کو تو اُنکے ظالمانہ و وحشیانہ حرکات سے پہلے ہی دھبہ لگ گیا تھا اب اُن کی سپہگری و شجاعت بھی خاک میں مل گئی۔ اور اُنکے نام کو ایسا داغ لگا جو کسی طرح مٹائے نہ مٹتا تھا۔ آخر زبردست رومی سپہ سالار سوٹیونیوس جو شمالی انگلستان کی قوتوں کی پامالی میں مصروف تھا اپنا جرار لشکر لے کے آیا۔ اور بوآدیقیا کو اُس کے مقابلے میں صف آرا ہونا پڑا۔ اس زبردست لشکر سے مقابلہ کرنا برطانیوں کی قوت سے باہر تھا۔ اگرچہ جان پر کھیل کے لڑے۔ اور دیر تک ملکہ کے اشاروں پر جو قلب فوج میں موجود تھی اور تلوار کو حرکت دے دے کے اُنھیں حوصلہ دلا رہی تھی وہ بڑھ بڑھ کے اپنے سر کٹواتے رہے مگر آخر شکست ہوئی۔ بدحواس و بد دل ہو کے بھاگے۔ بہادر ملکہ بوآدیقیا کو بھی مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ اور اسی میدان پر اُس باہمت ملکہ کے کارناموں کا خاتمہ ہو گیا۔

اُس کے انجام کی نسبت مورخین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ معرکۂ کارزار میں بہادری کے ساتھ لڑتی ہوئی ماری گئی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ اپنی جان لے کے میدان سے تو نکل آئی تھی مگر ناکامی کی زندگی کو اُسکا شریف نفس نہ گوارا کر سکا۔ گھر آتے ہی زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جو اُن دنوں رومیوں کے نزدیک نہایت ہی شریفانہ اور مبارک موت تھی۔ بوادیقیا کی زندگی کا خاتمہ سنہ ۵۱۰ قبل محمد (سنہ ۶۱ع) میں ہوا۔

قارٹس ماندوا دوسری بدکار ملکۂ انگلش قریب قریب اسی زمانے یعنی جناب سرورِ کائنات علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً پانسو برس پیشتر یا پہلے صدی عیسوی میں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی وارث سلطنت اور مالک تاج و سریر وہی تھی۔ اور اُس کا شوہر وینوطیوس اُس کی طرف سے نیابۃً حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اپنی نیک نفسی و شجاعت سے سارے ملک میں ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ کل فوج والے اس کا دم بھرتے تھے۔ اور ہر سپاہی اُسکے نام پر شیدا تھا۔

مگر خرابی یہ تھی کہ میاں کو رعایا کے خوش رکھنے اور ملک میں عدل و انصاف

کرنے کا شوق تھا تو بادشاہ بیگم بی کارٹسمانڈوا کو نفس پرستی اور اپنے دل کی ہوسین نکالنے کا۔ اُنھین اپنے عیش و آرام اور شہوت پرستی کے سوا اور کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ اُنھین بیباکانہ شہوت رانیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے اسلحہ بردار ویلوقاطوس سے آنکھ لڑ گئی۔ اور دونون ایک دوسرے کی محبت کا دم بھرنے لگے۔ وینوطیوس (بادشاہ) کو یہ بات ناگوار گذرنے لگی۔ اور اس بات کی تدبیرین سوچنے لگا کہ کیونکر اپنے رقیب کو زک دے۔ جو بستر عیش کا مالک بن کے اُس کی زندگی کو روز بروز بدمزہ کرتا جاتا تھا۔

وہ ان منصوبون کو دل مین سوچتا ہی رہا اور بی بی نے اپنے حقوق و اقتدار شاہی کو عمل مین لا کے اُسے بالکل چھوڑ دیا۔ اور علانیہ ویلوقاطوس کا آغوش گرم کرنے لگی۔ اُس وقت تک برطانیہ والون نے دین مسیحی نہین اختیار کیا تھا۔ اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب پر تھے۔ اور اُس وقت کے آئین و رسوم کے مطابق شاید عورتون کو اس بات کا حق حاصل ہو کہ شوہر کو جب چاہین چھوڑ دین اور جس کسی کو پسند کرین اُس سے آشکارا طور پر تعلقات پیدا کر لین لیکن جو ہو۔ برطانی لوگون نے اپنی ملکہ کے اس فعل کو پسند نہین کیا۔ پہلے اُسے سمجھایا اور روکا۔ اور جب اُس نے کسی طرح نہ مانا تو بغاوت کر دی۔ اور ارادہ کیا کہ قارطس ماندوا کو تخت سے اُتار کے کسی اور کو اپنا فرمان روا بنا لین۔

رعایا کو برہم و افروختہ دیکھ کے ملکہ نے رومیون سے مدد مانگی جو طرح طرح کے بہانے اور حیلے پیدا کر کے سارے جزیرے مین اپنی حکومت قائم کرتے جاتے تھے۔ اس سے بہتر اور کون موقع ہو سکتا تھا؟ فوراً زبردست رومی لشکر ملکہ کی کمک کے لیے آ پہونچا جس نے آتے ہی تمام برطانی سرکشون کو مار کے سیدھا کر دیا۔ اور رعایا کے بعد خود ہی سلطنت کے بھی مالک ہو گئے۔ رومیون کی مدد سے قارطس ماندوا کو شاید اپنے محبوب آشنا سے ملنے کی آزادی مل گئی ہو۔ مگر سلطنت پھر نہ نصیب ہوئی۔ اور رومیون کی گرفت ایسی قوی تھی کہ اسی وقت سے اس پرانے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

نامور خاتونان عالم کی سیر تون کا جو سلسلہ مولانا نے اس عنوان سے شروع کیا تھا

اُس پر عام نظر ڈالنے کے طریقے سے مضمون مئی سنہ [illegible] مین شایع فرمایا تھا۔

اِس عنوان کے تحت مین دلگداز کے صفحون پر ہم دنیا کی بہت سی نامور عورتون کے حالات لکھ چکے ہین۔ اور ابھی صدہا ایسی عورتین باقی ہین جن کے واقعات آیندہ بیان کیے جائین گے۔ لیکن اس دلچسپ سبجکٹ پر ایک عام بحث کی بھی ضرورت ہے جس کی طرف اب ہم توجہ کرتے ہین۔ بلحاظ ترتیب اس بحث کو سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن مضائقہ نہین۔ ایک ماہوار رسالے کے صفحون کو ایسی ترتیب سے ہمیشہ آزاد رہنا چاہیے۔ سچ پوچھو تو عورت کے حسن کی کشش ہی نوع انسان کو دنیا مین لائی ہے۔ اگر حضرت آدم جناب حوا کی باتون مین آ کے خدا کا منع کیا ہوا پھل نہ کھاتے تو غالباً دنیا انسانون سے خالی ہوتی۔ جناب حوا کے فقرے مین آ کے حضرت آدم نے جنۃ الفردوس اور وہان کی آزادیان اور بےفکریان ہاتھ سے کھوئین۔ اور وہ اس دنیا مین پھینک دیے گئے جہان اُنکی اولاد کو ایک سخت آزمایش مین پڑنا اور محنت مشقت کرکے اپنا پیٹ بھرنا ہے۔

جنت سے جدا ہونے کے بعد بھی اگر انسان کی حالت پر غور کیجیے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف اس لیے آیا ہے کہ مرتے دم تک حسن کے کرشمون مین مبتلا رہے۔ اور اسی دھن مین جان دے۔ اُس کی زندگی و موت دونون حسن کے کرشمون سے وابستہ ہین جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب حسن ہی کی کرشمہ آرائیان ہین۔ توالد و تناسل کا سلسلہ اور گروہِ انسان کا بڑھنا اور پھیلنا فقط اُس کشش کے نتائج مین جو خدا نے حسن مین پیدا کر دی ہے۔ اور اب تو سائنس کی تحقیق و تدقیق یہان تک ثابت کر چکی ہے کہ انسان ہی نہین حیوان بھی۔ اور حیوان ہی نہین سارے نباتات بھی اپنی بقا اور ترقی مین کشش حسن ہی کے زیر بار احسان ہین۔

یہ تو دنیوی زندگی کی حالت تھی۔ اب موت کو لیجیے۔ ہر نیکوکار دیندار کا خیال ہے کہ دوسرے عالم مین جا کے اور اس روحانی اور نورانی عالم مین ہو کے حورون کی ہمکناری نصیب ہوگی۔ چنانچہ ہر پاکباز مرنے والا حورون سے ملنے کے شوق کو دل مین لیے ہوے دنیا سے خوش خوش جاتا ہے۔ گویا وہ نہین کیا جاتا بلکہ حوران جنت کے حسن کی کشش وہان کھینچ لیجاتی ہے۔ مسیحیون کے نزدیک حورون کے علاوہ فرشتے بھی آسمانی کنواریان ہین جو مقبول معبود اور خدا رس ولیون اور سینٹون کے

سرون پر کوہ قاف کی پریون کی طرح معشوقانہ اداؤن سے آتے اور منڈلانے لگتے ہین -

مسلم ابراہیم کی ملتون مین تو اُس عالم نور کے سہ وشون کا خیال ثواب آخرت اور نیکوکاری کے اجر تک محدود ہے دوسرے قدیم ادیان و ملل پر نظر ڈالیے تو نازآفرین حسینان عالم بالا نے دلربائی و دلبری کے درجے سے قدم آگے بڑھا کے معشوقی سے معبودی کی دلفریب وشان اختیار کرلی ہے - اُن کے الہیات کا عنصر اعظم مہ جبین دیویان ہین جو قدرت کے تمام شعبون پر متصرف و حکمران ہین - اُنکے نزدیک خدائی اختیارات حسین دیویون ہی مین بٹے ہوئے ہین - جو پاکبازان ارض پر اپنے چاند اور سورج کے ایسے حسن عالم آشوب کی کرنین ڈال کے اُنھین اپنا پوجاری بناتی ہین - اور حسن ہی کی کشش ہے جس سے خدا کی معبودیت اور مخلوق کی عبادت وابستہ ہے -

حسن کی کشش ایسی زبردست ہے کہ غور سے دیکھیے تو وہی انسان کی بنانے اور بگاڑنے والی ہے - اور خدا نے واقعی اُس مین ایک ایسی قوت پیدا کردی ہے جو انسان سے جیسے کام چاہتی ہے کرا دیتی ہے - جنت کا چھوٹنا کوئی معمولی نقصان تھا ؟ یہ اتنا بڑا گھاٹا تھا کہ اگر آدمی مین اپنی طبیعت پر ذرا بھی قابو ہوتا تو قیامت تک عورت کے پھندے مین نہ پھنستا - اور پھر کبھی اُس کے دل پر حسن کی کشش کوئی اثر نہ کرتی - مگر نہین - ایسا نہ ہوا بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نہ ہو سکا - اُس کے دنیا مین آنے کے بعد بھی جو پہلا فتنہ ہوا وہ بھی عورت کی اور حسن کی کشش ہی کی بدولت تھا - ہابیل نے عورت کی زلف گرہگیر مین پھنس کے نہایت ہی نیک نفسی اور پوری رضا و تسلیم کے ساتھ جان دی - اور قابیل نے عورت ہی کے شوق مین بھائی کے خون مین ہاتھ رنگے - اور پہلے قتل عمد کا مجرم قرار پایا -

اسکے بعد سے دنیا کے تمام تاریخی واقعات کی تہ مین گھسیے تو دنیا حسن و عشق کے کرشمون سے بھری ہوئی ہے - اور یہ بات ذرا تعجب کی نہین کہ مذاہب جن کی غرض و غایت خداپرستی اور نظام عالم کی اصلاح ہے سب کی تاریخ کا آغاز عورت کے حسن کی کشش اور حسن کے جھگڑون ہی سے ہوا ہے - یہود و نصاریٰ اور مسلمانون

ہی کی تاریخ کو دیکھیے تو وہ بھی متحدہ و مسلمہ افتتاح آدم و حوا اور ہابیل و قابیل کے واقعات سے ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہندوؤن کی دیو مالا اپنے شروع ہی سے ہر بڑے سے بڑے دیوتا کی ایک دیوی ثابت کرتی ہے۔ اور اُن کی تاریخ کا آغاز دو عظیم الشان لڑائیون سے ہوتا ہے جو اگر سچ پوچھیے تو حُسن و عشق ہی کے جھگڑے۔ اور دروپدی اور سیتا جی کے بے مثال حسنون کے کرشمے تھے۔ وہ کیسی نازک اور اندوہناک گھڑی تھی جب دروپدی نہایت توہین اور سنگدلی کے ساتھ پانڈوون کے ہاتھ سے زبردستی چھینی گئی؟ اور پھر وہ کتنا بڑا قیامت خیز میدان جنگ تھا جس مین اس ایک عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کا انتقام لاکھون آدمیون کے قتل سے لیا گیا؟ اسی طرح وہ کیسا جگرخراش وقت تھا جب کیکیئی کی آتش فشان زبان نے راجہ دسرت کو رام چندر جی کے بن باس پر مجبور کیا۔ اور اس کے بعد وہ بھی کس بلا کی عالم سوز گھڑی تھی جب راون سیتا جی کو اُن کے وحشتناک جنگلی مسکن سے اُڑا لے گیا۔ اور پھر اُن دونون واقعات کے نتیجے مین وہ کیسا خون بار محشرستان تھا جب لاکھون آدمیون کے مارے جانے کے بعد رام چندر جی نے اپنی عصمت مآب رانی کو خانمان برباد دشمنون کے پنجۂ ستم سے چھڑایا؟

اب مشرق کو چھوڑ کے مغرب مین چلیے تو وہان بھی مذہب اور تاریخ کا آغاز حُسن کے اُن قیامت زا کرشمون سے ہوتا ہے جنھین عالم شاعری کے آدم اور یونا کے پہلے شاعر ہومر نے اپنی قدیم نظم ایلیڈ مین بیان کیا ہے۔ اُسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی سنسنا دینے والی گھڑی تھی جب ایشیاے کوچک کے فرمان روا پریم کا حسین و خوبرو بیٹا پارس یونان کے بڑے دیوتا جیوپٹر کی بیٹی اور مِن لاؤس شاہ یونان کی ملکہ ہیلن کو بھگا لے گیا۔ اور پھر اسکے بعد وہ کیسی جان ستان رزمگاہ تھی جس مین یونانیون نے اس مملکت کے دار السلطنت ٹرائے پر چڑھائی کر کے خون کے دریا بہا دیے۔ اور جس کے واقعات بتا رہے ہین کہ یورپ و ایشیا کے نیا مین جو جھگڑے شروع ہوے وہ حُسن کی کرشمہ سازیون کے کیسے خوفناک نتائج تھے۔

دنیا کے سب سے بڑے مورخ یونان ہیرودوطس نے اپنی تاریخ کو اسی قسم

کے واقعات سے شروع کیا ہے - ایشیا والون کی قدیم روایتون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ کبھی اُن کا خیال بھی اس جانب گیا ہو کہ اہل یورپ سے اُن سے رقابت وعداوت ہے - مگر اہل یونان اور ایشیا ے کوچک والے جو ایک دوسرے کے پڑوس مین آباد تھے اُن مین ابتدا ہی سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی - اسکے چند روز بعد یونانیون سے اُن چند قومون سے رقابت پیدا ہوئی جو اُن کے ملک تک پہونچتی تھین - ان لوگون کی دست برد سے انھون نے پورے ایشیا کو اپنا دشمن خیال کرلیا - حالانکہ ایشیا والے ان معاملات کو سوا شخصی بے اعتدالیون کے کسی عام اور قومی عداوت پر محمول نہین کرتے تھے - تاہم اس مین شک نہین کہ درۂ دانیال کے اس پار اور اُس پار والون مین ایک قسم کی قومی رقابت ضرور پیدا ہوگئی تھی -

لیکن ہیرودوطس کہتا ہے کہ یورپ اور ایشیا والون مین مدت ہا ے دراز اور قرنہا قرن سے جو جھگڑے چلے آتے ہین وہ شایستہ اور تعلیم یافتہ اہل فارس کے نزدیک صرف عورتون کے نکل بھاگنے یا بھگا لے جانے کے نتائج ہین وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلی چھیڑ فینقی تاجرون نے کی - یہ لوگ ملک شام کے ساحلی علاقہ فینقیہ کے رہنے والے تھے - دنیا کے پہلے تاجر اور پہلے جہازران تھے - بحری سفرون کے ذریعے سے انھون نے اپنی تجارت اُسی قدیم زمانے مین ممالک دور دراز تک پھیلا دی - اور مصر و بابل کا مال لے لے کے ممالک ویلاد یورپ تک جا پہونچے -

انھین تاجرانہ سیاحتون مین اُنکے چند جہاز یونانی بندرگاہ ارغوس مین پہونچے اور مال تجارت اہل شہر کے سامنے پیش کیا - ارغوس اُن دنون یونان کے اکثر شہرون سے زیادہ بارونق تھا - امرا و اکابر یونان آ آ کے اُنکا مال خریدنے لگے - اور دریا کنارے بڑا بھاری بازار لگ گیا - اس بازار کو لگے چار ہی پانچ روز ہوے تھے کہ ایک دن معزز یونانی گھرون کی خاتونین اپنی پسند کا سودا خریدنے کو آئین - جن مین وہان کے فرمان روا شاہ ایناچوس کی حسین و گل اندام بیٹی آیو بھی تھی - یہ عورتین جہاز کے پچھلے حصے کے پاس کھڑی لین دین کر رہی تھین کہ یکایک فینقی سوداگرون نے اُن پر حملہ کر دیا - نازک بدن عورتین مردون کے اس حملے کی کب تاب لا سکتی تھین

کیونکہ تاب لا سکتی تھیں؟ گھبرا کے بھاگیں۔ اور سب تو اپنی جان بچا کے نکل آئیں مگر شاہزادی ایو اور اُس کی چند سہیلیاں نہ بھاگ سکیں۔ فنیقی اُنھیں اپنے جہازوں پکڑ لے گئے۔ جھٹ پٹ لنگر اُٹھا دیا۔ اور مصر میں پہونچ کے دم لیا۔

یونانیوں کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ ایو تو نہ ملی۔ مگر انتقام کے خیال سے اُنکے چند جہاز سرزمین شام کے ساحل شہر طائر میں پہونچے جو فنیقی لوگوں کا نشا دادی تھا۔ اور ایسی تدبیریں کیں کہ وہاں کے بادشاہ کی بیٹی شاہزادی یوروپا کو بھگا لے گئے۔

اس واقعے سے یونانیوں کو اپنا انتقام مل گیا تھا مگر اُنھیں اتنے ہی میں صبر نہ آیا۔ اُن کے چند جہاز بحر اسود میں (جو اُن دنوں یوجین کہلاتا تھا) سفر کر کے دامن کوہ قاف کے اُس ساحل پر پہونچے جہاں فی الحال اُبازی مسلمان رہا کرتے ہیں۔ یہ سرزمین اُس زمانے میں کول چس کہلاتی تھی۔ اس میں دریائے فاسس کے کنارے ایا نام ایک ساحلی شہر تھا اور وہیں یہ یونانی جہاز لنگر انداز ہوئے تھے۔ اپنی مہم کے اغراض و مقاصد پورے کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اُنھوں نے یہاں کی گل پیرہن اور جادو نگاہ عورتوں کو دیکھا جن کے حسن و جمال کی ساری دنیا میں شہرت تھی۔ اور جن کے حسن کے کرشموں نے کوہ قاف کی پریوں کو حسن و جمال کا مکمل ترین نمونہ بنا رکھا تھا۔ غرض نہایت خاموشی کے ساتھ کوشش کر کے وہ کسی حکمت سے وہاں کے بادشاہ کی بیٹی میڈیا کو اپنے جہاز پر لائے۔ اور اُسی وقت لنگر اُٹھا کے اُسے زبردستی یونان میں اُٹھا لائے۔

کولچس کے بادشاہ کو اپنی بیٹی کے پکڑ جانے کا بڑا صدمہ ہوا اور اپنے ایلچی یونان میں بھیجے جنھوں نے آ کے یونانیوں سے اس دست برد کا جواب طلب کیا۔ اور استدعا کی کہ شاہزادی میڈیا اُن کے حوالے کی جائے تاکہ اُسے لیجا کے اُس کے جگر چاک باپ کے سینے سے لگا دیں۔ یونانیوں نے جواب دیا کہ جس طرح ایشیا والوں نے ہماری شاہزادی ایو کو بھگا لے جانے کی کوئی وجہ نہیں بیان کی اور نہ اُسے واپس کیا اُسی طرح ہم بھی نہ شاہزادی میڈیا کو واپس کریں گے اور نہ اُس کی کوئی وجہ بیان کریں گے کہ اُسے کیوں بھگا لائے۔

ایشیا والون مین یونانیون کی اس دست بُرد کا انتقام لینے کا خیال برابر قائم رہا۔ یہان تک کہ ایک نسل گذر گئی۔ اور پریم کا بیٹا اس بات کا درپے ہوا کہ کسی یونانی شاہزادی کو بھگا لا کے اپنی جورو بنائے۔ چنانچہ موقع پا کے وہ ہلین کو بھگا لایا۔ اور اسکے نتیجے مین ایشیاے کوچک کے شہر ٹرائے کا وہ میدان گرم ہوا جس کا ذکر ہومر نے کیا ہے۔

گذشتہ واقعات پر راے زنی کرتے وقت بقول ہرودوطوس کے ایشیا والے اور اہل فارس کہتے تھے کہ شاہزادیون کو بھگا لیجانے کے واقعات اگرچہ تابڑ توڑ دونون طرف سے پیش آئے اور ابتدا اہل ایشیا ہی سے ہوئی تھی مگر اصلی الزام یونانیون ہی پر ہے۔ اس لیے کہ ہلین کو بھگا لیجانے پر اُنھون نے آپے سے باہر ہو کے لڑائی ٹھان دی۔ ایرانی ان باتون کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے کہ انکی وجہ سے لڑائی ٹھان دین۔ اُنکے خیال مین عورتون کو بھگا لے جانا بیشک شرارت کا کام تھا لیکن ایسا ہو جائے تو اس کی بنا پر انتقام کے درپے ہو جانا اور قتل و خونریزی کرنا اُن کے مذاق مین ایک لغو فعل تھا۔ اور وہ کہتے کہ یہ عقلمندون کا کام نہین کہ ایسے واقعات کی پروا کرین۔

بہر تقدیر یورپ کی مہابھارت یعنی ٹرائے کا محاصرہ اور یورپ و ایشیا کی سب سے پہلی معرکہ آرائی حُسن ہی کی ایک دلچسپ کرشمہ آرائی تھی جسے ہومر نے ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

بثینہ محبوبۂ جمیل

عاشق و معشوق ہر قوم اور ہر سرزمین مین گذرے ہین مگر جیسے اور جتنے وارفتہ مزاج نامی عاشق خاک عرب نے پیدا کیے شاید اور کوئی ملک نہ پیدا کر سکا ہوگا۔ ہر ملک کے لٹریچر مین دو چار جانبازان محبت کے نام ضرب المثل اور شاعری کے عنصر قرار پا گئے ہین۔ مگر عرب مین بیسیون عاشقون نے اپنی بیتابیون اور بیقراریون کی بدولت ناموری کی شہ نشین پر جگہ پائی اور سب ملکی لٹریچر مین ضرب المثل ہو گئے۔

عرب کا قریب قریب ہر شاعر عاشق تھا۔ اور عاشق بھی نام کا نہین بلکہ سچا عاشق

جس نے کسی معشوقہ کو دل دیا - زندگی بھر اُس کے عشق مین سرِ مفتار رہا - اور اُسی کے فراق مین روتا ہوا مرا - ان عشاقِ عرب مین سے صرف ایک مجنون عامری کا نام تو عربی شاعری سے نکل کے فارسی اور اُردو شاعری مین بھی آ گیا - لیکن دوسرے دلدادہ عاشقون کے نام عربی ہی کی ادب مین رہے جس کی وجہ سے ہمارے تمام اہلِ وطن کو اُنکے حالات کی بہت ہی کم اطلاع ہو سکی -

ان خالص عربی شاعری کے نامورانِ عشق مین سے قیس ولبنیٰ کے سچے حالات ہم اپنے ایک ناول کے ذریعے سے قدردانان ولگداز کے سامنے پیش کر چکے ہین - اب ایک دوسرے عاشق کے حالات نذرِ ناظرین کرتے ہین جس کا نام جمیل تھا - اور اُسکی معشوقہ یہی بثینہ تھی جس کا خوبصورت نام ہم نے زیبِ عنوان کیا ہے - حُسن کی کرشمہ سازیون کے سلسلے مین ہمین صرف اس نازنینِ عرب کے واقعات سے تعلق ہے - مگر عشق عاشق ومعشوق کو ابد الآباد تک کے لیے باہم ایسا وابستہ کر دیا کرتا ہے کہ دونون کا جدا کرنا امکان سے باہر ہو جاتا ہے اور ایک کے حالات دوسرے کے حالات بن جاتے ہین -

بثینہ بنت حبا قبیلۂ بنی عذرہ کے ایک نہایت معزز خاندان کی لڑکی تھی - ہم بتا چکے ہین اور غالباً ہمارے ناظرین کو یاد بھی ہوگا کہ بنی عذرہ سارے عرب مین حُسن وعشق کے لحاظ سے ممتاز تھے - اُن کی لڑکیان جیسی حسین ونازنین ہوتی تھین ویسے ہی اُنکے لڑکے عاشق مزاج اور تیغ ابرو کے گھائل ہوا کرتے تھے - اسی عشق کی چاشنی نے بنی عذرہ کے لڑکون اور لڑکیون دونون مین شاعرانہ مذاق پیدا کر دیا تھا - لڑکے جس جوش وخروش سے عاشقانہ اشعار کہتے ویسے ہی ذوق وشوق سے لڑکیان اُن اشعار کو سُنتی اور سمجھتی تھین - اور ضرورت یا جوش کے وقت مین خود بھی غزلخوان ہو جایا کرتی تھین -

غرض بثینہ ایسے زندہ دل قبیلے کی ایک پاک باطن وعفت شعار لڑکی تھی جس کا زمانہ تابعین کا تھا - اسکی شادی نبیہ بن اسود نام ایک شریف نوجوان کے ساتھ ہو گئی تھی - اس کے ذاتی صفات یہ تھے کہ قبیلے کی تمام لڑکیون سے زیادہ شیرین ادا وصاحبِ جمال اور حد درجے کی سخن سنج وفصیح البیان تھی - اُس کی

آنکھ میں بھی جادو تھا اور زبان میں بھی۔ اور انھیں خوبیوں نے اُسکے ہم قوم شاعر جمیل بن عبداللہ کو اُس کا عاشق بنا دیا جو عہدِ بنی اُمیہ کے اعلیٰ ترین شعرا میں سمجھا جاتا ہے۔

عشق کی شمع دونوں دلوں کے اندر بچپن ہی میں روشن ہو گئی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ بثینہ کے حسن کی شہرت جمیل کے اشعار سے ہوئی تو جمیل کو بثینہ ہی کے دلستان حسن نے شاعر بنایا۔ آغاز عشق یوں ہوا کہ ایک دن جمیل اپنی اونٹنیوں کو چراتا ہوا علاقۂ بغیض کی ایک وادی میں لے آیا جہاں پانی بھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کے خود ایک مقام پر صاف جگہ دیکھ کے لیٹ گیا۔ اور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا۔ بعض پانی پر جھکیں اور بعض بیٹھ کے جوگالی کرنے لگیں۔ اتفاقاً اس وادی کے کنارے ایک طرف بثینہ کے قبیلے کا پڑاؤ تھا۔ بثینہ اپنی ایک ہمسن سہیلی کے ساتھ یہاں پانی لینے کو آئی۔ راستے میں جمیل کی اونٹنیاں بیٹھی تھیں۔ بثینہ نے انھیں کچھ اس طرح شوخی کے ساتھ چھیڑا کہ وہ بھڑک کے بھاگیں۔ اور جمیل نے گالی دے کے کہا "میری اونٹنیوں کو کیوں ستایا؟" بثینہ نے یہ سخت درشت کلمات سُنے تو لے کہاں تاب تھی؟ بگڑ کھڑی ہوئی۔ اور ایک کی سو سنا دیں۔ لیکن اُسکے اس بگڑنے اور کوسنے میں کوئی ایسی دلفریب ادا تھی جس نے جمیل کی خرمنِ جان میں عشق کی آگ لگا دی۔ دل میں کہا۔ ع جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خا را۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ کاش میری یہ تمنا پوری ہوتی اور یوں کہ

گالیاں کھائے پہ مرنے کے ساتھ گورے گالوں کو چوستا جائے

بس یہی جمیل کا آغاز عشق تھا جسے وہ خود اپنے اس شعر میں یاد دلاتا ہے۔

و اول ما قاد المودۃ بیننا بوادی بغیض یا بثین سباب

(جس ادا نے پہلے پہل ہم دونوں میں محبت پیدا کی وہ اے بثینہ وادی بغیض میں تیرا کوسنا تھا)

غالباً یہ وادی القریٰ کا واقعہ ہے جو کہ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کے درمیان واقع ہے اور جہاں جمیل کا نشو ونما ہوا تھا۔ اب دل میں عشق کی گرمی پیدا ہوئی تو طبیعت شاعرانہ رنگینیاں اور اُسکے ساتھ ہی ساتھ سچے جوش کی بنا بیان دکھانے لگی۔ آخر اپنے درد دل کو اشعار کے ذریعے سے ظاہر کرنے لگا اور وہ اشعار اہل زبان میں مقبولیت حاصل کرنے لگے۔ اور چند ہی روز میں بثینہ پر اُس کا عشق

سارے عرب مین مشہور ہو گیا۔ جمیل کے ماں باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو بثینہ کے باپ کو اپنے لڑکے کا پیام دیا۔ وہ اُس کے عشق کی خبرین سُن سُن کے سخت برہم ہو رہا تھا۔ شادی کا پیام سُن کے بگڑ کھڑا ہوا اور کہا "شریف زادیون کا نکاح اُن بدمعاشون کے ساتھ نہین ہو سکتا جو اُن پر اظہار عشق کر کے انھین بدنام کرتے ہون۔"

غرض یہی نہین ہوا کہ بثینہ کے باپ نے جمیل کا پیام نامنظور کیا ہو بلکہ نبیہ بن اسود نام ایک اور شخص کے ساتھ اس کا نکاح بھی پڑھا دیا۔ اور سمجھے کہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے چُک گیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہین۔

جمیل کے لیے اس سے بڑی کوئی ناکامی نہ ہو سکتی تھی مگر عشق سچا تھا اور کسی شہوانی خواہش نے اُسے بثینہ کے رخ زیبا کا دیوانہ نہین بنایا تھا۔ اس خبر نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا۔ اور رات دن اسی کوشش مین رہنے لگا کہ کسی طرح بثینہ سے ملے۔ اُسکے حسن عالم آشوب کی زیارت کرے۔ اُس کی پیاری باتین سنے اور اُسے اپنے پُرسوز اشعار سنائے۔ بثینہ کے بھائی حواش نے جب دیکھا کہ بثینہ کی شادی ہو جانے پر بھی جمیل اُس پر اپنا عشق ظاہر کرنے اور اپنے اشعار مین اُس پر تشبیب کرنے سے باز نہین آتا تو غصے مین آ کے خود بھی شعر کہنا شروع کیے جن مین جمیل کی بہن پر اپنا عشق ظاہر کرتا۔ جمیل نے اسکی بھی کچھ پروا نہ کی۔ لیکن حواش کو چند ہی روز مین نظر آ گیا کہ اُسکے اشعار کو تو کوئی سنتا ہی نہین اور جمیل کے اشعار جمیل کی زبان سے نکلتے ہی ساری دنیا کی زبان پر جاری ہو جاتے ہین مجبوراً اُس نے اپنی بیہودہ شاعری چھوڑ دی اور سمجھ گیا کہ جمیل کا عشق ایک ایسی بلا ہے جو کسی طرح نہین ٹل سکتی۔

لیکن بثینہ کے باپ بھائی اور شوہر کا زور ہی کیا چل سکتا تھا جبکہ خود بثینہ دل مین جمیل کے عشق کی قدر کرتی تھی۔ اور باوجود دوسرے کی منکوحہ ہونے کے اُس کو جمیل کے ساتھ ایسا لگاؤ ہو گیا تھا کہ دل کو اُس کی طرف سے پھیرنا اختیار سے باہر تھا۔ اُن دنون جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے عرب کی مسلمان عورتون کا معمول تھا کہ اچھے کپڑے پہن کے اور پورا بناؤ سنگار کر کے عید کے دن عیدگاہون مین جایا کرتین اور اپنے عزیزون اور دوستون سے بے تکلف ملتین جمیل کو یہ

موقع غنیمت معلوم ہوا۔ عیدگاہ میں جا کے وہ جگہ ڈھونڈھ نکالی جہاں بثینہ اپنی رازدار بہن ام الحسین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی جمیل کو دیکھ کے وہ خوش ہوئی۔ اُس سے کھل کے ملی۔ باہم سوال و جواب رہے جن سے ناز و نیاز کے صدہا اسرار نمایاں ہو رہے تھے۔ غرض دیر تک لطف و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اور آخر دونوں ایک دوسرے کی ملاقات سے محظوظ ہو کے اپنے گھر واپس گئے۔ جمیل نے نہایت کوشش کی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اُس کا راز عشق دوسروں پر ظاہر ہو جائے لیکن عشق بھلا چھپنے والی چیز ہے؟ اُن تمام لڑکوں اور لڑکیوں پر جو اس صحبت میں شریک تھے راز فاش ہو گیا۔ جب کو خود جمیل نے محسوس کر کے اپنے نئے اشعار میں ظاہر کیا اور بصد حسرت و یاس کہا "ہائے! اب پھر پارسال عید ہی میں ملنا ہو گا"

ان اشعار نے راز عشق کو اور طشت از بام کر دیا۔ اہل قبیلہ نے بثینہ سے کہا کہ "خبردار پھر کبھی اس شریر شخص سے نہ ملنا" مگر اُسکے تو دل کو لگی ہوئی تھی۔ قسم کھا گئی کہ "چاہے کچھ ہو میں تو جمیل سے ضرور ملوں گی۔ اور جب سنوں گی کہ دروازے پر آیا ہے بلا تامل باہر نکل آؤں گی" بثینہ کی اس قسم کا حال جمیل کو معلوم ہوا تو بار بار قبیلے کے پڑاؤ کے آس پاس منڈلانے اور تاوے بھرنے لگا۔ کسی نہ کسی ذریعے سے اپنے آنے کی خبر کر دیتا۔ وہ بھی کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے گھر سے نکل آتی۔ دونوں ایک دوسرے کے دیدار سے خوش ہوتے۔ جب تک موقع پاتے بیٹھ کے باتیں کرتے اور رخصت ہو کے اپنے اپنے مقام میں چلے جاتے۔

ان خبروں کو سُن سُن کے بثینہ کے اعزا دانتوں سے انگلیاں کاٹتے۔ مارے غیرت کے زمین میں گڑے جاتے۔ اور مشتعل ہو ہو کے انتقام کے درپے ہوتے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ سب اسی تاک میں تھے کہ کسی جگہ دونوں کو باتیں کرتے دیکھیں اور تلواریں مار کے وہیں ختم کر دیں۔ اتفاقاً ایک دن اُنھیں خبر لگ گئی کہ آج جمیل بثینہ سے ملنے کو آنے والا ہے۔ فوراً دس بارہ آدمی تلواریں باندھ باندھ کے گھاٹیوں میں چھپ رہے۔ اب ادھر سے بثینہ اور اسکی بہن ام الحسین گھر سے نکل کے ایک وادی میں جا پہونچیں۔ اُدھر سے جمیل ایک تازہ دم اور صبا رفتار

سانڈنی پر سوار آیا۔ اور معشوقہ سے مل کے جوش دل کو ظاہر کرنے لگا جس طرح بلبل پھولوں میں بیٹھ کے چہکتا ہے ویسے ہی آپ نے بثینہ کا رخ زیبا دیکھتے ہی غزلخوانی شروع کر دی۔ اور شکوہ و شکایت کا دفتر کھل گیا۔ اپنے اشعار خوب گا گا کے سنائے۔ اور آخر ایک شعر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اے بثینہ تیرے قبیلے کے جن مردوں نے میرے مار ڈالنے کی نیت کی ہے اور میرا خون حلال کر لیا ہے کاش وہی مجھے پاتے اور مار ڈالتے!" یہ شعر پڑھا ہی تھا کہ ایک جانب سے وہ لوگ تلواریں کھینچے ہوئے نمودار ہوئے۔ لڑکیوں کے نازک دل دہل گئے۔ مگر جمیل نے اُن سے پھر ملنے کا وعدہ کیا اور جھٹ پٹ سانڈنی پر سوار ہو کے چلا گیا۔ اونٹنی ایسی تیز تھی کہ دشمنوں کے مجمع میں سے ہو کے نکل گئی اور کسی نے اُسکی گرد بھی نہ پائی۔

اس واقعے کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک دن ایک اعرابی بثینہ کے قبیلے میں آیا اور لوگوں سے کہا "تمہارے پڑاؤ کے قریب ہی پہاڑیوں میں میں نے تین شخصوں کو دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کسی گھات میں ہیں۔ غالباً ڈکیتی کریں گے تم لوگوں کو ہوشیار رہنا چاہیے" قبیلے والوں نے اُن کے حلیے اور اُنکی وضع پوچھی۔ اور اعرابی کے بیان سے سمجھ گئے کہ نہ کوئی ڈاکو ہے نہ کوئی چور۔ بلکہ میاں جمیل ہیں جو غالباً بثینہ سے ملنے کو آئے ہیں۔ اور ساتھ ہی خیال آیا کہ معلوم ہوتا ہے بثینہ سے آج ملنے کا وعدہ ہے۔ اسلیے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ آج گھر سے باہر نہ جانے پائے۔ فوراً بثینہ کا خیمہ گھیر لیا۔ اور وہ غریب رات بھر اپنے خیمے میں قید رہی۔ جمیل نے گھاٹیوں میں رات نہایت ہی بیتابی و بیقراری سے انتظار کیا۔ اور صبح کو ناکام و نامراد اپنے آپ کو کوستا اور معشوقہ شیرین ادا پر بدگمانی کرتا ہوا واپس گیا کہ معلوم ہوتا ہے اُس نے عہد وفا کو توڑ دیا۔ پچھتاتا ہوا گھر پہنچا تو وہاں کی بعض شریر لڑکیوں نے جنھیں اس ناکامی کی خبر ہو گئی تھی جتانا شروع کیا کہ "واہ۔ اچھی لڑکی پر مرتے ہو جسے تمہاری نسبت کی پروا ہی نہیں۔ ایسی بیوفا پر مرتے تمہیں شرم نہیں آتی؟" اصل یہ ہے کہ جمیل کے قبیلے والے چاہتے تھے کہ اسکے دل کو بثینہ سے نفرت ہو جائے۔ اور آخر لڑکیاں چاہتی تھیں کہ جیسا

ثبینہ کے اُسے اپنا شیدا بنالین - انکی طعن و تشنیع کی باتین سُن کے جمیل نے چند شعر سنائے جن مین سے آخری شعر کا مطلب یہ تھا کہ "جس سے محبت ہو اُسکے چھوٹ اور اسکی بیوفائی مین بھی مزہ ہے"

اسکے بعد ایک مدت تک دونون مین فراق رہا - لیکن گو کہ جمیل کو کوے جانان مین جانا دشوار نظر آتا تھا مگر شوق دل لے ہی گیا - دونون مین وقت مقرر ہوگیا - اور سواد قبیلہ کے پہاڑون کی ایک محفوظ گھنگھوٹ مین عاشق و معشوق ایک دوسرے سے ملے - مگر ثبینہ کی ایک لونڈی کو خبر ہوگئی جو کسی بات پہ جلی ہوئی تھی - فوراً جاکے اُسکے باپ اور بھائی کو خبر کردی - اسی قدر نہین تو دُ اُنکے سر دن پر لیجا کے کھڑا کردیا - دونون نے طیش مین آکے تلوارین کھینچ لین - اور دم سادھ کے آڑ مین کھڑے ہوگئے کہ اُنکی بے عصمتی و بیحیائی کی باتین سُن لین تو حملہ کرین - اتفاقاً جمیل نے آج ہمیشہ کے خلاف دلدارنا زآفرین سے کہا "ثبینہ! تم میری آہ وزاری سنتی اور میری بیتابی و بیقراری کو دیکھتی ہو مگر میری اس محبت کی قدر نہین کرتین؟" ثبینہ نے کہا "آخر کیا کرون؟ اور تمھاری محبت کی قدر کیونکر کرون؟" بولا "جس طرح عورتین مردون کی محبت کی قدر کرکے اُن کی آرزو پوری کیا کرتی ہین" یہ جواب سنتے ہی ثبینہ چونک سی پڑی - حیرت زدہ و مبہوت ہوکے جمیل کی صورت دیکھی اور بولی - "تمھاری محبت کی یہی غرض ہے؟ مگر میرے دل مین تمھاری طرف سے خدا کی قسم کبھی ایسا خیال بھی نہین گذرا تھا! مین ایک شریف عرب کی بی بی ہون - اور گناہ سے ڈرتی ہون - اگر پھر کبھی تمھاری زبان سے یہ کلمات نکلے تو یاد رکھنا کہ زندگی مین پھر میری صورت نہ دیکھوگے" یہ جواب سُن کے جمیل کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا - مسکرایا اور کہا "ثبینہ! مین نے یہ فقط تمھارا امتحان کرنے کے لیے کہا تھا - اور سچ تو یہ ہے کہ اگر تم میری آرزو پوری کرنے کی ذرا بھی حامی بھرتین تو میرا دل ٹوٹ جاتا - دل مین کہتا کہ ایسی معشوقہ مجھے نہین چاہیے - اور تلوار کھینچ کے تمھارا سر اُڑا دیتا - لیکن اگر اس کا موقع نہ ملتا تو تمھین چھوڑ کے چلا جاتا اور پھر کبھی نہ ملتا - میری محبت بھی تمھاری طرح پاک ہے جس کو اکثر اپنے اشعار مین ظاہر کرچکا ہون" یہ کہہ کے اسی مضمون کے چند اشعار سنائے - یہ گفتگو سنتے ہی باپ نے تلوار میان مین کرلی - اور

بیٹے سے کہا "چلو گھر لیٹ چلیں۔ اب ہمیں ضرورت نہیں کہ ایسے پاکباز عاشق کے عشق میں مزاحم ہوں۔ یا بثینہ کو اُسکے پاس جانے سے روکیں" بیٹے نے بھی باپ کے خیال سے اتفاق کیا۔ اور دونوں واپس گئے۔ اور عاشق و معشوق نے اپنی محبت وصل بے غل و غش پوری کی۔

لیکن اس پر بھی اہل قبیلہ کے کہنے سننے سے اور نیز تمام قبائل عرب میں بدنام ہونے کے اندیشے سے پھر بثینہ کو روکا۔ اور اسکو گوارا نہ کر سکے کہ جمیل آزادی کے ساتھ آ کے اُن کی لڑکی سے ملا کرے۔ مگر بثینہ کے دل کو خود ہی ایسا لگاؤ ہو گیا تھا کہ ہزار روک اور بندش ہو وہ جب سنتی کہ جمیل پاس کی پہاڑیوں میں آیا ہے کوئی نہ کوئی جتن کر کے پہونچ جاتی اور مل آتی۔ چنانچہ ایک دن جمیل نے کسی شخص سے کہا بھلا تم میری اتنی مدد کرو گے کہ مجھے بثینہ سے ملا دو؟" اُس نے کہا "اچھا" پھر اُسے ساتھ لے جا کے خاندان بثینہ کے پڑاؤ کے پاس کی پہاڑیوں میں چھپا دیا۔ اور اپنی انگوٹھی لیجا کے چپکے سے بثینہ کے چرواہے کو دی۔ اور کچھ دے دلا کے کہا "تم اس انگوٹھی کو بثینہ تک پہونچا دو۔ اُسے فلاں مقام کا پتہ دے دو۔ اور اُس سے وعدہ لے آؤ" بثینہ انگوٹھی دیکھتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گئی۔ چرواہے کا شکر یہ ادا کیا اور رات کو آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ رات کو جیسے ہی قبیلے کے لوگ سو گئے وہ چپکے سے دبے پاؤں اُٹھ کے پہاڑوں میں آئی۔ بڑے ذوق و شوق سے ملی۔ رات بھر یہ صحبت عیش گرم رہی۔ جمیل کمال بیتابی کے ساتھ اپنے اشعار سناتا رہا اور صبح ہوتے ہی رخصت ہو کے بثینہ اپنے خیمے میں گئی۔ اور جمیل نے اپنے قبیلے کا راستہ لیا۔

(۳)

ان دنوں جمیل کا معاصر شاعر کثیر تھا۔ اور جس طرح جمیل بثینہ کے شمع رخسار کا پروانہ تھا وہ عزہ نام ایک سہ پارہ نازنین کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا۔ اتفاقاً کثیر ایک دن جمیل سے آ کے ملا۔ جمیل نے پوچھا کہاں سے آتے ہو؟" کہا "بثینہ کے باپ کے پاس سے آرہا ہوں" پوچھا "اور جاتے کہاں ہو؟" کہا "عزہ کے شوقِ دیدار میں جاتا ہوں" بولا "تو پہلے ایک کام کرو۔ عزہ سے پھر مل لینا۔ اس

وقت بثینہ کے قبیلے میں واپس جاؤ۔ اور جس طرح بنے میرے لیے اُس سے دعدۂ وصل لے آؤ۔" کثیر نے عذر کیا کہ "میں ابھی ابھی وہاں سے چلا آتا ہوں دوبارہ جاتے شرم آتی ہے۔" بولا "شرم آتی ہے تو آیا کرے۔ اسوقت تو تمھیں میری خاطر سے وہاں جانا پڑے گا۔" مجبور ہو کے کثیر نے کہا "اچھا بتاؤ تمھیں اُس سے ملے کتنے دن ہوے؟" کہا "اوائل شوال میں اُس کا دیدار نصیب ہوا تھا۔ اور ہوا یہ کہ میں اُسکے قبیلے کے پڑاؤ کے قریب وادی دوم نام ایک تالاب کے کنارے پہونچا کہ کیا دیکھتا ہوں بثینہ اور اُس کی ایک لونڈی کپڑوں کی گٹھری لیے ہوے نہانے اور کپڑے دھونے کو آرہی ہیں۔ جب وہ پانی میں اُتر چلیں تو مجھ سے نظر دوچار ہوئی تو بثینہ نے کوئی اجنبی سمجھ کے جھٹ پٹ ایک بھیگی چادر میں منہ چھپا لیا۔ اور لونڈی نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" میں نے کہا "جمیل" نام سنتے ہی بثینہ نے چہرہ کھول دیا۔ مانوس ہو کے بے تکلف باتیں کرنے لگی۔ اور غروب آفتاب کے وقت تک اُس سے لطف و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اب جدائی کی گھڑی آ پہونچی تھی۔ میں نے پوچھا "اب اسکے بعد کب ملوگی؟" بولی "اسوقت اسکا کیا جواب دوں؟ ہمارا قبیلہ یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔ کسے خبر کہ اب کہاں پڑاؤ ہوگا؟ اور کب اور کس جگہ ملنے کا موقع ملے گا؟" لاچار میں چلا آیا۔ جب سے دردِ فراق میں مبتلا ہوں اور اس درد کا علاج سوا تمھارے کسی سے نہیں ہو سکتا۔"

کثیر مجبوراً اُلٹے پاؤں بثینہ کے قبیلے کی طرف پھر چل کھڑا ہوا اور جمیل سے کہتا گیا کہ "جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا۔" بثینہ کے باپ نے جیسے ہی کثیر کو واپس آتے دیکھا جوش مسرت سے مرحبا کہی اور واپسی کا باعث دریافت کیا۔ کہا "آج تین نئے شعر میرے خیال میں آئے ہیں۔ جی چاہا کہ تمھیں آکے سناؤں۔" جواب ملا "ضرور سناؤ۔ اس سے بڑی کیا عنایت ہو سکتی ہے؟" کثیر نے خیمے کے پاس کھڑے ہو کے اور اس بات کا یقین کر کے کہ بثینہ کے کان تک آواز پہونچ جائے گی اپنے وہ اشعار سنائے۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے عزہ سے کہا کہ اپنا قاصد بھیجوں گا تاکہ تو بتا دے کہ کب ملے گی۔ اور وصال کے بارے میں تیرا کیا حکم ہے؟ آخری ملاقات وادی دوم میں ہوئی تھی جب کپڑے

دھوئے جا رہے تھے۔" یہ اشعار سنتے ہی ثبینہ بیتاب ہوگئی۔ بے اختیار سینے پر ایک دوہتڑ مارا۔ اور منہ سے نکلا "ارے رے رے!" باپ گھبرا کے اندر دوڑا گیا اور پوچھا "بیٹی کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" بولی "کچھ نہیں۔ وہی کتا تھا جو لوگوں کے سو جانے کے بعد رات کو پہاڑوں سے نکل آتا ہے۔ میری آواز سن کے بھاگ گیا۔" یہ کہہ کے اس نے اپنی لونڈی سے چلا کے کہا "جا دوڑ کے دومات (چند ٹیلوں کا نام) سے لکڑیاں لے آ۔ تاکہ ہم ایک بکری ذبح کرکے اپنے مہمان کو کھلائیں" کثیر نے یہ سن کے کہا "نہیں تکلیف نہ کرو۔ مجھے اس وقت جانے کی جلدی ہے۔ ٹھہر نہیں سکتا۔" اور اسی دم واپس آ کے جمیل سے یہ کیفیت بیان کی۔ وہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر ہوگیا اور بولا "میری ثبینہ نے اس وقت جب سارے قبیلے والے رات کو سو چکیں گے دومات میں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔" کثیر نے کہا "اگر تمھارے نزدیک اس نے وعدہ کیا ہے تو چلو۔" شام ہوتے ہوتے دونوں دومات میں پہونچ گئے۔ ثبینہ نے ساتھ آنے پر اپنی خالہ زاد بہنوں لیلیٰ اور نجیا کو بھی راضی کر لیا تھا۔ جب سب سو گئے تو تینوں لڑکیاں اپنے خیموں سے نکل کے مقام موعود پر آ پہونچیں۔ عاشق و معشوق عجیب خلوص اور خوشی سے ملے۔ صبح تک ایک دوسرے کی باتوں اور صحبت جاناں کی لذتوں میں مشغول اور محو رہے۔ خود کثیر کہتا ہے کہ "میں نے اپنی زندگی بھر نہ اس سے زیادہ عفت و پاکبازی کی کوئی صحبت دیکھی تھی۔ اور نہ کبھی اس سے بڑھ کے سچی محبت کا کوئی سین نظر آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے جذبات سے اس قدر واقف تھے اور دلوں کی باتوں کو اس طرح سمجھ لیتے تھے کہ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کس کا عاشقانہ علم غیب بڑھا ہوا ہے۔" آخر روز ہجران کی قیامت کا آفتاب نکلا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو کے اپنے گھروں کو سدھارے۔

اس ملاقات کی ثبینہ کے گھر والوں کو خبر ہوگئی۔ اور سب نے قسم کھائی کہ جمیل جہاں ملے گا مار ڈالیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمیل و ثبینہ پر دنیا تنگ تھی۔ ثبینہ تو گھر میں پڑی پڑی کڑھا کرتی۔ مگر جمیل کا یہ عالم تھا کہ جوش عشق جنون اور مالیخولیا کی شان دکھانے لگا۔ راتوں کو قبیلۂ ثبینہ کے قریب آتا۔ اندھیرے میں ٹیلوں پر

چڑھتا - اور دیار جاناں کی طرف رخ کرکے ہوا سے کہتا -

ہبی لی نسمۃ من ریح بثن   و منی بالہبوب الی جمیل

(بثینہ کی خوشبو کا کوئی جھونکا لا اور جمیل پر اتنا احسان کر کہ اُسکی طرف چل)

یون پہاڑون مین رات رات بھر روتا اور صبح سے پہلے بھاگ جاتا - ادھر بثینہ کا یہ عالم تھا کہ اپنی سہیلیون سے بار بار کہتی "ہاے جمیل کے رونے کی آواز آ رہی ہے" وہ کہتین "ہوش کی دوا کرو - جمیل یہان کہان؟"

انھین دنون کثیر سے پھر ملاقات ہوئی - اُسے جمیل کی بتا بیان دیکھ کے اُس کے چند مشہور اشعار یاد آئے جو اُس نے بثینہ کے فراق مین کہے تھے وہ اشعار پڑھے اور کہا "کیا بثینہ نے یہ شعر نہین سُنے جو اس قدر بے پروا ہے؟" جمیل نے اسی قسم کے چند اشعار کثیر کے پڑھ دیے اور کہا "کیا عزہ کے کان تک تمھارے یہ اشعار نہین پہونچے جو تمھین نہین پوچھتی؟" جواب معقول تھا دونون نے لپٹ کے رونا شروع کیا اور ساری رات آنسو بہاتے رہے -

آخر جوش عشق اس حد کو پہونچا کہ نہ رہا گیا - اور جان پر کھیل کے جمیل قبیلۂ بثینہ کی طرف چلا - اور ایک تالاب کے قریب ٹھہر گیا کہ بثینہ کی کوئی لونڈی یا اُس کے گلّے کی چرانے والی خادمہ ملے تو زہے قسمت - خوشامد درآمد کرکے پیام شوق لے جانے پر راضی کرے - بثینہ کی کوئی لونڈی تو نہ ملی مگر بنی عذرہ ہی کی ایک اور حبشن لونڈی مشک لیے ہوے پانی لینے کو آگئی - وہ اتفاق سے جمیل کو پہچانتی تھی - صورت دیکھتے ہی چلّائی "اخاہ! کیسے رہے؟" اور اُسکے ساتھ ہمدردی کرنے لگی - جمیل نے کہا "تمھین مجھ پر ترس آتا ہے تو اتنا احسان کرتین کہ یہ سی بہانے سے میری یہ انگوٹھی لیجا کے بثینہ کو دے دیتین - میرا پیام شوق پہونچاتین ور اُس سے وعدۂ وصل لے آتین - تم جب تک واپس نہ آؤگی مین یہان تمھارا منتظر رہون گا" لونڈی نے قبول کیا - اور انگوٹھی لے کے گھر گئی - یہان باتون ن اُسے اتنی دیر ہوگئی تھی کہ اُس کے آقا نے خفا ہوکے پوچھا "اتنی دیر تو نے ن لگائی؟" اس نے کچھ معمولی عذر کر دیے جن کا کسی کو یقین نہ آیا - اور لوگ ں سے مار مار کے پوچھنے لگے کہ "سچ بتا اتنی دیر سے کہان تھی؟" زیادہ مار پڑی

تو اُس نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور جمیل کی انگوٹھی نکال کے اُنکے ہاتھ مین رکھ دی۔ اس واقعے کی خبر بثینہ کے گھر مین پہونچی تو اُسکے باپ۔ بھائی اور شوہر تلوارین سُوت سوت کے کھڑے ہو گئے کہ اُسی وقت جا کے اُسکا کام تمام کر دین گے۔ خدا کی قدرت دو چار عُذری جوان آ گئے جنھین جمیل سے ہمدردی تھی۔ انھون نے ان لوگون کو قتل پر آمادہ دیکھ کے کہا "کیا ہوا کیا؟" اُنھون نے ساری سرگذشت بیان کر کے کہا "جاتے ہین جمیل کو مار ڈالین گے۔" جوانون نے پوچھا "جمیل ہے کہان؟" کہا "ان پہاڑیون کے اُس طرف فلان تالاب کے کنارے۔" انھون نے کہا "لیکن تم نے اُسے کوئی جُرم کرتے یا بثینہ سے ملتے نہین پکڑا ہے۔ یون اس کی نکسیر بھی پھوٹی تو اُسکے اعزہ بدلا لینے پر آمادہ ہو جائین گے۔" یہ سُن کے بثینہ کے عزیز خاموش ہوے اور کہا "پھر کیا کرین؟" کہا "اگر اُس سے انتقام لینا چاہتے ہو تو ایسی تدبیر کرو کہ وہ بثینہ کے پاس بیٹھا اور اُس سے باتین کرتا ہوا پکڑا جائے۔" یہ تجویز پسند کی گئی۔ اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اُسی حبشن لونڈی کو انگوٹھی واپس دی گئی۔ اور کہا گیا کہ "تو اسے لے جا کے بثینہ کو دے اور اُس سے وعدہ لے۔ اور یہ نہ بتا کہ کسی اور کو بھی خبر ہو گئی ہے۔ اور جس وقت وہ جانے کا وعدہ کرے اُس کی جا کے جمیل کو خبر کر دے۔" لونڈی تو اودھر بثینہ کے پاس گئی۔ اور یہ لوگ اودھر سیدھے جمیل کی تلاش مین روانہ ہوے۔ پتہ پوچھ ہی لیا تھا دم بھر مین جا پہونچے اور سارے واقعہ کی خبر کر دی۔ جمیل نے کہا "خیر مین تو چلا جاؤن گا مگر تم بثینہ کو تو خبر کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یہان آ کے پریشان ہو۔" سب نے وعدہ کیا۔ اور جمیل کو وہان سے نکلوا لے آئے اور بثینہ کی لونڈی کو کچھ دے دلا کے راضی کیا۔ اور اُس کے ذریعے سے اُسے بھی خطرے اور جمیل کے چلے جانے سے آگاہ کر دیا۔

اسکے بعد پھر جمیل و بثینہ مین کئی ملاقاتین ہوئین۔ اور اہل قبیلہ کو معلوم ہو گیا کہ بثینہ اپنی حرکتون سے باز نہین آتی اور برابر جا جا کے ملتی ہے۔ تب ناچار ہو کے انھون نے اُم منظور نام ایک بُڑھیا کو بثینہ کا نگہبان مقرر کیا جو ہر وقت سائے کے طرح اُس کے ساتھ رہتی اور کسی طرح پیچھا نہ چھوڑتی۔ جمیل کو شوق دیدار اُم منظور کے پاس لے آیا۔ اُسکے ہاتھ جوڑے۔ ناک رگڑی۔ سب طرح کہا کہ "بلند بثینہ کو

ایک نظر دکھا دو۔" وہ بگڑ کے بولی "جاؤ اپنا کام کرو۔ مین کوئی کٹنی نہین ہون۔" جمیل نے کہا "تو ایسا نہ کرو کہ پھر تمھین میری شکایت ہو۔" اُم منظور نے ایک نہ سُنی اور جمیل نے نہایت ہی حسرت کے ساتھ بے نیلِ مرام واپس آ کے دو شعر کہہ ڈالے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہاے وہ گھڑی نہ بھولے گی جب ام منظور نے سب سے چھپا کے مجھے ثبینہ کا جلوہ دکھایا تھا۔" یہ اشعار اُنکی زبان سے نکلتے ہی قبائل عرب مین مشہور ہو گئے۔ اور جب ثبینہ کے شوہر اور باپ بھائی کے کان تک پہونچے تو وہ ام منظور پر بہت بگڑے۔ اس نے لاکھ قسمین کھا کھا کے اپنی براءت کی ایک نہ مانی اور اُس پر سے بھی اپنا اعتبار اُٹھا لیا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعہ جمیل نے شعرون کے ذریعے سے مشہور کیا اُس کی کچھ اصلیت بھی تھی۔ کیونکہ مصعب بن زبیر نے اپنے عروج اور حکومت عراق کے زمانے مین کسی کی زبانی جمیل کے ان دو شعرون مین سے ایک کو سنا تو اُنھین بڑا لطف آیا۔ اور جوش مین آ کے کہنے لگے "کاش یہ معلوم ہوتا کہ اُم منظور نے جمیل کو ثبینہ کا جلوہ کیونکر دکھایا تھا؟" جس نے شعر سُنایا تھا اُسی نے اُنکی تمنا سُن کے کہا "تو مشکل ہی کیا ہے۔ جس اُم منظور کا اس شعر مین ذکر ہے ابھی زندہ موجود ہے خود اُس سے بُلا کے پوچھ لیجیے۔" مصعب نے جہان اُم منظور تھی وہان کے عامل کو حکم بھیجا کہ "اُم منظور کو فوراً میرے پاس عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجو۔" اور جب وہ آئی تو کہا "بڑی بی اتنا بتا دو۔ تم نے کس ادا سے ثبینہ کا جمیل کو جلوہ دکھایا تھا کہ اس سے ایسا مزے کا شعر نکل گیا؟" اُم منظور نے کہا "سنیے۔ مین نے ایک ہار ثبینہ کے گلے مین ڈال دیا تھا۔ ایک خمار سر مین لپیٹ دی تھی۔ کاکلون کی چوٹیان گوندھ دی تھین۔ اور مانگ مین خلوق (خوشبو جو صندل کی طرح لگائی جاتی تھی) لگا دیا تھا بس اتنا ہی سنگار کر کے مین نے ثبینہ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور جمیل کو صرف اتنی اجازت دی کہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کے پاس سے گذر جائے۔ اسی شان سے وہ کن انکھیون سے دیکھتا ہوا گذرا۔ اور قدم قدم پہ پھر پھر کے دیکھتا جاتا تھا یہان تک کہ نظر سے غائب ہو گیا۔" مصعب کو ان دنون عائشہ بنت طلحہ کے عشق کا زور تھا۔ اُن سے نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اور ہر لحظہ اُن

کے شمع رخسار کے پروانے بنے رہتے۔ ایک بیتابی کے ساتھ ام منظور کو قسم دلائی کہ "یونہی تم مجھے عائشہ بنت طلحہ کا جلوہ دکھا دو۔" بڑھیا کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اپنے خیال کے مطابق عائشہ بنت طلحہ کو اُسوقت کی بثینہ بنا کے بٹھا دیا۔ اور مصعب اونٹ پر سوار ہو کے جس طرح بڑھیا نے بتایا تھا کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ اور جب تک نظر کام دیتی تھی پھر پھر کے دیکھتے جاتے تھے۔

بہر تقدیر ان دو شعروں سے اُم منظور کا کانٹا تو راستے سے نکل گیا لیکن معشوقۂ پری تمثال کے قبیلے میں میاں جمیل جاتے کیونکر؟ وہاں جو تھا خون کا پیاسا تھا۔ اور یہاں تاب فراق نہ تھی۔ آخر ایک دن چرواہے کا بھیس کر کے چلے ہی گئے۔ اتفاقاً اُس دن بثینہ کے گھر میں چند مہمان ٹکے ہوئے تھے۔ آپ بھی اُنکی آڑ میں دبے ہوئے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بثینہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" کہا "ایک محتاج غلام ہوں۔" غلام خیال کر کے اُس نے انکو اور مہمانوں سے الگ بٹھایا۔ پھر آگ روشن کی۔ اور وہ خود اور اسکی ایک لونڈی آگ میں گوشت بھون بھون کے سب کو کھلانے لگیں۔ اتنے میں آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ہر ماندہ شکستہ حال کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ رات بھر آگینہ ہی تاپتا رہے یا اُسے اوڑھنے کو کچھ ملے گا؟" سنتے ہی بثینہ چونک پڑی اور لونڈی سے کہا "یہ تو خدا کی قسم جمیل کی آواز ہے۔ جا کے دیکھ تو سہی!" لونڈی نے آ کے دیکھا۔ اور واپس آ کے چپکے سے کہا "آپ سچ کہتی تھیں۔ جمیل ہی ہے۔" اس جواب پر بثینہ نے بیتاب ہو کے ایک ایسی چیخ ماری کہ پاس پڑوس کے تمام آدمی دوڑ پڑے۔ مگر جب تک کوئی آئے آئے اس نے گھبرا کے اپنا دوپٹہ آگ میں ڈال دیا۔ اور جب لوگوں نے آ کے چیخنے کا سبب پوچھا تو بولی "ہائے کیا کروں میرا دوپٹہ جل گیا!" اسکے بعد جب سب چلے گئے تو لونڈی بھیج کے جمیل کو اپنے پاس بلایا۔ بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اپنی کہی اور اُس کی سُنی۔ اور تین دن تک اپنے پاس چھپائے رکھا۔

اس موقع پر بثینہ نے اپنے اعزا اور شوہر کی مرضی کے خلاف نہایت ہی جرأت کا کام کیا تھا۔ لیکن عشق اور اس سچی محبت کے تقاضے سے جو اُسے جمیل کے ساتھ تھی وہ ہر طرح کے خطروں میں پڑنے اور اُس سے بھی بڑھ کے جرأتیں کرنے کو تیار

ہو جاتی تھی - چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اندھیری رات میں جبکہ بادل گرج
رہا تھا - مینھ برس رہا تھا - اور وہ بنی عذرہ کی کسی دعوت سے واپس آ رہی تھی اُسکا
بہن اُم الحسین اور کئی اور لڑکیاں ساتھ تھیں - چلتے چلتے کسی لڑکی پر ایک کنکر
آ کے گری - وہ سہم سی گئی اور ڈر کے بولی "یہ کنکری تو کسی جن نے ماری ہے" بثینہ
سمجھ گئی کہ جمیل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا - لڑکیوں سے کہا "ہاں یہ جنوں ہی کا
کام ہے - جلدی قدم اُٹھاؤ کہ بھاگ کے اپنے گھر ہو رہیں" - اور جاتے ہی پڑکے سو
رہیں" سب لڑکیاں بجاے اسکے کہ کچھ دیر اُس کے پاس بیٹھ کے باتیں کریں
بھاگ بھاگ کے اپنے گھر چلی گئیں - فقط ام الحسین اور وہ بڑھیا اُم منظور جس کا
ذکر آ چکا ہے رہ گئیں - تو بثینہ خود جا کے جمیل کو اپنے خیمے میں بُلا لائی - اور
دونوں ساتھ بیٹھ کے باتیں کرنے لگے - ساری رات باتوں میں کٹ گئی - مگر پچھلے کو نیند
کا ایسا غلبہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں پڑ کے غافل سو گئے - اور اسی
حالت میں صبح ہو گئی - پاس ہی خیمے میں اس کا شوہر تھا - اس لیے کہ اُن دونوں
عربوں میں رواج تھا کہ میاں بی بی جدا جدا خیموں میں رہا کرتے - اسکے شوہر کا
معمول تھا کہ روز صبح کو اپنے غلام کے ہاتھ اُس کے پینے کو ایک کٹورا دودھ خاص
اپنے اہتمام سے بھیجا کرتا - اسی معمول کے مطابق آج جو غلام آیا تو کیا دیکھتا ہے
کہ بثینہ کے پہلو میں جمیل پڑا سو رہا ہے - فوراً واپس گیا کہ اپنے آقا کو خبر کر دے -
اتفاقاً لیلی نام قبیلے کی ایک عورت نے جو بثینہ کی دوست تھی اُسے روک کے پوچھا
"کہاں جاتے ہو؟" اور غلام نے سارا حال بیان کر دیا - لیلی کو بثینہ کے حال پر
ترس آیا - غلام کو باتوں میں لگایا اور چپکے سے اپنی لونڈی کو اشارہ کیا کہ بثینہ کو
کو جا کے ہوشیار کر دے - اُس نے آ کے جگایا - اور ماجرا بیان کیا تو بثینہ گھبرا اُٹھی
جمیل کو جھنجوڑ کے اُٹھایا اور کہا "خدا کے لیے اپنی جان بچاؤ!" جمیل نے کہا "میں
ڈرنے والا نہیں ہوں" تلوار کھینچ لی - اپنے بہادرانہ عشق کی مدح میں فخریہ دو شعر پڑھے
اور مقابلے کو تیار ہو گیا - یہ دیکھ کے بثینہ اور سہم گئی - اور خوشامد سے کہا "یہ وقت
نہ بہادری کا ہے اور نہ شاعری کا - تمھارے لیے نہیں میں خود اپنی آبرو کے لیے ڈرتی
ہوں - اسی میں مصلحت ہے کہ چپکے سے تخت کے پیچھے دبک رہو" آخر معشوقہ کا ناز آفرین

کے کہنے سے جمیل تخت کے نیچے گھس گیا۔ ثبینہ اپنے بچھونے پر لیٹ کے سو تی پڑ گئی اور اُسکے پہلو مین بجاے جمیل کے اُس کی بہن ام الحسین آکے لیٹ گئی۔ جب یہ کارروائی ہولی اور لونڈی نے واپس جاکے لیلی کو اشارے سے بتایا کہ انتظام ہوگیا تب اُس نے اُس غلام کو رخصت کیا۔ غلام نے جاتے ہی اپنے آقا ثبینہ کے شوہر کو خبر کی۔ وہ تلوار لے کے دوڑا کہ اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔ مگر یہان آکے جب دونون ہم پہلو سونے والون کے منھون پر سے چادر ہٹائی تو کیا دیکھتا ہے کہ دو نون بہنین آس پاس سو رہی ہین۔ نہایت ندامت کے ساتھ غلام کو گالیان دیتا ہوا واپس گیا۔ اُدھر لیلی اُسی وقت ثبینہ کے ماں باپ کے پاس دوڑی گئی اور کہا "خدا انھین غارت کرے! اپنی لڑکی کو یون بدنام کرتی ہو! اور یہ شریر کانا (ثبینہ کے شوہر کی ایک آنکھ نہ تھی) خدا اس سے سمجھے ہر روز کوئی نئی بات اُٹھا کے کھڑی کر دیا کرتا ہے! وہ دونون داماد کو بُرا بھلا کہنے لگے اور ہر طرف سے اُس پر لعنت برسنے لگی۔ یہان سیان جمیل دن بھر حسبِ معشوقۂ پری تمثال کے خیمے مین اُس سے پیار کی باتین کرتے رہے اور جب شام ہوئی تو رخصت ہوے۔ اور آتے ہی اس واقعے کو بھی موزون کرکے سارے عرب مین پھیلا دیا۔

قبیلۂ بنی عذرہ کے جس بطن (شاخ) مین ثبینہ تھی وہ "بنی الاحب" کہلاتا تھا۔ اب بنی احب کے ایک نوجوان عبیداللہ بن قطنہ نے جمیل کی ہجو مین اشعار کہنا شروع کیے۔ مگر شاعری مین بھلا جمیل کا کوئی کیا مقابلہ کر سکتا تھا! جواب مین ایسی مٹی خراب کی کہ اُسکے حواس جاتے رہے۔ اور چندروز کے ردو قدح کے بعد اُس نے عہد کرلیا کہ پھر کبھی جمیل کو نہ چھیڑون گا۔ جب وہ ہار چکا تو بنی احب کے ایک اور شخص عمیر بن رمل نے جمیل کی ہجو مین طبع آزمائی شروع کی۔ اور وہ بھی ہار کے ندامت سے خاموش ہوا۔ جمیل نے ان دونون کی ہجوون مین چونکہ سارے قبیلے کے اوپر حملہ کیا تھا اور جن کی ہجو کی تھی وہ ثبینہ کے عزیز تھے اس لیے اُنھین سن کے ثبینہ بھی جمیل سے خفا ہو گئی۔ اُدھر ثبینہ کے اعزہ سب کی طرف سے ہار کے اپنے علاقے کے حاکم زکوٰۃ عامر بن ربعی کے پاس پہونچے اور فریاد کی کہ "جمیل ہمارے مردون کی ہجو کرتا ہے۔ ہمارے گھرون مین چھپ چھپ کے آتا ہے اور ہماری عورتون سے عشقبازی کرتا ہے۔" عامر

الفاظ مین ادا کی تھی کہ باپ اور تمام سننے والے زار وقطار رونے لگے۔

اب اُسے اپنی زندگی بہت دشوار نظر آنے لگی اور آمادہ ہوا کہ بھاگ کے ملک شام مین چلا جائے۔ چلتے وقت دل مین کہا "اب کوے جانان سے جاتا ہی ہون چلو چلتے وقت ایک رخصتی ملاقات تو کر لون"۔ یہ خیال آتے ہی ایک رات کو جبکہ قبیلے والے غافل تھے بے تکلف بثینہ کے خیمے مین چلا گیا۔ وہ صورت دیکھتے ہی سہم کے رہ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم تم اپنی بھی جان دوگے اور میری بھی جان لوگے! تم کو یہان آتے ڈر نہ لگا؟" جواب دیا "اب تو شام کو جاتا ہون۔ اور جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ آیا ہون کہ تم سے رخصت ہو لون"۔ یہ سن کے اُس نے پاس بٹھا لیا۔ دیر تک عشق و محبت کی باتین رہین۔ پھر لپٹ لپٹ کے رخصت ہوا اور کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی مین پھر تمھاری زیارت نہ ہوگی"۔ یہ کہہ کے رویا۔ مجبوبہ پری تمثال کو بھی رلایا۔ اور اپنے چند اشعار شوق و درد کے لہجے مین سنا کے چلا آیا۔

ایک مدت تک ارض شام مین سرگردان رہنے کے بعد پھر واپس آیا۔ اور بثینہ نے اُسکے آنے کی خبر سنی۔ اب بثینہ کی بیتابی و بیقراری بڑھی ہوئی تھی۔ قبیلے کی چند لڑکیون کی معرفت اُسے خود ہی پیام بھیج کے بلوایا۔ اور ایک محفوظ مقام مین اطمینان سے ملی۔ دونون نے اپنے دلون کی حالت ایک دوسرے پر ظاہر کی اور شکایت ہجران کے دفتر کھولے۔ انھین باتون مین مصروف تھے کہ کیا دیکھتے ہین بثینہ کے باپ اور بھائی سر پر تلوارین لیے کھڑے ہین۔

یہ دیکھتے ہی جمیل بجلی کی طرح تڑپ کر الگ جا کھڑا ہوا۔ تلوار کھینچ لی اور شمشیر زنی کا ایسا کمال دکھایا کہ دونون حریف مقابلے مین عاجز آ گئے اور ہمتین ہار کے بھاگ کھڑے ہوے۔ باپ بھائی کے جانے کے بعد بثینہ نے گھبرا کے کہا "لے اب تم خدا کے لیے واپس جاؤ۔ ذرا بھی ٹھہرے تو مین ایسی رسوا ہون گی کہ کہین کی نہ رہون گی۔ اور ممکن ہے کہ سارا قبیلہ چڑھ آئے تو پھر کیا کروگے؟" کہا "مین سب سے مقابلہ کرونگا تم شوق سے جاؤ۔ مگر مین یہان ٹھہرا رہون گا۔ اُن کا جو جی چاہے کرین"۔ لیکن بثینہ نے یقین دلا دلا کے چلے جانے پر مجبور کیا۔ اس واقعے کو بھی اُس نے اپنے کلام مین موزون

کیا ہے۔

اب پھر جمیل بثینہ کے قبیلے کے آس پاس مارا مارا پھرتا تھا۔ اور پہاڑون مین بیٹھ بیٹھ کے مصیبت ہجران پر روتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن اپنے دو چچا زاد بھائیون روق اور مسعدہ سے ملاقات ہو گئی۔ اُن کو پُرجوش اشعار مین اپنا درد دل سُنایا اور کہا "تم کوئی ایسی صورت نکالو کہ مین اپنی بثینہ سے مل سکون"۔ انھون نے کہا "تمھارے معاملے مین کون دخل دے؟ اسوقت قبیلے مین ایک سے ایک بڑھ کے حسین لڑکی پڑی ہوئی ہے مگر تم بثینہ کے نام پر مٹے ہوے ہو۔ جو دوسرے کی جورو ہے۔ کامیابی بھی ہو تو یا تم بدکاری مین مبتلا ہو گے جسے ہم تمھاری شان کے خلاف سمجھتے ہین۔ اور یا ذلیل ہو گے جو بات ہمین گوارا نہین ہو سکتی۔ اگر تم اپنے نفس پر تھوڑا سا جبر کرو۔ اپنی خواہشون کو روکو۔ اور پرہیز کی کڑواہٹ گوارا کر لو تو ساری دشواریان دُور ہو جائین"۔ یہ سُن کے جمیل پھوٹ پھوٹ کے رویا اور کہا "بھائی اگر یہ میرے بس کی بات ہوتی تو تمھارا کہنا ٹھیک تھا۔ لیکن کیا کرون دل ہی قابو مین نہین ہے۔ مین تو ایک قیدی ہون۔ جو اپنے نفع کی کوئی بات نہین کر سکتا۔ مین تمھارے پاس اس لیے آیا تھا کہ میری مدد کرو اور درد دل کا کوئی علاج بتاؤ۔ یہ اگر تم سے نہین ہو سکتا تو نہ سہی۔ مگر مجھے اور زیادہ پریشان تو نہ کرو"۔ یہ سُن کے دونون کو ترس آ گیا۔ اور کہا "خیر اگر تم جان دینے ہی پر تُلے ہوے ہو تو ایک تدبیر ہو سکتی ہے۔ بنی احب مین ہمارا ایک جانی دوست ہے۔ اُس سے مدد ملجائے گی۔ بثینہ آج ہی رات کو قبیلے کی اور بہت سی لڑکیون کے ساتھ ایک میدان مین کھیلنے کو جائے گی۔ ہم تمھین چھپ کے وہان لیچلین گے۔ اُس سے ملنا۔ جب تک موقع ہو باتین کرنا اور جب صبح ہوتے دیکھنا میرے اُن دوست کے گھر مین جا کے چھپ رہنا۔ اس طرح ایک زمانے تک تم وہان قیام کر کے اُس سے ملتے رہنا"۔ جمیل نے کہا "اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟" اور اُنکے ساتھ بھیس بدل کے راتون رات بنی احب مین جا پہونچا۔ ساتھیون نے وہان پہونچ کے جب اپنے دوست سے یہ خواہش بیان کی تو اُس نے کہا "تم مجھے ایک بڑی آفت مین پھنسا رہے ہو۔ ذرا بھی کھُل گیا تو سارا قبیلہ میری جان کا دشمن ہو جائے گا"۔ انھون نے پھر اصرار کیا تو اُس نے جبراً و قہراً منظور کر لیا۔ اور ساتھ ہی

نے کہا "ایسا ہے تو تمھارے لیے اُس کا خون حلال ہے۔ جہاں ملے بے تکلف مار ڈالو۔ اور کوئی مزاحم ہو تو مجھ سے آکے کہنا"۔ جمیل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بنی احب کے علاقے سے دُور دُور رہنے لگا۔

یہ زمانہ جمیل کے لیے بڑی بدنصیبی کا تھا۔ ایک طرف جان کا خوف تھا اور دوسری طرف بثینہ کی ناراضی کا صدمہ۔ اصل یہ ہے کہ عبیداللہ بن قطبہ اور عمیر بن رمل بثینہ کے عزیز تھے۔ جمیل نے اُن کی ہجو کہی تو اُسے بُرا معلوم ہوا۔ اور کہنے لگی "میرے ساتھ عشق کا تو دعوے ہے مگر میرے عزیزوں کی مذمت کرتے ہیں" آخر جمیل نے فراق کی بیتابی۔ اور اپنے وفورِ محبت کو اس عنوان سے اشعار میں ظاہر کیا اور اس طرح دل جوئی کی کہ بثینہ کا دل صاف کر دیا۔ خیر جمیل نے اپنی شاعری کے جادو سے بثینہ کو تو مسخر کر لیا لیکن حاکم کے موافق بنا لینے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔

آخر بےصبر دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کے اس خوف کے زمانے میں بھی ایک دن سب سے چھپ کے بثینہ سے ملا۔ باتیں کیں۔ اور اُسکے پاس بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بنی احب سر پہ آ پہونچے۔ اور اُسے پکڑ لیا۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ بنی احب جمیل کے قبیلے والوں سے دبے ہوے تھے۔ کیونکہ بنی عذرہ کے جس گروہ میں جمیل تھا وہ بڑا زبردست قبیلہ تھا۔ اس لیے بثینہ کے اعزہ ڈرے کہ اگر جمیل کے قبیلے والے انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے تو کیا کریں گے؟ ناچار خاموش ہو رہے اور اُسے نکل جانے کا موقع دے دیا۔ مگر اُسی وقت والیِ ملک کے پاس دوڑے گئے اور سارا ماجرا بیان کر کے اپنی عاجزی و بیچارگی ظاہر کی۔ اُس نے حکم جاری کر دیا کہ جہاں ملے گرفتار کر لیا جائے۔ اس حکم کے بعد جمیل کو بھاگنے کا راستہ نہ ملتا تھا مجبوراً صحبتِ یار سے دست بردار ہو کے ملک یمن کی راہ لی۔ اور وہاں کے دشت و در کی خاک چھاننے لگا۔ یہاں تک کہ وہ والی بدل گیا۔ اور بثینہ کے قبیلے والوں یعنی بنی احب نے بھی علاقۂ شام میں جا کے پڑاؤ ڈالا۔ جمیل کو خبر ہوئی تو پھر آ پہونچا۔ اور پہلے کی طرح پھر بثینہ سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔

اب پھر بثینہ کے اعزہ کا کوئی زور نہ چلتا تھا۔ آخر سب کے سب جمیل کے باپ معمر کے پاس آئے جو اپنے قبیلے کا دولتمند حاکم اور صاحب اثر شخص تھا۔ اور بڑی

عاجزی سے کہا "خدا کے لیے اپنے بیٹے کو روکیے - وہ ہماری لڑکی پر اظہار عشق کرتے۔ اوس سے بار بار آکے ملتے - اشعار مین اُسکے حسن و جمال کا ذکر کرکے اُسے بدنام کرتے اور ہمین ساری دُنیا مین رسوا کرتے ہین" معمر نے وعدہ کیا کہ اچھا مین اُسے سمجھا دون گا" پھر اسکے بعد جب جمیل سے ملا تو کہا "بیٹا - اس گمراہی مین کب تک پڑے رہو گے؟ ایک شوہر والی عورت کے ساتھ علانیہ اظہار عشق کرتے ہو جو ظاہر مین تم سے چلبلی چپڑی باتین کر دیتی ہے اور اصل مین اپنے شوہر کی جان نثار ہے - تمھین اس پر شرم نہین آتی کہ جسے اپنی معشوقہ بتاتے ہو وہ روز غیر کا پہلو گرم کرتی ہے؟ تمھاری ان حرکتون کو سُن سُن کے مین مارے غیرت کے مرا جاتا ہون - مگر تم پر اثر نہین ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ مین نے نہ تم سے زیادہ نالائق دیکھا ہے اور نہ تم سے بڑھ کے کوئی بیوقوف ہوگا جو ایک ایسی عورت کے شوق مین عمر ضائع کرے جس کا ملنا غیر ممکن ہو۔ لٰہذا ان بیہودگیون سے باز آؤ - مین نے اس بارے مین خوب غور کر لیا ہے - اگر کوئی صورت امکان مین ہوتی تو تمھارے لیے اپنی ساری دولت خرچ کرکے مین اس عورت کو لے آتا - اور تمھارے حوالے کرتا - خوب یاد رکھو کہ بثینہ جس کی ہونیوالی تھی ہو چکی - تمھارے قبیلے مین ایک سے ایک بڑھ کے خوبصورت لڑکیاں پڑی ہین - جس سے کہو شادی کر دون - مگر اُس کا خیال چھوڑ دو" جمیل نے کہا "آپ کی رائے نہایت صائب ہے - اور جو کچھ آپ فرما رہے ہین بالکل بجا و درست ہے - لیکن سچ فرمائیے - آپنے کبھی کسی شخص مین اتنی طاقت پائی ہے کہ اپنے عشق کو دل سے نکال ڈالے؟ اور معشوقہ سے دست بردار ہو کے دل کو تسلی دے سکے؟ خدا کی قسم اگر یہ بس کی بات ہوتی کہ اُس کی یاد کو دل سے بُھلا دون اور اُس کی صورت کو جو آنکھون کے آگے قائم ہو گئی ہے سامنے سے ہٹا دون تو مین ہرگز تامل نہ کرتا - مگر افسوس یہ امکان مین نہین - دراصل یہ ایک آفت ہے جس مین پھنس گیا ہون اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہین نظر آتی - جانتا ہون کہ بثینہ کے اعزہ و اقارب اور حکومت دشمن ہے مگر محبت سے باز نہین آ سکتا - یہی نہ کہ اس شوق مین مار ڈالا جاؤن گا؟ تو یہی میری تمنا ہے" اور پُر جوش اشعار مین دل کی حالت ظاہر کرنے لگا - اسوقت اُس نے اپنی بے بسی و بیقراری ایسے موثر

جمیل وہ بے نظیر شاعر تھا اور لوگ اسکی صورت دیکھنے کے مشتاق رہا کرتے تھے۔ سہل بڑے فقیہ اور مقتدائے ملت تھے اُن کو دیکھ کے جمیل نے پوچھا "بھلا ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں جس نے زندگی بھر نہ کبھی زنا کیا ہو۔ نہ شراب پی ہو۔ نہ کسی کی جان لی ہو۔ اور پچاس سال سے اس بات کی شہادت دیتا رہا ہو کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ" سہل نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ اس کی نجات ہوگی۔ مگر ان خوبیوں کا کون آدمی ہے؟" بولا "یہ خاکسار" سہل سُن کے حیران رہ گئے اور حیرت کے ساتھ پوچھا "بڑے تعجب کی بات ہے کہ قریب قریب تمھاری ساری زندگی تو بثینہ پر اظہار عشق کرتے گذری ہے اور اپنے آپ کو ایسا پاکباز و متقی بتاتے ہو!" جواب دیا "آپ جانتے ہیں کہ اب میں چند ہی روز کا مہمان ہوں۔ لیکن مرتے وقت بھی دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے محمد رسول اللہ صلعم کی شفاعت نہ نصیب ہو اگر کبھی میں نے بُری نیت سے بثینہ کے پنڈے میں ہاتھ بھی لگایا ہو۔ وصال میں اکثر میرا یہ کام ہوا کرتا کہ اُسکا نازک ہاتھ لے کے اپنے مضطر دل پر رکھ لیا کرتا۔ جس سے ذرا تھوڑی دیر کے لیے تسکین ہو جاتی اور اُسکے بعد پھر وہی بیقراری پیدا ہو جاتی۔

شاید اس کے چند ہی روز بعد کا واقعہ ہے کہ بنی احب کے خیموں کے پاس ایک دن ایک شتر سوار آیا۔ اونٹنی سے اُتر کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور ایک پُرسوز نوحے کی دُھن میں تین شعر گا گا کے سنائے۔ جن کا آخری شعر یہ تھا۔

قُومی بثینۃُ فاندبی بعویل وابکی خلیلاک دُون کل خلیل

(بثینہ اُٹھ۔ اور چلا چلا کر بین کر۔ اور اپنے اُس محب پر رو جو سب دوستوں سے (دتی تھا)

یہ اشعار نہ تھے جادو تھے۔ کہ سنتے ہی سارے قبیلے کی عورتیں خیموں سے نکل پڑیں۔ اور سراسیمہ و مضطر اس تازہ وارد شخص کی طرف دوڑیں۔ آگے آگے ایک غزال رعنا اور حور وش ماہ سیما تھی جو نہایت بدحواس اور مضطرب الحال نظر آتی تھی۔ اپنے کُرتے کے دامن میں اُلجھتی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔ "اے شخص اگر تو سچا ہے تو تو نے مجھے مار ڈالا۔ اور اگر جھوٹا ہے تو رسوا کر دیا۔ خدا کے لیے بتا ماجرا کیا ہے؟" اُس نے کہا "میں جھوٹا نہیں سچا ہوں۔ جمیل عذری نے ارض مصر میں انتقال کیا۔ وہاں مجھ سے اُن سے راہ و رسم پیدا ہو گیا تھا۔ ان

دونون جب وہ سخت بیمار ہوے اور یقین آگیا کہ یہی مرض مرض موت ہے تو ایک دن تنہائی مین اُنھون نے مجھ سے کہا کہ ”ایک بات کا اقرار کرو۔ جب مین مرجاؤن تو میرے پاس جو کچھ ہے تم لے لو اور مجھے دفن کرو۔ پھر اسکے بعد میری اونٹنی پر سوار ہو کے قبائل بنی عذرہ مین سے قبیلۂ بنی احب مین جاؤ۔ وہان پہونچ کے میری قبا پہن لو۔ اس کا گریبان چاک کر ڈالو۔ اور کسی بلندی پر کھڑے ہو کے میرے یہ تین شعر بآواز بلند اہل قبیلہ کو سُنا دو۔ چنانچہ دیکھ لو یہ اُنھین کی قبا مین پہنے ہوے ہون جس کا گریبان چاک ہے۔“

یہ حالات سننے کے بعد پھر بثینہ کو کہان قرار تھا؟ زور و شور سے رونے پیٹنے اور بین کرنے لگی۔ اور قبیلے کی ساری عورتین ماتم مین اُسکے ساتھ شریک تھین۔ روتے روتے غش کھا کے گر پڑی۔ پھر دیر کے بعد اُٹھی اور جمیل کے مرثیے مین اپنے اشعار پڑھنا شروع کیے جو برابر تین شبانہ روز تک زبان پر جاری تھے۔ یہان تک کہ تیسرے دن اسی غم مین وہ بھی دنیا سے چل بسی۔ اور سنہ ۸۲ھ مین دونون عاشق و معشوق کی زندگی کے ساتھ اُنکی داستان عشق بھی ختم ہو گئی۔

اہل ادب مین ایک ایسا واقعہ مشہور ہے جو بثینہ کے اُسوقت مرجانے کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ بثینہ جب بڑھیا ہو گئی تو ایک دن عبد الملک بن مروان نے بُلوا کے اسکے اور جمیل کے عشق کے حالات اس کی زبان سے سنے اور سن کے کہنے لگا ”بثینہ۔ تم مین کوئی خوبی نہین نظر آتی۔ آخر تم مین کیا بات تھی جو جمیل تم پر عاشق ہو گیا؟“ بثینہ نے برجستہ جواب دیا ”اور آپ مین کیا بات تھی جو لوگون نے آپ کو خلیفہ بنا لیا؟“ اس جواب پر عبد الملک مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور انعام و اکرام کے ساتھ بثینہ کو رخصت کیا۔

اس قصے کو کسی شخص نے بنا لیا ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو بثینہ کا نہین کسی اور عورت کا ہے۔ اس لیے کہ اہل سیر کو اسپر اتفاق ہے کہ جمیل کی خبر مرگ سننے کے بعد بثینہ تین دن سے زیادہ نہین جی۔ علاوہ برین واقعات مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ بثینہ جوان مری ہے۔ جبکہ اسکے حسن و جمال مین کسی قسم کا فرق نہین آنے پایا تھا۔ اور عبد الملک بن مروان سنہ ۶۵ھ مین یعنی جمیل کی وفات کے چار

جمیل کو اپنے خیمے میں چھپا کے بٹھالیا۔ اور رات ہی کو اپنی لونڈی کے ہاتھ اُسکی انگوٹھی بثینہ کے پاس بھیجی۔ بثینہ انگوٹھی پہچانتے ہی لونڈی کے ساتھ چلی آئی۔ بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اور رات بھر دونوں میں اظہار شوق کی باتیں ہی ہوتی رہیں۔ غرض مسلسل تین دن تک دونوں یونہیں راتوں کو ملتے رہے۔ تیسرے دن جمیل نے بثینہ سے کہا "اس نیکدل آدمی نے ترس کھا کے مجھے اپنے خیمے میں بٹھالیا اور مسلسل تین دن تک ہمیں وصل کی لذت حاصل ہوتی رہی۔ اب اسپر زیادہ بار ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو خبر ہو اور اس پر آفت آجائے۔ اس لیے اب میں رخصت ہوتا ہوں"۔

جمیل اور بثینہ کے عشق میں ایک مرتبہ دو چار روز کے لیے جوش رقابت بھی خلل انداز ہوا تھا۔ اور ہوا یہ کہ بثینہ اپنے قبیلے کے کسی خوشرو لڑکے سے باتیں کر رہی تھی کہ جمیل نے دیکھ لیا۔ اس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ اُسکے سامنے وہ بھی کسی اور جوان لڑکی سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے لگا۔ ان واقعات نے دونوں دلوں میں ذرا سا کاوٹ پیدا کر دی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی ہجر کی تکلیف دونوں کو بیقرار و بیتاب کیے ہوے تھی۔ ایک دن اُسے دُور سے دیکھ کے وہ آئی مگر پاس آکے ٹھٹک کے آڑ میں الگ ہی کھڑی ہو رہی۔ جمیل کا دل ہاتھ سے نکل گیا۔ اور تین شعر پڑھے جن میں سے پہلے کا مضمون یہ تھا "مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ ایسا نہ ہو موت مجھے فنا کر دے اور دل کی حسرتیں دل ہی میں رہ جائیں"۔ سُنتے ہی بثینہ کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور دونوں میں ملاپ ہو گیا۔ اس وقت جوش میں آکے بثینہ نے کہا "جمیل اپنا یہ شعر مجھے اپنی زبان سے سُناؤ۔

تظل وراء الستر ترنو بلحظها   اذا مر من اترابها من یرو قها

(اُس کا حسن چاہنے والا اُسکے پاس سے گذرا ہے اور وہ پردے کی آڑ میں کھڑی ہو کے اُسے کن انکھیوں سے دیکھ رہی ہے) جمیل نے اس شعر کو پڑھا۔ بثینہ سُن کے رونے لگی۔ پھر بولی "جمیل ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور نہیں بتاؤ کہ تم سے بڑھ کے میرا چاہنے والا کون ہوگا؟"

اب جمیل ملک شام میں تھا اور اپنے قبیلۂ بنی عذرہ کے سردار کا مہمان تھا۔

اُس کی سات بیٹیاں تھیں اور ساتوں حسین و گُل اندام تھیں۔ اُس نے چاہا کہ اپنی کسی بیٹی کا اُس کے ساتھ عقد کر دے۔ ان لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ بناؤ سنگھار کیے رہا کرو۔ اور جب موقع ملے جمیل کو اپنی صورت دکھا دیا کرو۔ عاشق مزاج نوجوان ہے، اور اس کے ساتھ شریف۔ شاید فریفتہ ہو کے کسی کے لیے پیام دیدے۔ لڑکیوں نے یہ معمول کر لیا کہ جب اُسے تنہا پاتیں پردہ اُٹھا کے اپنی جھلک دکھا دیا کرتیں۔ جب جمیل کو معلوم ہوا کہ جان بوجھ کے یہ حرکت کرتی ہیں تو اُن کی تحقیر اور بثینہ کی تعریف میں چند شعر کہے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اور تاک مصر کی راہ لی۔ بنی احب کا پڑاؤ رستے ہی میں تھا۔ اُن کے قریب پہاڑیوں میں ٹھہر گیا اور ارادہ کیا کہ بثینہ کا ایک جلوہ دیکھ لے تو قدم آگے بڑھائے۔ معشوقۂ شیریں ادا کی ہمکناری کے شوق میں بیتاب تھا کہ ایک دن اتفاقاً بثینہ کے قبیلے کے مرد کہیں باہر چلے گئے۔ بثینہ کا خیمہ سر راہ اُس سڑک کے کنارے تھا جو شام سے مصر کو گئی تھی۔ کئی دن سے بارش تھی۔ اب پانی بھی کھلا ہوا تھا کہ بثینہ کیا دیکھتی ہے ایک شکستہ حال بھوکا بدوی خیمے میں آکے پناہ گزین ہوا ہے۔ بثینہ کے پاس ایک بڑھیا تھی جو صورت دیکھتے ہی چونک کے بولی "جمیل!" جواب ملا "ہاں میں جمیل ہوں"۔ اُس نے پنیر اور مسکہ کھلایا پانی پلایا۔ اور جب اُس کے حواس درست ہوے تو کیفیت پوچھی بولا "تین دن سے سامنے کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا تھا اور منتظر تھا کہ مرد جائیں اور پانی کھلے تو بثینہ سے آکے ملوں اور اُس کا ایک جلوہ دیکھ لوں۔ اس لیے کہ اب میں مصر کی طرف جاتا ہوں۔ پھر دیکھیے زندگی میں آنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں"۔ یہ سُن کے بثینہ اُس سے بڑی سچائی اور لطف کے ساتھ ملی۔ تھوڑی دیر تک دونوں نے مزے مزے کی باتیں کیں۔ اور جمیل اُس سے رخصت ہو کے مصر چلا گیا۔

مصر کا حاکم و والی اُن دنوں عبد العزیز بن مروان تھا۔ اُس نے جمیل کی بڑی قدر کی۔ ایک اعلیٰ درجے کے مکان میں ٹھہرایا۔ ہر طرح کی خاطر مدارات کی۔ اور بثینہ سے ملانے کا مضبوط وعدہ کیا۔ مگر افسوس جمیل کی عمر نے وفا نہ کی۔ وہاں چند روز کے قیام میں بیمار پڑ گیا۔ اور مرض مہلک ثابت ہوا۔ اتفاقاً سہل ساعدی اور ایک اور شخص اُس کی عیادت کو آئے۔ اس لیے کہ جمیل اُس وقت کا

ہی برس بعد دنیا سے رخصت ہوگیا اس لیے یہ غیر ممکن ہے کہ چار ہی سال کے اندر شگفتہ جوان سے بڑھیا اور ایک گل اندام حسینہ سے کریہ منظر ضعیفہ ہو گئی ہو۔

لطیفۂ ہمدانیہ

ہم حسن کی کرشمہ سازیوں کے بہت سے نمونے ناظرین دلگداز کی پُرشوق نگاہوں کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ لیکن عفت و محبت کا ایک یہ کرشمہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہارون رشید کے زمانے میں قبیلۂ ہمدان کا ایک شریف عرب اپنی ایک پرورش اکلوتی بیٹی کو بچپن ہی میں یتیم چھوڑ کے مر گیا۔ یہ معصوم اور الھڑ لڑکی حسن و جمال میں جواب نہ رکھتی تھی۔ اور "لطیفہ" اسکا نام تھا۔ چچا نے اپنے گھر میں رکھ کے ناز و نعم سے پالا۔

اسکے چچا کا "وضعت" نام ایک خوش رو و گل اندام فرزند لطیفہ کا ہم سن اور ہم مکتب تھا۔ دونوں ایک ساتھ رہتے اور ایک ساتھ پرورش پاتے تھے بچپن سے دونوں موسم بہار کے نو شگفتہ پھول بنے ہوے تھے۔ اور جو جو بڑے ہوتے شگفتگی اور خوبصورتی بھی ترقی کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں کے عنفوان شباب کا زمانہ آ گیا۔

اس پُر خطر عہد زندگی کے شروع ہوتے ہی یکایک لطیفہ کی زندگی میں ایک تغیر شروع ہوا۔ چہرے کی بشاشت اور شگفتگی رخصت ہو گئی۔ لالۂ نو شگفتہ کے سے گال مرجھا گئے۔ آنکھوں سے حسرت ٹپکنے لگی۔ چہرہ اداس ہو گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چمن حسن کے پھولوں پر اوس پڑ گئی۔ چچا جو اُسے پھول کی طرح رکھتا تھا نہایت متردد ہوا۔ اس انقلاب کا سبب پوچھا۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ دل کا حال کھلتا ہی نہ تھا۔ آخر سب نے بیماری تجویز کی اور علاج کے لیے اطبا کی طرف رجوع کی گئی۔ مگر چند روز میں تجربہ ہو گیا کہ مرض پر حکیموں کا بھی کچھ زور نہیں چلتا۔

چچی ایک زیرک اور ہوشیار و زمانہ شناس خاتون تھی اُس نے کئی دفعہ دیکھا کہ وضعت کے حرکات و سکنات کو لطیفہ حسرت کی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور بار بار اُس کی صورت دیکھ کے اندر ہی اندر ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتی ہے۔ یہ دیکھ کے اُس نے دل میں کہا کہ اس لڑکی کی یہ ساری بیماری اسی وجہ سے تو نہیں ہے؟

اور کوشش کی کہ زیادہ آزمالے تو اس مرض کے دفعیے کی کوئی تدبیر نکالے۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ لڑکی کو بار بار غش سا آجاتا ہے۔ اور بے اختیار بیہوش ہوکے گر پڑتی ہے۔ چچی نے اسکے غش کے اوقات پر غور کرنا شروع کیا تو یہ کھلا کہ جب واصف گھر مین اور لطیفہ کی آنکھون کے سامنے ہوتا ہے تو وہ ہوش میں رہتی ہے اور حسرت واندوہ کے ساتھ اُسکی طرف نگران پائی جاتی ہے۔ مگر جب واصف کہین باہر چلا جاتا ہے تو بیہوش اور آپ سے باہر ہو جاتی ہے۔ یہ حالات دیکھ کے اُسے یقین آگیا کہ لطیفہ کا مرض یقیناً مرض عشق ہے۔ شرافت اور عصمت کے جوش سے دل میں دباتی ہے۔ جس سے پر آتش تنور سینہ مین اس بلا کی اُمس پیدا ہوتی ہے کہ ہوش و حواس نہین بجا رہتے۔

اس امر کا پورا پورا یقین کر لینے کے بعد اُس خاتون نے اپنے شوہر سے ذکر کیا۔ اُس نے کہا "اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ غنیمت سمجھو کہ کسی اور کو ابھی خبر نہین ہے۔ ورنہ یہ کہنے کو ہوتا کہ بیٹی کی شادی اُس نوجوان سے کردی جو پہلے سے اُس پر عاشق تھا۔ اور ہم قبیلہ مین کسی سے چار آنکھین کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اور میرا تو پہلے سے یہی ارادہ تھا۔ خیر خدا مبارک کرے۔ اور دو ہی چار روز کے اندر قاضی صاحب کو بلوا کے دونوں کا نکاح پڑھوا دو" غرض ہنسی خوشی دونون کی شادی ہو گئی۔ اور لطیفہ کا مرض دُور ہو گیا۔ اُسکے گلِ رخسار اب پہلے سے زیادہ شگفتہ تھے۔ نرگسین آنکھون مین بے نظیر رسیلاپن پیدا ہو گیا اور دونون طالبان وصال عیش و کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جو سچے عاشقون کو بہت کم نصیب ہوتی ہے۔ واصف بھی طبیعت کا شوقین واقع ہوا تھا۔ پری جمال و ناز آفرین دولھن کو تاکید کردی کہ ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہا کرو۔ بناؤ سنگھار کبھی ناغہ نہ ہو۔ اور اچھے سے اچھا عطر لگاتی رہا کرو۔ لطیفہ نے معشوق شوہر کا یہ مذاق دیکھ کے ایسا بننا سنورنا اور نکھرنا شروع کیا کہ جنت کی حور اور کوہ قاف کی پری معلوم ہوتی۔ جسنے معشوق شوہر کو عاشق صادق بنا دیا۔

مگر افسوس عشق دنیا مین نامرادی و ناکامی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر ماں باپ، اعزہ و اقارب، دوست احباب سب موافق ہون تو قدرت آسمانی

سامان حسرت و ناکامی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اس مقصد وری اور آرزومندی کی زندگی کو چند ہی برس گذرے تھے کہ واصف بیمار پڑا۔ چند روز مین سوکھ کے کانٹا ہو گیا۔ اور تھوڑے دنون بعد عین عالم شباب مین دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس جوانامرگ کا صدمہ مان باپ کو اور قبیلے کے ادنی و اعلی کو ہوا مگر اُس مایوس تمنا لطیفہ کے دل پر جو گذری بیان سے باہر ہے۔ عاشق شوہر کی یاد تو اُسکو کسی طرح بھولتی ہی نہ تھی۔ مگر اپنے جمال حسن پر خاک ڈالنا درکنار اُس نے اپنے واسطے زیب و زینت کو ہمیشہ کے لیے لازمی کر لیا۔ صبح و شام شوہر کی یاد مین ماتم کرتی۔ دن بھر آہ جگر دوز کھینچتی۔ اور روز بن ٹھن کے واصف کی قبر پر جا کے گھنٹون آنسو بہاتی۔ رخسار کے پھولون کو آنسوؤن کے گرم پانی سے دھو دھو کے روز کھلاتی۔ اور جب دیکھتی کہ رات زیادہ آگئی ہے تو خاک اُڑاتی ہوئی گھر واپس آتی۔ غرض اُسکا یہ معمول تھا کہ بھاری جوڑا پہن کے۔ سارے زیور سے سج کے۔ خوب بن ٹھن کے، اور عطر لگا کے قبر پر آیا کرتی۔

اسی معمول کے مطابق ایک دن وہ بناؤ چناؤ کر کے تربت جانان پر بیٹھی اشک خونین کے پھول چڑھا رہی تھی کہ عرب کے مشہور شاعر اور ایام عرب کے نامی مورخ اصمعی کا اُدھر سے گذر ہوا۔ ایک اور خوش فکر شاعر اُسکے ساتھ تھا۔ دونون نے دُور سے جو ایک بنی سنوری نازنین کو ایک قبر پر خاموش بیٹھے دیکھا تو متحیر ہو کے قریب گئے کہ اُس کی عجیب و غریب سوگواری کی داستان سنین۔ لطیفہ نے جو دو نامحرمون کو قریب آتے دیکھا چادر اوڑھ کے گھونگھٹ نکال لیا۔ سارا بدن اسمیٹ کے چادر مین ڈھانک لیا۔ اور چہرہ سرنگون کر لیا۔

اصمعی نے جب دیکھا کہ وہ متوجہ ہی نہیں ہوتی تو پوچھا "آخر اس رنج و الم کا کوئی سبب بھی ہے؟ اور گو ہم اجنبی ہین مگر درد دل کا اظہار خوبصورت چہرے کا دکھانا نہین ہے کہ آپ کو اس مین تامل ہو!" جواب مین بجاے اسکے کہ بات کرے اُس نے یہ دو شعر پڑھ دیے۔

فَاِن تَسْئَلَانِی فِیمَ حُزْنِی فَاِنَّنِی رَہِیْنَۃُ ہٰذَا الْقَبْرِ یَا فِتْیَان

(اگر تم دونون یہ پوچھتے ہو کہ میرا غم کیون ہے تو اے نوجوانو مین اس قبر کے ہاتھ گرو ہون؛

وانی لاستحییہ والترب بیننا   کما کنت استحییہ حین یرانی

دگو کہ ہمارے اُسکے درمیان مٹی کا ڈھیر حاجب ہے مگر مین اُس سے اب بھی ویسی ہی شرماتی ہون جس طرح کہ اُسکی آنکھون کے سامنے شرمایا کرتی تھی۔

اصمعی کہتا ہے کہ اس نازنین کا یہ برجستہ جواب سُن کے ہم دونون مبہوت و ششدر رہ گئے۔ مگر وہان زیادہ ٹھہرنا مناسب نہین معلوم ہوا۔ پاس سے ہٹ آئے اور اُسکی نظر بچا کے قریب ہی درختون کی آڑ مین چھپ رہے تاکہ دیکھین یہ نازنین یہان اکیلی بیٹھ کے کیا کرتی ہے۔ اور اسقدر قریب تھے کہ اُسکی آواز بخوبی ہمارے کانون مین آسکتی تھی۔ اب میدان خالی دیکھ کے اُس نے یہ اشعار سوز و گداز کے لہجے مین گانا شروع کیے:

یا صاحب القبر یا من کان یونسنی   وکان یکثر فی الدنیا مواساتی

اے قبر والے! اے وہ جو میرا انیس تھا اور میرے لیے سامان محبت بڑھاتا ہی جاتا ہے۔

قد زرت قبرک فی حلی وفی حلل   کانّنی لست من اہل المصیبات

مین نے بھاری بھاری جوڑے پہن کے اور گہنے سے آراستہ ہو کے تیری قبر کی زیارت کی۔ جیسے مجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہی نہین۔

تزینت لانت تہوی ان تراہ وما   قد کنت تالفہ من کل ہیئات

مین نے تو اپنے اوپر فرض کرلیا ہے کہ جیسا تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے ویسا ہی دکھاؤن اور جتنی وضعین تمھین پسند تھین تمھارے سامنے رہین۔

یہ اشعار سُن کے اصمعی پر بے انتہا اثر پڑا۔ وہ اور اُسکا رفیق شام تک یہین چھپے رہے۔ یہان تک کہ رات ہوئی اور حسرت نصیب لطیفہ قبر سے اُٹھ کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ جذبات انسانی کے یہ دونون جاسوس بھی اندھیر مین اُسکے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ اور جب وہ اپنے گھر مین داخل ہوئی تو اُنھون نے اُسکا پیچھا چھوڑا۔ اور واپس آکے یہ سرگذشت ہارون رشید سے بیان کی۔

رشید نے سنتے ہی ایک آہ کھینچی اور کہا "آہ! دنیا مین سب نعمتیں ملجاتی ہین مگر ایسی وفادار بی بی نہین نصیب ہو سکتی۔ کاش وہ میری بی بی ہوتی۔ مگر

جو کچھ ہو کوشش ضرور کروں گا" اور فوراً اپنے عامل حیرہ کو فرمان بھیجا کہ فلاں مقام پر اور فلاں بستی میں فلاں مکان میں ایک کمسن بیوہ ہے۔ اُسکے ولیوں کو دس ہزار درہم میری طرف سے بطریق مہر دو اور اُس حسین لڑکی کو نہایت ہی عزت و آبرو سے میرے پاس بھیجو۔

افسوس رشید نے اس نازنین کی قدردانی تو کی مگر اس کا خیال نہ کیا کہ ایسی محبت و عصمت والی بی بی جس کی ہوئی اُسکی ہوئی۔ پھر اُسکے بعد کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دوسرے کی ہو جائے تو پھر محبت ہی کیا ہے؟ والی حیرہ نے لطیفہ کے چچا کو روپیہ دیا۔ اور بلا لحاظ رضامندی عاشقانہ انداز سے لڑکی کو رخصت کرا کے بڑے کروفر اور نہایت ہی اہتمام کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ کیا۔ اور حسرت نصیب لطیفہ سے وہ پیاری قبر بھی چھڑا دی جو اُسکے جینے کا سہارا تھی جسکے سامنے بن ٹھن کے اور سیکڑوں طرح کے بناؤ کر کے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی اور دنیا کو اپنے حسن کی بہار دکھا دیا کرتی تھی۔ اب شاہی جلوس اُسے ملکۂ عالم بنا کے بغداد کی طرف لیے جاتا تھا۔ مگر اُس کا دل مرحوم محبوب کی قبر ہی سے لپٹا ہوا تھا اسی کشمکش میں مدائن کے کھنڈروں تک پہونچی تھی کہ فراق تربت دلدار کے صدمہ سے ناگہاں روح پرواز کر گئی۔ سب اسے کہہ کے رہ گئے۔ اور اصمعی اور رشید دونوں اپنی اس جبریہ کارروائی پر کف افسوس ملنے لگے۔ اُس کے اس جان دینے کا رشید کے دل پر اس قدر اثر پڑ گیا تھا کہ اصمعی کہتا ہے "اُس کی یاد زندگی بھر نہ بھولی۔ اور جب یاد آ جاتی اُس دردمند خلیفہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے"۔

عُمارہ

یہ عہدِ اولینِ اسلام اور صحابۂ کرام کے دور کی ایک پاکدامن و بے مثال حسینہ تھی جس کو یہ خاص شرافت حاصل تھی کہ بنی ہاشم کی اور اُن میں سے بھی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی محترم و معزز لونڈی تھی۔ لونڈی کے ساتھ معزز و محترم کا لفظ ہمارے زمانے میں بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر قطع نظر اسکے کہ خاندان نبوت کی غلامی بھی ایک بڑی شرافت و عزت ہے جن دونوں کا حال ہم بیان کر رہے ہیں

اُس زمانے مین اکثر صاحب جمال و کمال لونڈیان فی الحقیقت بہت ہی معزز و محترم اور آزاد بیبیون سے زیادہ ممتاز و مکرم ہوا کرتی تھین۔

چنانچہ یہی عمارہ جو حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار کی محبوبۂ خاص تھی حسن و جمال مین جواب نہ رکھتی تھی۔ شایستگی و تہذیب اور عصمت و حرمت کے کمال مین بےنظیر و بے ہمتا تھی۔ اور ان سب کمالات کے علاوہ فن موسیقی مین بھی بےمثل و بےمثال تھی۔ ایسا پیارا گلا پایا تھا کہ جو کوئی اُسکا نغمۂ دلکش ایک دفعہ سن لیتا زندگی بھر کے لیے اُسکے شمع رخسار کا پروانہ ہو جاتا۔ ان تمام کمالات نے عبد اللہ بن جعفر طیار کو اُس کا عاشق شیدا بنا دیا تھا۔ اور یہ حال تھا کہ بے اُسکے کبھی چین نہ پڑتا اور کسی حال پر قرار نہ آتا۔ چنانچہ سفر و حضر مین ساتھ رہتی اور جہان جاتے اُسے ضرور ساتھ لیتے اس لیے کہ بے اُس کے اُنھین اپنی زندگی دشوار نظر آتی تھی۔

ایک دفعہ اپنے بعض حقوق حاصل کرنے کے لیے اُنھین حضرت معاویہ سے ملنے کو دمشق کا سفر کرنا پڑا۔ اس طولانی سفر مین بھی اُنھون نے عمارہ کو ساتھ لے لیا۔ اور ارض شام کے مرغزارون کو طے کرتے ہوے خاص دار الخلافت دمشق مین پہونچے معاویہ سے ملے۔ چند روز اُنکے مہمان رہے۔ اور اپنے مقاصد مین کامیاب ہو کے مدینۂ طیبہ مین واپس آئے۔

زمانۂ قیام دمشق مین ایک دن یزید اُن سے ملنے کو آیا۔ چونکہ خلیفۂ وقت کا بیٹا اور ولیعہد خلافت تھا۔ اس لیے اُنھون نے اُس کی بڑی خاطر تواضع کی۔ ادب و اخلاق سے ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور اُس کی دلچسپی کے لیے عمارہ کو پردے سے باہر لا کے گانا سُنوایا۔ یزید صورت دیکھتے ہی عمارہ کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہو گیا۔ اور جیسا گانا سُنا تو ہجوم شوق نے آپے سے باہر کر دیا۔ دل مین آرزو پیدا ہوئی کہ اس نازک فریب پریجمال کو اپنے قبضے مین لائے مگر کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اور کلیجے پر صبر کی سل رکھ کے خاموش ہو رہا۔

حضرت معاویہ کی وفات کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو تازہ فرمن عمارہ بھرا دل مین اور جو دشواریان وصال سے مانع تھین حکومت کے غرور نے اُنھین اُس کی نظر کے سامنے سے ہٹا دیا۔ رازداران صحبت سے مشورہ کیا کہ "عبد اللہ بن جعفر طیار کی

لونڈی عمارہ کے لیے سخت بیتاب ہون۔ اور جب یاد آتی ہے دل ہاتھون سے تھام کے رہ جاتا ہون۔ بتاؤ کہ اُسے کس تدبیر سے حاصل کرون؟" مشیرون نے کہا "یہ معاملہ نہایت مشکل ہے۔ جعفر طیار کے صاحبزادے کوئی معمولی شخص نہین ہین مسلمانون پر اُن کا جو اثر ہے آپ کو معلوم ہے۔ اور آپ کے والد اُن کا جس قدر پاس و لحاظ کیا کرتے تھے وہ بھی آپ اپنی آنکھون سے دیکھ چکے ہین۔ ایسا نہ ہو کہ جوش عشق مین آپ سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے اور انجام اچھا نہ ہو۔ اس بارے مین خوب غور کر لیجیے۔ اور جو کچھ کیجیے حکمت عملی سے کیجیے تاکہ کسی قسم کی بدنامی نہ آئے۔" یزید خاموش ہو گیا۔ اور چند روز اسی اُلجھن مین رہنے کے بعد آخر ایک عراقی شخص کو خلوت مین بُلایا جو نہایت ہی چالاک، اور مکاری و فریب دہی مین طاق خیال کیا جاتا تھا۔ اس سے اپنے دل کی کیفیت اور اپنی بیقراری کی وجہ بیان کی اور کہا "کوئی ایسی تدبیر کرو کہ حسین دپریوش عمارہ مجھے مل جائے۔" اُس نے کہا "کامیابی تو خدا کے ہاتھ ہے مگر مین کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھون گا۔ آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیے کہ کیا کرون گا۔ مگر عنقریب دکھا دون گا کہ مین نے کیا کیا۔" یزید نے اس معاملے کو اسی پر چھوڑ دیا۔ اور بہت کچھ زر و جواہر اور مال و دولت دیکے رخصت کیا۔

عراقی دوسرے دن ایک دولتمند تاجر بن گیا۔ اور مال و اسباب کا ایک لدا پھندا قافلہ ساتھ لے کے ارض حجاز کی راہ لی۔ قطع منازل کے بعد مدینہ طیبہ مین داخل ہوا۔ اور عبداللہ بن جعفر طیار کے گھر کے سامنے جو میدان پڑا تھا اُس مین اُتر پڑا۔ عبداللہ نے ایک دولتمند تاجر کے آنے کا حال سُنا تو اخلاقاً اپنا مہمان تصور کر کے اُس سے ملے۔ اُس نے کچھ ایسی باتین بنائین اور اس قدر ادب و تعظیم۔ اخلاق و تہذیب سے ملا کہ پہلی ہی ملاقات مین ہاشمی شریف زادے کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر اُس نے بار بار قیمتی اور پسندیدہ تحفے و ہدایا پیش کر کے اُنکے مزاج مین بیحد رسوخ پیدا کر لیا۔ یہان تک کہ ہر وقت عبداللہ اُسی کی صحبت مین بیٹھے رہتے۔ اور روز بروز اُسکے زیر بار احسان ہونے کے ساتھ اُسکے دلی دوست بنتے جاتے۔ یہان تک کہ ایک بار اُسے بھی عمارہ کا گانا سُنوا دیا۔

عمارہ کی صورت دیکھ کے اور گانا سُن کے وہ بے انتہا محظوظ و مسرور ہوا۔ اُسکے کمالات کا حد سے زیادہ اعتراف کیا۔ اور تعریف کے پُل باندھ دیے۔ اور کہا "ایسی پری جمال و صاحبِ کمال نازنین روے زمین پر کہین نہ ملے گی" عبداللہ بن جعفر اپنی محبوبہ کی تعریفین سُن کے خوش ہوے۔ اور کہا "بھلا ایسی حسین نازنین اور ان صفات کی حوروش آپ کے نزدیک کس قیمت کو ملے گی؟" اُسنے کہا "ایسی نازآفرین حورطلعت کی قیمت سلطنت و خلافت ہے" اس پر ہنس کے عبداللہ نے کہا "معلوم ہوتا ہے میرے خوش کرنے کے لیے آپ لقلقے باندھ رہے ہین۔ اور اسے آسمان پر چڑھائے دیتے ہین" یہ سُن کے اُس مصنوعی سوداگر نے کہا "آپ مذاق سمجھتے ہین! مگر مین اصل حقیقت عرض کر رہا ہون۔ آپ جانتے ہین کہ مین ایک زرپرست تاجر ہون۔ اور میرا کام ہے کہ پیسہ پیسہ جوڑ کے دولت جمع کرون۔ لیکن اس پر بھی اگر آپ بیچین تو دس ہزار اشرفیان دینے کو طیار ہون" عبداللہ نے دل مین خیال کیا کہ یہ مذاق کر رہا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ خیال کیا کہ یہان اسکے پاس اتنی دولت کہان سے آجائے گی؟ دل‌لگی دل‌لگی مین انکی زبان سے نکلا "تو مین نے بیچا" ساتھ ہی اُس بنے ہوے تاجر نے کہا "اور مین نے مول لیا" کہہ کے اُٹھا کہ رقم لا کے پیش کر دے تو عبداللہ گھبرائے اور کہا "مین مذاق کر رہا تھا۔ آپ اشرفیان لانے کی زحمت نہ فرمائین۔ بھلا مین ایسی محبوبہ کو اپنے سے جدا کر سکتا ہون جس کے سہارے سے جی رہا ہون"

اب اُس مکار حریف صحبت کی صورت نہایت ہی متین ہو گئی اور ذرا سختی کے الفاظ مین کہنے لگا "مولانا یہ تجارت اور معاملت ہے جس مین کوئی کسی کی مروت نہین کر سکتا۔ یہ مذاق نہین ہے کہ آپ نے اس پریوش نازنین کو بیچا اور مین نے مول لیا۔ معاہدۂ بیع تکمیل کو پہونچ گیا۔ اور آپ کے لیے چون و چرا کی گنجایش نہین باقی ہے۔ بدعہدی آپ کی شان سے بعید ہے۔ اور جب آپ ہی سے ایسے حرکات سرزد ہون گے تو پھر اورون کا کیا اعتبار باقی رہے گا" عبداللہ نے پھر عذر کیا۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ اور آخر دیر تک رد و قدح کے بعد عبداللہ کو مجبور ہونا پڑا کہ دس ہزار اشرفیان لے کے نازنین عمارہ کو اُسکے حوالے کر دین۔ مگر جب

پیاری عمارہ کو ہاتھ سے کھو کے گھر آئے تو زار و قطار روئے - اور کمال بیتابی و بیقراری سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے -

اُس مصنوعی سوداگر کو جیسے ہی یہ سونے کی چڑیا ہاتھ لگی اُسی وقت لے اُڑا - اور ایک منزل پہ جاکے دم لیا - وہاں پڑاؤ ڈالتے ہی اُس نے عمارہ سے کہا "اے نازنین - تم یہ نہ سمجھنا کہ مین نے تمھین اپنے لیے لیا ہے - تم خلیفۂ عصر یزید بن معاویہ کی ملکۂ خاص بننے والی ہو - اور اُسی کا شوق پورا کرنے کے لیے مین نے تم کو حاصل کیا - لہذا تم مجھ سے پردہ کرو - اور مجھے اپنا ایک ادنیٰ خادم تصور کرو" غریب عمارہ اسکا کیا جواب دیتی؟ وہ اپنے بس مین کب تھی؟ اگر اُس کا زور چلتا تو وہ عبداللہ بن جعفر طیار سے جدا ہی کیون ہوتی جن کے ساتھ اُسے ویسی ہی محبت تھی جیسی عبداللہ کو اُسکے ساتھ تھی -

اسکے بعد خوشی خوشی منزلین طے کرکے وہ دمشق مین داخل ہوا - مگر وہان پہونچتے ہی کیا سنتا ہے کہ یزید مرگیا - اور اُس کا بیٹا معاویہ سریر خلافت پر بٹھایا گیا ہے جو اس ظالمانہ اور مغصوبہ خلافت سے ناراض ہے - یہ سنتے ہی اُس عراقی شخص کے ہاتھ کے توتے اُڑگئے - دل مین کہا کہ "اب کیا کرون؟" آخر دوسرے دن معاویہ بن یزید کے پاس پہونچا اور عمارہ کو پیش کرکے عرض کیا کہ "اس نازنین کو عبداللہ بن جعفر طیار سے چھڑا کے آپ کے والد کے لیے اور خاص اُنکے حکم سے لایا ہون - اب چونکہ اُنکے جانشین آپ ہین لہذا یہ آپ کی نذر ہے" معاویہ جو نہایت ہی خدا ترس شخص تھا واقعات سُن کے کانپ گیا - اور طیش کے ساتھ بولا "مجھے یہ باتین بالکل ناپسند ہین - جاؤ دور ہو - اور خبردار پھر مجھے کبھی اپنی صورت نہ دکھانا -"

یہ ٹکا سا جواب پاکے عراقی اپنا مُنہ لیے ہوے اپنے گھر آیا - اور معاویہ بن یزید کے ڈانٹنے اور ڈرانے کا کچھ ایسا اثر پڑا تھا کہ عمارہ سے کہا "یزید مرگیا - اُن کا بیٹا تمھین لیتا نہین - اس لیے اب تم میری ہو - لیکن نہین - مین تمھارے قابل نہین - تم مجھے اُسی طرح اپنا نامحرم سمجھتی رہو - اب مین تمھین لے چل کے پھر تمھارے آقا عبداللہ بن جعفر سے ملا دون گا" یہ کہہ کے اُس نے پھر جنوب کا سفر شروع کیا - اور چند روز مین مدینۂ طیبہ پہونچ کے عبداللہ سے ملا اور کہا "میرا قصور

معاف کیجیے - مین نہ تاجر ہون اور نہ کوئی معزز و دولتمند - اصل مین مجھے یزید بن معاویہ نے بھیجا تھا کہ جس طرح بنے فریب دے کے عمارہ کو آپ سے حاصل کرون جس خدمت کو آپ ہی خوب جان سکتے ہین کہ مین نے کیسی خوبی سے انجام دیا - اور کس طرح آپ کو بے بس کر کے عمارہ کو آپ سے لے گیا - مگر وہان پہونچا تو یزید مر چکا تھا - اُسکے بیٹے نے عمارہ کو قبول نہین کیا - لہذا پھر آپ کے لیے واپس لے آیا ہون - اور آپ کو یقین دلاتا ہون کہ مین نامحرمون کی طرح اسکے ساتھ رہا - اور جیسا پاک و صاف اُسے لے گیا تھا ویسا ہی پاک و صاف لے آیا ہون " یہ کہہ کے عمارہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ مین دیا - اور کہا " لیجیے آپ کی لونڈی آپ کو مبارک "

عمارہ کی جدائی کا عبداللہ کو اس قدر غم تھا کہ نیم جان ہو رہے تھے - صورت دیکھتے ہی بے اختیار اُسکے گلے سے لپٹ گئے - اور دونون لپٹ کے اس قدر روئے کہ روتے روتے غش آ گیا - جس منظر کو دیکھ کے معلوم ہوا کہ اس شخص نے انھین کتنا بڑا صدمہ پہونچایا تھا - اور اب اُنکی کتنی بڑی خدمت کی -

ہوش مین آنے کے بعد عبداللہ نے اُس عراقی کا شکریہ ادا کیا - اس کی نیک نفسی و پاکبازی کی تعریف کی - اور مسرت و احسانمندی کے ساتھ اُسے بہت کچھ انعام دے کے رخصت کیا -

بنی عباس کی ایک کنیز علیہ

خلافت عباسیہ کے آغاز اور بنی عباس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کے عہد کا واقعہ ہے کہ بصرے مین عبداللہ بن مالک خزاعی نام ایک دولتمند بردہ فروش کے گھر مین آدم فروشی کا بازار لگا ہوا ہے - مکان کے ایک حصے مین صدہا لونڈی غلام ستم زدہ قیدیون کی طرح بند ہین - اُسی کے قریب ہی ایک مقام پر وہ شایستہ - تعلیم یافتہ - حسین و نازنین - پری جمال و خوش خصال لونڈیان نفیس اور صاف ستھرے فرش پر بیٹھی ہین جو خدا جانے کن کن ملکون سے اور کن کن ستم زدہ مان باپ کے آغوش سے چھین کے لائی گئی ہین - تاکہ شوقین امرائے عرب

کے ہاتھ بھاری داموں اور بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کی جائیں۔ اس مکان کے بیرونی حصے میں ایک کمرہ بڑے تکلف اور امارت کے سازو سامان سے آراستہ ہے جس میں معزز گاہک آ کے آرام سے بیٹھتے۔ اور لونڈی غلاموں کو سامنے بلوا بلوا کے چھانٹتے ہیں۔ اور پسند کرتے ہیں۔

انسان فروشی کا یہ بازار خوب گرم ہے۔ اور شرفائے عرب میں سے متعدد نوجوان اور صاحب ثروت امیرزادے بیٹھے لونڈیوں کو چھانٹتے اور پسند کر رہے ہیں۔ کوئی کسی حسینہ کے خط و خال پر غور کرتا ہے۔ کوئی کسی گلرخسار کی تعلیم و قابلیت کا امتحان لے رہا ہے۔ اور عبید اللہ بن مالک کے ملازم اُن لونڈیوں کی مدح سرائی اور قدر و قیمت بتانے میں مصروف ہیں۔ اتنے میں ایک عالی مرتبہ خاتون جسکی اداؤں اور حرکات و سکنات سے معشوقیت و محبوبیت اور وضع و لباس سے شوکت و امارت ظاہر ہوتی تھی نہایت ہی بھاری پُر تکلف کپڑے پہنے۔ چہرے پر نقاب ڈالے۔ دل ستان زلفوں کو زرتار خمار میں اور طلائی زیور اور بیش بہا جواہرات کو ریشمی برقع میں چھپائے۔ ایک اعلیٰ درجے کے سفید خچر پر سوار جس پر زربفت کا زین پوش ہے اور ایک سو مسلح حبشی غلام ہٹو بچو کرتے ہمراہ رکاب ہیں دروازے پر آکے ٹھہری۔ اور خچر سے اُترنے کا قصد کیا۔ اُس نے نزاکت و دلربائی کی ایک جان ستان ادا سے زمین پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ بردہ فروش عبید اللہ بن مالک اپنی سنہری دستار سنبھالتا ہوا دروازے سے نکلا۔ اور زمین بوس ہو کے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

نازنین "(نہایت نغمہ خیز آواز اور شیریں لہجے میں) "میں امیر المومنین کی صاحبزادی رملہ کی لونڈی عقیبہ ہوں اور اُنھیں کی بھیجی ہوئی آئی ہوں"

بردہ فروش "اُن کا جو حکم ہو سر آنکھوں پر ہے۔ غلام حضور کے حکم بجا آوری کے لیے بدل و جان حاضر ہے۔ حضور کی رونق افروزی ہی میرے لیے باعث عزت ہے"

عقیبہ "صاحبزادی چاہتی ہیں کہ چند لونڈی غلاموں کو مول لے کے آزاد کریں۔ اسی کام کے لیے مجھے بھیجا ہے کہ دیکھوں تمھارے پاس کون کون غلام یا لونڈیاں زیادہ واجب الرحم ہیں تاکہ اُنکو خرید کے آزاد کر دیا جائے"

بردہ فروش "حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ جتنے لونڈی غلام حاضر ہیں سب

پیش کر دیے جائیں گے۔"

اس جواب پر مطمئن ہو کے عتبہ نازو انداز سے قدم اُٹھاتی ہوئی گھر کے اندر آئی۔ اور خاص کمرے میں جو عالی مرتبہ اُمرا کے لیے نہایت ہی تکلف سے سجا گیا تھا حریر کی مسند پر جلوہ افروز ہوئی۔ بردہ فروش ہاتھ باندھ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اُس کے ملازم اور غلام غلاموں اور لونڈیوں کو لا لا کے پیش کرنے لگے۔ جن میں سے چھ سات کو ضعیف و ناتوان۔ مریض و شکستہ حال دیکھ کے عتبہ نے منہ مانگے داموں پر مول لیا۔ اور یہ کہہ کے اُنھیں آزاد کر دیا کہ "ہماری محترم خاتون رَیطہ بنت امیر المومنین کو دعائیں دو کہ اُنھوں نے تمھیں آزاد کرا دیا۔"

یہ کارروائی جاری تھی کہ ایک بدصورت بوڑھا پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اور حسرت واندوہ کی مجسم تصویر بنا ہوا ناتوانی کی چال سے ہانپتا ہوا عتبہ کے سامنے آکے زمین بوس ہوا۔ پھر سر اُٹھا کے بولا "بی بی آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں ایک لب گور پیر فانی ہوں۔ اتنی طاقت نہیں کہ کسی کی خدمت کروں۔ مناسب جانیے تو مجھے بھی آزاد کرا دیجیے۔ بڑا ثواب ہوگا۔ اور جب تک جیونگا دعائیں دوں گا۔"

عتبہ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اور عبداللہ بردہ فروش کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگی "اس کی ناتوانی و کمزوری تو ظاہر ہی ہے۔ مگر صورت سے شریف بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کیسی فصیح زبان بولتا ہے؟ اور بات چیت میں کیسا ادب اور کیسی تمیز داری پائی جاتی ہے؟ کیا مناسب نہ ہوگا کہ اسے مول لے کے میں آزاد کر دوں؟"

بردہ فروش (مسکرا کے) "جو حضور کی مرضی۔ ہے تو یہ اسی قابل۔"

عتبہ "تو میں نے اسے بھی لے کے آزاد کیا۔ (اِس بڈھے سے) جاؤ تم آزاد ہو۔ صاحبزادی کو دعا دو جنھوں نے تمھارے بڑھاپے اور تمھاری بیکسی پر ترس کھایا۔"

پیر مرد "خدا حضور کو جیتا رکھے۔ مرتے دم تک یہ احسان نہ بھولے گا۔ مگر غلام کو اتنی اجازت ہو کہ شکرگذاری میں ان کنول کے پھولوں کے ایسے ہاتھوں کو بوسہ دوں؟"

عتبہ (ندامت آمیز غرور کے ساتھ) "تمھین اس کی اجازت ہے"۔ یہ سنتے ہی اُس بڈھے نے دوڑ کے نہایت ہی گرمجوشی سے کئی بار عتبہ کے ہاتھ چوم لیے۔ اور اپنا شوق پورا کر کے جب وہ چلا تو عبداللہ بردہ فروش کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اُسے ہنستے دیکھ کے عتبہ نے متعجب ہو کے پوچھا "تم ہنستے کیا ہو؟ اور بتاؤ اسکی قیمت کیا ہے؟"

عبداللہ "حضور مین قیمت کیا عرض کرون؟ حضور نے پہچانا بھی کہ یہ کون شخص ہے؟"

عتبہ "مین کیا جانون؟ تم ہی جانتے ہو گے کہ یہ کون ہے؟"

عبداللہ "حضور نے ابوالعتاہیہ شاعر کا نام سنا ہے؟"

عتبہ "سنتی کیون نہین؟ اُسے کون نہین جانتا؟ اُسکے بعض اشعار بھی مجھے یاد ہین"۔

عبداللہ "تو یہ وہی شاعر ابوالعتاہیہ ہے"۔

عتبہ (نہایت ہی حیرت زدہ ہو کے) "اور یہ غلام کیسے ہو گیا؟ مین نے تو سنا تھا کہ آزاد اور شریف النسل شخص ہے"۔

عبداللہ "جی ہان تھا تو آزاد ہی مگر حضور کے نازک ہاتھ چومنے کے شوق مین خود ہی میرا غلام بن گیا۔ اور اپنے دل کی حسرت نکال لی"۔

یہ سن کے مہ جبین عتبہ اُس سے نہایت ناراض ہوئی۔ اسکی گستاخانہ حرکت پہ بہت بگڑی۔ اور اپنے خچر پہ سوار ہو کے چلی گئی۔ لیکن ابوالعتاہیہ کے منہ کو تو خون لگ گیا تھا۔ اُن بوسون کی لذت زندگی بھر نہ بھولی۔ جب تک زندہ رہا اپنے اشعار مین عتبہ کے رُخ زیبا پر اظہار عشق کرتا رہا۔ اور ہمیشہ اُس کا نام لے لے کے سر دُھنا کرتا۔ عتبہ سُن سُن کے اور زیادہ بگڑتی۔ اور جب کچھ زور نہ چلتا تو اپنی بوٹیان نوچ کے رہ جاتی۔

آخر اس عشقبازی کو ایک مدت گذر گئی۔ سفاح کے بعد ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا۔ پھر اسکے بعد مہدی نے تاج خلافت سر پر رکھا مگر ابوالعتاہیہ کا عشق اُسی طرح زورون پر تھا۔ اور اشعار مین تشبیب اور عتبہ کے عشق کی بیقراری بڑھتی جاتی۔ آخر ایک دن عتبہ بالکل عاجز آکے مہدی کی خاص محل ملکۂ خیزران کے پاس بیٹھ کے رونے اور سُنہ چھاپنے لگی۔ بار بار کہتی کہ "ہائے میری کیسی رسوائی ہو رہی ہے۔ مگر حضور سماعت نہین فرماتین"۔ اتنے مین خود خلیفہ مہدی آگیا۔ اور عتبہ

کو روتے دیکھ کے پوچھا "ایں! عتبہ! روتی کیوں ہو؟"

عتبہ "اپنے نصیبوں کو روتی ہوں - ابو العتاہیہ نے میری آبرو لینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور میرا کچھ زور نہیں چلتا"۔ یہ سنتے ہی مہدی نے حکم دیا کہ "ابو العتاہیہ کو حاضر کرو"۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی کہ "ابو العتاہیہ حاضر ہے"۔ فوراً باہر نکل آیا - اور ابو العتاہیہ کا سامنا ہوتے ہی عتبہ کے عشق میں اُس کا ایک شعر پڑھ کے پوچھا "عتبہ کے عشق میں یہ تمھیں نے کہا ہے؟" اور جب اُس نے قبول کیا تو پوچھا "تمھیں اُس سے ملنا اور اُسکے پاس بیٹھنا کب نصیب ہوا تھا جو اُس کی ہمصحبتی ظاہر کرتے ہو؟"

ابو العتاہیہ نے اپنے چند شعر اور پڑھے جن میں صرف اتنا ظاہر کیا تھا کہ مجھے اُسکے پاس پہونچنے کی تمنا ہے - وہ اشعار سُن کے مہدی کچھ دیر تک سر جھکا کے سوچتا رہا - اور اُس کے دو اور شعر یاد کر کے سُنائے - جن میں عتبہ کو بادشاہ کی ایک حرم قبول کر کے اُس پر اظہار عشق کیا تھا - اور کہا "یہ بھی تو تمھارا ہی کلام ہے؟"

اب ابو العتاہیہ لاجواب تھا - اُسے جواب ہی میں عاجز کر کے مہدی نے حکم دیا کہ "شرع میں تہمت لگانے والوں کے لیے جتنے دُرّے مقرر ہیں اُسکے لگائے جائیں"۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی - اور ابو العتاہیہ کوڑے کھا کے کراہتا ہوا ایوان شاہی سے نکلا - اتفاقاً اُسی حالت میں عتبہ سے اُس سے چار آنکھیں ہو گئیں معشوقہ پرورش کی صورت دیکھتے ہی ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "مرحبا! مرحبا! آہ تمھاری وجہ سے مہدی نے ایک شخص کو مار ڈالا"۔

اس شعر کو ابو العتاہیہ نے کچھ ایسے حسرت و اندوہ کے دردبھرے لہجے میں سنایا تھا کہ عتبہ کے دل پر بڑا اثر ہوا - آہ! عورت! تجھے لوگ سنگدل اور بیوفا بتاتے ہیں - مگر سچ یہ ہے کہ تجھ سے زیادہ ترس اور رحم کسی کے دل میں نہیں ہے - تو مردوں کے لیے بیدل رحمت الٰہی بن کے دُنیا میں آئی ہے - اور مجسم رحم ہے - غرض اب جو عتبہ محل کے اندر گئی تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوے تھے - خیزران کا سامنا ہوا تو پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی - اور اُس سے بیان کر دیا کہ ابو العتاہیہ

کوڑوں کے درد سے کراہتے دیکھ کے میرا دل اختیار سے باہر ہو گیا۔ مہدی نے اب کی جو اُسے اِس حال میں دیکھا تو خیزران سے پوچھا "عتبہ اب کیوں روتی ہے؟" خیزران نے کہا "اب اس لیے روتی ہے کہ اس کا عاشق ابو العتاہیہ پٹا"۔ مہدی کو اُس کی یہ سادہ مزاجی اور انسانی ہمدردی بھلی معلوم ہوئی۔ کہا "اچھا نہ رو۔ میں ابو العتاہیہ کو انعام و اکرام سے خوش کر دوں گا"۔ پھر حکم دیا کہ اُس شکستہ دل شاعر کو اُسی وقت بلا کے پچاس ہزار درہم انعام میں دیے جائیں۔ فوراً اُسے بلا کے یہ انعام عطا کیا گیا۔ اور ساتھ ہی اُسے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ پچکال محبوبہ عتبہ کی عنایت ہے۔ اُس نے قصر خلافت کے دروازے ہی پر وہ پچاسوں ہزار درہم لٹا دیے۔ اور خالی ہاتھ گھر گیا۔

مہدی نے یہ واقعہ سُنا تو سخت حیرت ہوئی۔ اُسے بُلوا کے پوچھا "تم نے وہ دولت پاتے ہی لٹا کیوں دی؟" ادب کے ساتھ عرض کیا "امیر المومنین۔ اصل تو یہ ہے کہ غلام جس پری وش پر جان دیتا ہے اُسکو دولت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتا"۔ اس جواب کو مہدی نے پسند کیا۔ خوش ہو کے پھر پچاس ہزار درہم عنایت کیے۔ اور قسم دلائی کہ خبردار ان کو نہ لٹانا۔ چنانچہ اُس رقم کو لیکے وہ خوش خوش اپنے گھر گیا۔

اس کے بعد ایک سال جشن نوروز کے موقع پر جس کا رواج عجمیوں کے اثر سے بنی عباس میں ہو گیا تھا ابو العتاہیہ نے ایک چینی کا نایاب دیبہا ظرف خلیفۂ مہدی کی خدمت میں پیش کیا۔ اُسکے اندر مشک میں بسایا ہوا کپڑا تھا۔ اور اوپر عطر سالوں کی رنگین روشنائی سے یہ دو شعر لکھے تھے

نفسي بشيء من الدنيا معلقة　　الله والقائم المهدي يكفيها

میرا جی دنیا کی ایک چیز میں اُلجھا ہوا ہے جس تمنا کو اللہ اور خلیفۂ قائم مہدی ہی پورا کر سکتے ہیں

اني لايأس منها ثم يطمعني　　فيها احتقارك للدنيا وما فيها

میں اُسکے ملنے سے بالکل مایوس ہوں۔ لیکن پھر بھی یہ دیکھ کے کہ آپ دنیا و ما فیہا کو حقیر سمجھتے ہیں میرے دل میں اُس کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔

ان شعروں نے مہدی کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بلا تامل اس بات پر آمادہ ہو گیا

کہ عقبہ کو ہاتھ پکڑ کے ابو العتاہیہ کے حوالے کر دے۔ عقبہ نے جو خلیفہ کا یہ ارادہ دیکھا تو حاضر ہو کے ادب سے عرض کیا "ایسی عزت و حرمت اور ایسے ایسے معزز خدمات بجا لانے کے بعد لونڈی کی قسمت میں یہ لکھا ہے کہ امیر المومنین ہاتھ پکڑ کے اُسے ایک کاسہ فروش کے حوالے کر دیں۔ جو فی الحال شعر کہہ کے پیٹ پالتا ہے؟"

ابو العتاہیہ کا اصلی پیشہ یہی تھا کہ مٹی کے برتن بیچا کرتا۔ اکثر ناموران سلف کے اسی قسم کے پیشے سُنے جاتے ہیں۔ کوئی بزاز تھا۔ کوئی موچی تھا۔ کوئی جولاہہ تھا۔ کوئی حجام تھا۔ اور اسی طرح کے بہت سے پیشے جو آج کل نہایت ہی حقیر و ذلیل تصور کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ مذکورۂ بالا واقعہ صاف بتاتا ہے کہ ایک شاہی حرم اور قصر خلافت کی نازپروردہ صاحب اقتدار خاتون نے کاسہ فروشی کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مگر وہ اسی حقارت کی نگاہ سے وزرائے سلطنت تک کو دیکھ سکتی تھی۔ اکثر لوگ ان بزرگوں کے یہ پیشے سُن کے خیال کرتے ہیں کہ غالباً وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ہوں گے جیسے کہ آج کل اُن کے ہم پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ کسی عہد میں کسی پیشے کے معزز یا ذلیل ہونے کا اندازہ اُس وقت ہو سکتا ہے جب یہ امر بخوبی معلوم ہو کہ اُس عہد میں اُس پیشے کی کیا حالت اور کیسی عزت تھی۔ حضرت عیسیٰ بڑھئی تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم ایک تجارت کے کارندے تھے۔ مگر نہ حضرت عیسیٰ کے زمانے کا بڑھئی آج کل کا بڑھئی تھا اور نہ حضرت خاتم المرسلین رسول مقبول صلعم کے عہد کے کسی کارخانۂ تجارت کا کارندہ آج کل کے کسی دکاندار کا ہیچ تھا۔

عقبہ کے یہ کلمات سُن کے اور اُس کی رضامندی نہ پا کے مہدی نے ابو العتاہیہ سے صاف کہہ دیا کہ "عقبہ تو تم کو نہیں مل سکتی۔ لیکن ہم نے حکم دیدیا ہے کہ تمہاری کُپّی نقد سکوں سے بھر دی جائے!" یہ حکم سُننے کے بعد عقبہ باہر آئی اور دل میں کہا "دیکھوں میرے عشق کا دعویٰ کرنے والا اس انعام کو لے کے خوش ہوتا ہے یا نہیں" وہاں کیا دیکھتی ہے کہ میاں ابو العتاہیہ خزانچی سے جھگڑ رہے ہیں کہ امیر المومنین نے درہموں (روپیوں) سے نہیں دیناروں (اشرفیوں) سے کُپّی بھرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی ابو العتاہیہ کے پاس گئی اور بولی "بس تمہارا عشق

دیکھ لیا - اگر تم عتبہ کے عاشق ہوتے تو چاندی سونے کا امتیاز نہ باقی رہتا"۔

اسکے بعد پھر کبھی اُسکے دل مین عتبہ کے ملنے کی آرزو نہ پیدا ہوسکی - مگر اپنی شاعری مین مرتے دم تک اُس پر عشق ظاہر کرتا رہا - لوگ کہتے ہین کہ جس طرح وہ عتبہ پر عاشق تھا ویسے ہی عتبہ بھی اُس کی گرویدہ تھی - اور جہان تک بنتا اُسکے ساتھ سلوک کرتی - مگر باوجود اُسکے دونون زندگی بھر وصال اور ہمنشینی کی لذت سے محروم رہے - جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ عتبہ کا مرتبہ بہت زیادہ تھا - اور باوجود لونڈی ہونے کے شریف سمجھی جاتی - اور ابو العتاہیہ حسب و نسب کے لحاظ سے گرا ہوا تھا -

حُسن کی کرشمہ سازیان

آج ہم ان دلفریب کرشمون کے دو مختلف نمونے دکھاتے ہین - ایک وہ ہے جس نے ایک زبردست اور پُرسطوت شہنشاہ کو دیوانہ و مدہوش کرکے اپنا اسیر گیسو بنا لیا - اور دوسرا وہ ہے جس نے اپنی کرشمہ سنجیون سے ایک پُرجبروت تاجدار کے دل پر تو فتح پا لی مگر ایک دیندار و پرہیزگار نوجوان پر گو وہ عشق کے ہاتھون بیتاب و بیقرار ہی ہو رہا تھا قابو نہ پا سکا - پہلا نمونہ متوکل باللہ عباسی کی معشوقہ "شعانین" کا ہے - اور دوسرا اُموی خلیفہ یزید بن عبد الملک کی مہ جبین حرم "سلامۃ القس" کا - جن دونون کے حالات ہم جدا جدا بیان کرتے ہین -

شعانین

بنی عباس کا دسوان خلیفہ المتوکل علی اللہ جو ۲۳۲ھ سے ۲۴۷ھ تک مسلمانون کا خلیفہ تھا - ایک دن دمشق کے حوالی مین سیر و تفریح کو نکلا - قدم قدم پر نزہت افزا باغ اور مسیحیون کے عالیشان کنیسے ملتے جن کو دیکھ کے بہت خوش ہوتا - اور ہر مقام کی دلکشیون سے لطف اُٹھا کے آگے بڑھتا - اگر باغون کی نزہت و شادابی، وہ اُنکے خوش رنگ و نوشگفتہ پھول اسے اپنی دلچسپیون مین لگاتے تو گرجون مین نصرانی راہبون کے حسین و گل اندام بالکے اور جادو نگاہ

وست خرام اچھوتیان اُسکے دل مین عشق و محبت کا ذوق پیدا کرتین - اُن دنون شام و عراق کے کنیسے سب سے بڑی جلوہ گاہِ حُسن ہوتے تھے - اور شعراء عشاق کو اکثر انھین مین اپنے مذاق کے معشوق مل جایا کرتے - اُسکے ساتھ معشوقان دیر کے لباس مین کچھ ایسا معشوقانہ بانکپن اور ایسی دلربایانہ کرشمہ سازی مضمر ہوتی کہ اکثر عاشق مزاجون کو اُن کی زیارت کا شوق رہا کرتا -

چنانچہ اس سیر و تفریح مین متوکل ایک طرف تو باغون اور چمنون کی بہار دیکھ دیکھ کے محظوظ و مسرور ہوتا اور دوسری طرف مسیحی راہبون اور اُن کے بالکون اور کنواری لڑکیون کے وضع و لباس اور شکل و شمائل دیکھنے سے بیخود بیخود ہو جاتا - اتنے مین ایک عالیشان گرجے سے ایک سن رسیدہ اُسقف نکل کے آداب بجا لایا - گرجے والے متوکل کے سلام کو حاضر ہوے - جو یکے بعد دیگرے خلیفہ کو آداب بجا لا کے گذر جاتے اور خلیفہ اُس اُسقف سے ہر ایک کا نام اور اُس کے حالات دریافت کرتا - انھین کے غول مین ایک مہ پارہ نازنین لڑکی نظر آئی جو ایک چاندی کا عود دان ہاتھ مین لیے ہوے تھی - یہ بڑی وقت نازنین حسن و جمال اور نزاکت و کمال مین جواب نہ رکھتی تھی - اور متوکل اس کی صورت دیکھ کے عش عش کر گیا - اگرچہ دل ہاتھون سے نکلا جاتا تھا مگر اُسے روکا - سنبھالا - اور اُسقف سے پوچھا "یہ مہ جبین کون ہے؟" اُس نے کہا "میری بیٹی"۔ پوچھا "اس کا نام؟" جواب ملا "شعانین"۔

اب تو متوکل مین ضبط کی تاب نہ تھی خود اُس حسینہ کی طرف متوجہ ہوا - اور کہا "شعانین - پیاسا ہون مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو"۔ اس مہ پارہ نے عجب انداز دلربایانہ سے رسیلی آنکھین نیچی کر کے عرض کیا "حضور - یہان جتنا پانی ہے چھوٹے چھوٹے گڑھون اور چھپرون کا ہے - اور یہ امیر المومنین کے قابل نہین - کیا کہون اگر حضور میری جان شیرین سے سیراب ہوتے تو اُسے بھی پیش کر دیتی - مگر پانی حضور کے قابل پانی یہان میسر آ سکتا"۔ یہ کہتے ہی وہ لپک کے خانقاہ سے ایک چاندی کا کٹورا اُٹھا لائی - اور خلیفہ کے ایک ہمراہی مصاحب کو اشارہ کیا کہ "جو پانی امیر المومنین کے ہمراہ رکاب ہے اُسی کو اِس کٹورے مین بھر کے پیش کر دیجیے"۔

ان دلستان اداؤن کو دیکھ دیکھ کے متوکل از خود رفتہ ہو رہا تھا کہ وہ کٹورا پانی سے بھر کے پیش کیا گیا۔ متوکل نے پانی پیا۔ اور رومال سے مُنہ پونچھ کے اُس نازنین سے کہا "اگر مین تمھین چاہون تو تمھاری مرضی کے خلاف تو نہ ہوگا؟" مسکرا کے اور عجب دلفریب انداز سے اُس نے جواب دیا "امیر المومنین۔ ابھی تک تو مین حضور کی لونڈی ہون۔ لیکن اگر حضور کی محبوبہ بن گئی تو حضور کی ایک ادنیٰ سے برہمی میرے لیے کسقدر اندیشناک ہوگی! کیا حضور نے شاعر کا کلام نہین سُنا؟ کہتا ہے

کنتَ لی فی اوائلِ الامر حِبّاً ۔ ثم لمّا ملکتَ صِرتَ عدوّا

(ابتدائے الفت مین تو تو میرا دوست تھا لیکن جب میرا مالک ہوا تو دشمن ہو گیا)

یہ جواب سُن کے متوکل پر ایسی بیخودی طاری ہوئی کہ قریب تھا کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مگر آپ کو سنبھالا اور کہا "خیر آج تو تم مجھے اپنے یہان جگہ دو۔" یہ سنتے ہی بولی "بسر و چشم" اور متوکل کو لیکے کوٹھے پر چڑھ گئی۔ راہب دوڑ کے اچھی سے اچھی شراب لے آیا جو اکثر گرجون ہی مین ملا کرتی تھی۔ مگر متوکل نے اُسے کھانے کی زحمت نہ دی اور اپنے باورچی خانے سے منگوا لیا۔

اب دور چلنے لگا۔ اور متوکل دو ایک جام پی کے بیخود و بدمست ہوا تو شعانین سرود لا کے گانے بجانے لگی۔ اور چند اشعار گا کے اُنھین مین اپنا مافی الضمیر یون ادا کر دیا کہ "اے وہ شخص جو مجھ سے دعوائے الفت کرتا ہے مرحبا۔ میری جان تجھ پر فدا۔ خدا نہ کرے کہ مین ایسی محبت سے محروم ہون۔ مین تو تیرے عشق کی لونڈی ہون لہذا پی لیا۔ اور جو ہم صحبت پینے سے اُسکے سامنے سے جام ہٹا لے۔ جس خدا نے آسمان کو قائم کیا ہے اُسی کی قسم تو میری جان کا مالک ہو گیا۔ اور اپنے عشق مین مبتلا کر کے میرے دل کو تو نے ایک عذاب مین مبتلا کر دیا ہے۔"

یہ اشعار نہ تھے وعدۂ وصال تھے۔ سنتے ہی متوکل کے دل مین امید پیدا ہوئی۔ بولا "شعانین۔ مجھ سے محبت کا دعوے ہے تو مسلمان ہو جاؤ۔" اُس نے کہا "بجان و دل" فوراً متوکل نے کلمۂ شہادت پڑھا کے اُسے مسلمان کیا۔ پھر اسی صحبت مین اُس سے نکاح کر لیا اور اپنے گھر لایا۔

شعانین کے سیرۃ نویس دعوی کرتے ہین کہ وہ نہایت ہی حسینہ و جمیلہ اور

صاحبۂ فضل و کمال تھی۔ آنکھیں نرگسین تھیں اور بوٹا سا قد سرو کے مانند۔ ہونٹ یمن کے عقیق تھے اور گال گلاب کے پھول۔ دیگر کمالات کے ساتھ وہ موسیقی میں بھی بہت اچھا دخل رکھتی تھی۔ اور اسکی مجموعی خوبیاں اس بلا کی تھیں کہ ہندستان کی سکنتلا کی طرح ایک راہب مرتاض کی خانقاہ سے نکل کے ایک شہنشاہِ ہفت اقلیم کے دل پہ قبضہ کر لیا اور ملکۂ عالم بن گئی۔

سلامۃ القس

یہ عہدِ بنی امیہ میں سہل بن عبد الرحمن بن عوف زہری کی ماہ طلعت و حور وش لونڈی تھی جسے انھوں نے علم و فضل۔ ادب و شاعری۔ اور آداب صحبت کے علاوہ فن موسیقی کی بھی تعلیم دی تھی۔ اور چونکہ اس پر کمال نازنین نے بلا کا گلا پایا تھا لہذا اُس کا نغمۂ دلکش جس کسی کے کان تک پہونچتا ہمہ تن گوش ہو جاتا۔ آخر اُس کی دلبری و رعنائی کی یہان تک شہرت ہوئی کہ خاندان بنی اُمیہ کا نوان خلیفہ یزید بن عبد الملک اُسپر فریفتہ ہوا۔ اور تین ہزار اشرفیان دے کے اُسے مول لیا اور اپنی محبوبۂ خاص بنا لیا۔ اور کہتے ہین کہ اُسکے پورے زمانۂ خلافت مین یہ اُس پر حاوی تھی۔ وہ خلافت اسلامیہ پر حکومت کرتا اور یہ اُسکے دل پر حکومت کرتی۔

اس کا نام تو صرف "سلامہ" تھا مگر "سلامۃ القس" یعنی قس والی سلامہ اپنے حسن کی کرشمہ سنجیون کے ایک خاص واقعے کی وجہ سے مشہور ہو گئی۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ جب سلامہ اپنے پہلے آقا سہل کے پاس تھی تو اُس کی دلچسپی یا گانے کی مشق بڑھانے کے لیے اکثر گایا اور دلدوز تانین لگایا کرتی۔ اسی معمول کے مطابق ایک دن گا رہی تھی کہ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی عمارہ کا ادھر سے گذر ہوا۔ ان بزرگ کا ابھی عنفوان شباب تھا۔ نہایت ہی صاحب جمال اور خوشرو نوجوان تھے۔ اور اسکے ساتھ بڑے عالم فاضل اور فقیہ و مجتہد تھے۔ اور اتنے بڑے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ اُسی کمسنی کے زمانے مین "قس" (راہب) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ اُن کے کان مین جو سلامہ کی تانون کی آواز گئی تو دروازے کے سامنے ٹھٹک کے اسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ اور وجد مین آکے جھومنے

لگے۔ سہل نے جو اُنھیں اپنے دروازے پہ اس حال میں دیکھا تو دوڑ کے قریب گیا۔ اور ادب سے عرض کیا "آپ یہاں راستے میں کیا کھڑے ہیں؟ اندر تشریف لائیے۔ اس حسینہ سے اطمینان کے ساتھ بیٹھے۔ اُسکا گانا سنیے۔ جب جی چاہے چلے جائیے گا۔" اُنھوں نے کہا "نہیں۔ یہ نامناسب ہے۔ میں ایسی عورت کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔" اُس نے کہا "اچھا میں آپ کو ایسے مقام پہ بٹھا دوں گا کہ آپ کا سامنا نہ ہو۔ فقط گانا سنتے رہیں گے۔" اس صورت میں عبدالرحمٰن موصوف کو کوئی مضائقہ نہ نظر آیا۔ اُسکے ساتھ اندر چلے گئے۔ اور اُس نے ایک پوشیدہ مقام میں بٹھا دیا۔ بڑی دیر تک گانا سنتے رہے۔ اور بار بار وجد و محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اُنھیں زیادہ لطف اُٹھاتے اور سلامہ کے نغمے پرمست و بیخود ہوتے دیکھ کے سہل نے سلامہ کو لا کے پاس بٹھا دیا۔ اور کہا "اب گانا سننے کے ساتھ اس کے حسن و جمال کی زیارت سے بھی بہرہ یاب ہوجیے۔"

عبدالرحمٰن اگرچہ عابد و زاہد اور پارسا و پرہیزگار تھے مگر نوجوانی کا زمانہ تھا اور خود بھی طلعت زیبا رکھتے تھے۔ سلامہ کی سی ملائک فریب حور طلعت کو دیکھا تو ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہوگئے۔ اور قیامت یہ ہوئی کہ انکی چشم فتان کا تیر اُس نازنین کے سینے میں بھی پیوست ہوگیا۔ خلاصہ یہ کہ اسی صحبت میں دونوں ایک دوسرے پر مفتون ہوگئے۔ ختم صحبت پہ یہ اُٹھے تو سلامہ نے جب تک دوبارہ آنے کا وعدہ نہ لے لیا دامن نہ چھوڑا۔ سہل کو بھی شاید ان نوجوان عابد و زاہد کو آزمانا تھا سلامہ کو ملنے جلنے کی بالکل آزادی دیدی۔

عبدالرحمٰن کو بھی سلامہ کے پاس جانے میں پہلے جو جھجک تھی جاتی رہی اور بار بار آنے جانے لگے۔ لیکن باوجود ملنے جلنے اور گھنٹوں خلوت و عزلت میں پاس بیٹھے رہنے کے عبدالرحمٰن نے اپنے جامۂ پارسائی میں کبھی ذرا سا بھی دھبہ نہ آنے دیا۔ اور سلامہ کی بیتابی و بیقراری روز بروز بڑھتی ہی جاتی تھی۔ آخر نہ رہا گیا۔ ایک دن تنہائی میں کہہ ہی بیٹھی کہ "میں آپ کی محبت میں بیقرار ہوں اور اب صبر کی تاب نہیں۔" اُنھوں نے نہایت سادگی سے جواب دیا "میرے دل کا بھی یہی حال ہے۔" سلامہ بولی "میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے لب جان بخش کا بوسہ لوں۔"

بہت ہی بے تکلفی سے فرمایا "میرا بھی یہی جی چاہتا ہے۔" سلامہ نے اور ڈھیٹ ہو کے کہا "مجھے تو اس بات کا شوق ہے کہ آپ کے سینے سے اپنا سینہ رگڑوں۔" بغیر اس کے کہ چہرے پہ کوئی نئی کیفیت طاری ہو بولے "مجھے بھی یہی شوق ہے۔" اب سلامہ عاجز تھی۔ جب دیکھا کہ میرے اس قدر بیباک ہونے اور اس حد تک اشتیاق ظاہر کرنے پر بھی یہ سوا زبانی جمع خرچ کے کوئی عملی جرأت نہیں کرتے تو جھنجلا کے اور شرم و خودداری کو بالائے طاق رکھ کے کہنے لگی "تو پھر آپ کو مانع کون چیز ہے جو چاہتے سب ہیں اور کرتے کچھ نہیں؟" بڑی ہی اعلیٰ درجے کی مستقل مزاجی سے جواب دیا "صرف جناب باری کا یہ ارشاد کہ اَلْاَخِلَّاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ[1] اور مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ یہ ہماری باہمی محبت کبھی بدل کے دشمنی ہو جائے۔" اتنا کہا۔ اور خاموشی سے اُٹھ کے چلے آئے۔ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر کبھی سلامہ کے پاس نہ گئے۔ مگر اتنے ہی پاکبازی کے تعلقات کی وجہ سے سلامہ "سلامۃ القس" یعنی زاہد مرتاض والی سلامہ مشہور ہو گئی۔

اسپاسیا یونانیہ

یونان کے نامی گرامی فلسفیوں سقراط و افلاطون وغیرہ کے ناموں اور کارناموں سے کون نہیں واقف ہے؟ مگر اس کی خبر شاید کسی کو نہ ہو گی کہ اُن سب کے کمالات علمی کے پردے میں ایک بے نظیر و بے مثال خوروش و پری جمال عورت تھی جو سچ یہ ہے کہ وہی اُنکے اظہار کمال کا ذریعہ ہوئی۔ یہ عورت یونان کے نامور مدبر، نامور دیگر، اور ہر دلعزیز فرمانروا اپرکلیس کی جورو اسپاسیا تھی۔

یونان کی کسی خاتون کو اپنے حسن و جمال اور فرزانگی و کمال کے لحاظ سے اس قدر شہرت نہیں نصیب ہوئی جس قدر اس بے نظیر و بے ہمتا حسینہ و جمیلہ کو حاصل ہے۔ وہ زیبائی و رعنائی میں انتخاب۔ فصاحت و بلاغت میں لاجواب۔ دانائی و ذہانت میں بے مثال اور فراست و ذکاوت میں سراپا کمال تھی۔ اُن دنوں دنیا کی کوئی

[1] اُس دن زہد و تقیامت الغرض احباب ایک دوسرے کے دشمن ہونگے بجز اُن احباب کے جو پرہیزگار ہوں۔

عورت ان خوبیون مین اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی - خصوصاً یونان مین تو اُسکے اخلاق و افعال کو کوئی عورت پہونچ ہی نہ سکتی تھی - قدیم دار العلم یونان ایتھنز (اثمینہ) مین یہ قانون جاری تھا کہ شہر کا کوئی شریف شخص غیر شہری عورت سے یا برادری سے باہر شادی نہ کرے - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یونان کی عورتون کے غرور کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی - وہ اور کہین کی کسی عورت کو اپنے برابر نہ سمجھتین چونکہ مرد اُن کی طرف رجوع کرنے اور ساری دُنیا کے حسن و جمال سے قطع تعلق کر لینے پر مجبور تھے اس لیے اثینیہ کی عورتین شوہرون کو خطرے مین نہ لاتین - اور اپنے شوقون کی دُھن مین مردون کی طرف سے بے پروا ہو جاتی تھین -

جس زمانے مین خاتونان یونان کا یہ حال تھا اسپاسیا شوہر کے نام کی عاشق اور اُسکے شمع رخسار کا پروانہ تھی - اگرچہ اُن دنون یونان مین پردے کا رواج تھا - مگر وہ شوہر کی محبت ورفاقت مین نہ پردے کا خیال کرتی اور نہ کسی خطرے کا - جلوت مین - خلوت مین - مکان مین - دربار مین - انتظامی مجلسون مین - لڑائی کے میدانون مین - شکار کے جنگلون مین - سفر کی منزلون مین - کوئی جگہ نہ تھی جہان اُسکا شوہر ہوتا اور اُس کی رکاب سے رکاب ملائے وہ موجود نہ ہوتی -

اُس کا شوہر پرتلیس یونان کا سب سے بڑا مدبر سلطنت اور زبردست سپہ سالار تھا - اپنی خوبیون - ملک کی سچی ہمدردیون - اور جان بازی کی قومی خدمتون سے اُس نے اہل وطن کو اپنا ایسا گرویدہ کر لیا تھا کہ سب اُسپر شیدا تھے اور اثینیہ کا حکمران یا بادشاہ جو کچھ وہی تھا - بڑے بڑے معرکون مین اُس نے ناموریان حاصل کی تھین - اعلیٰ سے اعلیٰ قوانین جاری کر کے قوم کا نظام اور ملک کا انتظام درست کیا تھا - اور عموماً مانا جاتا ہے کہ یہ سب کامیابیان اور ناموریان محض اُس کی انیس زندگی اسپاسیا کی شرکت و اعانت سے تھین - لوگ علی العموم اُس کی ترقیون اور کامیابیون کا اصلی باعث اُس کی بی بی ہی کو سمجھتے تھے - وہ ہر علمی صحبت مین - ہر ملکی کونسل مین - اور ہر معرکۂ جنگ مین اُسکے ساتھ ہوتی - اور اکثر موقعون پر خود اسپاسیا نے شوہر کی رفاقت کے جوش مین ایسی لیاقت اور ایسی شجاعت دکھائی کہ دیکھنے والے محو حیرت ہوگئے - اور سننے والے

عشق عش کرنے لگے۔

اسپا سیا کے علمی ذوق کا یہ نتیجہ تھا کہ اُسکی ڈیوڑھی پر ہمیشہ بڑے بڑے عالموں۔ فاضلوں۔ فلسفیوں اور شاعروں۔ ریاضی دانوں اور ہندسوں نقیبوں اور ادیبوں کا مجمع رہتا۔ اور یونان میں اہل علم و صاحبان کمال کا مرجع و ماویٰ اُسی کا گھر تھا۔ اُس کے مردانے مکان سے بڑی علمی صحبت یونان بھر میں کہیں نہ تھی۔ اہل کمال کی جیسی وہ قدر کرتی تھی پھر اُسکے ساتھ اُسکے علمی شوق اور اُس شوق میں اُسکی نسوانی جدت طرازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُسکے محل کی دیواروں پر تمام مشہور فلسفیوں۔ ادیبوں۔ عالموں اور نامور لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

قصر کے بیرونی حصے میں زنانی ڈیوڑھی کے سامنے ایک بہت بڑا ہال یا دیوان خانہ تھا جس کی چھت بڑے بڑے خوبصورت ستونوں پر قائم تھی۔ چاروں طرف ارغوانی رنگ کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ در و دیوار پر بے نظیر نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ اُسکے اندر عجیب قسم کا سامان دولت جمع تھا اور نہایت ہی پُرتکلف قیمتی اشیاے زینت فراہم کر دیے گئے تھے۔ اُسے اسپاسیا نے صاحبان علم و کمال کا کلب قرار دیا تھا۔ جہاں آنے والوں کو ہر قسم کی علمی و معاشرتی مدد ملتی۔ ہر طرح کا سامان تنعم و تفریح۔ تنقل و تسکین موجود رہتا اور بے منت مل جاتا۔ اکثر خود آ کے اُنکی علمی صحبتوں میں شریک ہوتی اور حوصلہ افزائی کرتی۔ اس کلب میں اثینہ کے تمام صاحبان علم و فضل اور نامور اہل کمال آزادی کے ساتھ بے روک ٹوک آتے۔ اور جن مسائل میں شک و شبہہ ہوتا دقیقہ رس باکمالان عصر سے بحث کر کے صاف کر لیتے۔

صبح کی صحبتوں میں اکثر اسپاسیا خود آ کے شریک ہوتی۔ اسکے آنے کی یہ شان اور وضع ہوتی کہ یونانی خاتونوں کی وضع کے مطابق سب کے نیچے ایک چھوٹی سفید اوڑھنی ہوتی جس کی کوروں پر سنہری کامدانی بنی ہوتی۔ پھر اُسکے اوپر سرخ ارغوانی دوپٹہ ہوتا جسکے آنچلوں میں کارچوب کا طلائی کام ہوتا۔ اس دوپٹے کو خاص انداز سے وہ جسم میں ساری کی طرح باندھ لیتی۔ اور اُسکے اوپر دونوں شانوں پر ایک تیسری نیلگوں چادر پڑی رہتی جسکے طلاکار آنچل دونوں طرف لٹکے

رہتے - اور اُس کا عاشق شوہر ہاتھ مین ہاتھ دیے اُسکے پہلو مین ہوتا -

وہ کشیدہ قامت - چھریری - اور نازک بدن تھی - زلفون مین گھونگر تھے جو پیٹھ پر پڑی رہتین - آنکھین نرگسین بڑی بڑی اور شربتی تھین - چمپے کی کلی سی بلند اور سو توان ناک تھی - کان چھوٹے چھوٹے تھے - رخسارے گلاب کے پھول اور ہونٹھ یاقوت احمر تھے - اور باریک دلکش اور نغمہ خیز آواز معلوم ہوتا کہ فصاحت یونان کے جام شراب مین سحر بابل کی شیرینی ملا دی گئی ہے - اس شکل و شمائل اور اس وضع و لباس مین جب سنگ مرمر کے زینون سے ہو کے وہ اپنے کوٹھے پر کی جلوہ گاہ حسن سے اُترتی - خانہ باغ کی روشون پر ٹہلتی - باغ کے بیچون بیچ مین ایک بلند پر تکلف بنگلے مین کھڑی ہو کے گل و لالہ کی بہار دیکھتی اور نسیم سحر اُس کی زلفون سے کھیلتی اور اُسکے آنچلون کو اُڑاتی - تو یہ معلوم ہوتا کہ اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لیے ایک پری دار حور آسمان سے اُتر آئی ہے -

اُسکی نازک پتلی پتلی اُنگلیون مین اگرچہ دو چار بیش قیمت اور مرصع انگوٹھیان ضرور رہا کرتین - مگر نازنینان یونان کی طرح وہ زیور کی شوقین نہ تھی - اُسے سادی اور قدرتی خوبیان زیادہ پسند تھین "بہ رنگ و بوے و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را" اُس کا حکیمانہ مذاق تھا - اور فلسفیانہ سادگی و متانت نے جسمانی معشوقیت مین مل کے خدا جانے اُسے کیا بنا دیا تھا - پھر تھوڑی دیر باغ کی سیر کر کے جب وہ اُس علمی صحبت اور فلسفیانہ کلب مین آجاتی تو یک بیک معلوم ہوتا کہ علم و فضل کی انجمن مین یک بیک ایک نئی جان پڑ گئی -

اُس کی شرکت نے کلب مین ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ تمام صاحبان کمال اور منتخب روزگار فلسفی اِس صحبت کے ایسے رسیا ہو گئے تھے کہ "بن بلائے وہ آپ آتے تھے" اور اپنے جویاے علم دماغون کو اُسکے شمع رخسار سے روشن کر لیتے تھے - اس سے بڑھ کے کیا ہوگا کہ سقراط اور افلاطون اکثر اس صحبت مین شریک رہتے - اور اُن سے اکثر مسائل مین وہ خود بحث کرتی - مختلف مسائل چھیڑ کے سب کو ایک بہت ہی اچھی دماغی ورزش کرا دیتی - پھر جب دیکھتی کہ سب کے دماغ علمی مسائل پر غور کرتے کرتے تھک گئے ہین تو مذاق کی باتین شروع کر دیتی - اور

اپنے دلچسپ لطیفون اور اپنی دلکش بذلہ سنجیون کا ایسا خم غلغلہ جام مفرح پلا کر
کہ سب کی فکرین دور ہوجاتین۔ کسی کو دنیا و ما فیہا کا ہوش نہ رہتا۔ اور دم کے دم
مین دل و دماغ تازے ہوجاتے۔ اس صحبت مین جب وہ تقریر کرتی تو معلوم
ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہین۔ تمام حاضرین محو ہوجاتے۔ اور سب کا یہی
دل چاہتا کہ یہ نازنین یونہین نغمہ سنجی کرتی رہے اور ہم بیٹھے سنا کرین۔

سقراط کو اُس کے علم وفضل کا اس قدر اعتراف تھا کہ اُسے اپنے سے بڑا
عالمۂ فلسفیہ خیال کرتا۔ اور اکثر کہا کرتا "میرے اخلاق اور میری علمی واقفیت کو
اسپاسیا نے ترقی دی۔ اور تہذیب و تمدن مین مین اُس کا شاگرد ہون"۔ اسی طرح
اُسکا شوہر پرکلیس معترف تھا کہ مین نے دنیا مین جتنے کام کیے ہین اور جو کچھ شہرت
و ناموری حاصل کی ہے سب میری بی بی اسپاسیا کی جوتیون کا صدقہ ہے مین نے
فصاحت و بلاغت اور پالٹکس کو دراصل اُسی سے سیکھا ہے"۔

اسپاسیا نے یہی نہین کیا کہ علما و فضلا کے لیے ایک عالمانہ کلب قائم کیا
بلکہ عورتون کو بھی آداب معاشرت سکھانے کے لیے اُس نے ایک زنانی صحبت
قرار دے رکھی تھی۔ جس مین تمام معززین اثینہ کی بیبیان اور شریف گھرانون
کی خاتونین آتین۔ اور اُس سے تہذیب و آداب اور نفاست و تمیزداری کا سبق
لیتین۔ اسپاسیا کو بت تراشی۔ تعمیر۔ اور مصوری کا خاص شوق تھا۔ چنانچہ انھین
فنون کے باکمالون کی دستکاری کے اعلیٰ ترین نمونون سے اُس نے اپنے قصر کو سجا رکھا
تھا جو لوگ ان نفیس اور دلچسپ فنون مین ترقی کرنے کی کوشش کرتے۔ اُن کی وہ
بڑی قدر کرتی۔ اور جہان تک ممکن ہوتا اُنھین مدد دیتی۔ اثینہ کے اعلیٰ ترین اوج
و عروج اور اُسکے علم و حکمت کے شباب کا زمانہ یہی خیال کیا جاتا ہے جب عنان
حکومت پرکلیس کے ہاتھ مین تھی اور علم و ادب کی مربی گری اسپاسیا کر رہی تھی
یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ پرکلیس یونان مین علم و فن۔ ادب و شاعری۔ اور سامان
عیش کی ترقی کا سب سے بڑا مربی تھا۔ اور اُن علوم اور فنون نے جیسی ترقی اُس کے
عہد مین کی کبھی نہ کی تھی۔ خود پرکلیس یہ قبول کرتا ہے کہ مین نے جو کچھ کیا مین نے
نہین میری بی بی اسپاسیا نے کیا۔ اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ یونان مین جو

ہوا سب اسی عدیم المثال عورت کی ایک لازوال برکت۔ اور اُس کے حسن کی ایک یادگار کرشمہ سازی تھی۔

حسن کی کرشمہ سازی یہی نہین ہے کہ عورت اپنے حسن کے جادو سے کوئی ہنگامہ پیدا کرا دے۔ اُس نظر فتان سے کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ حسن کی کشش سے دنیا مین بڑا بھلا جو نمایان کام ہو جاے وہی حسن کی کرشمہ سازی ہے۔ یہ اسپاسیا کا حسن ہی تھا جس نے تمام باکمالون کو اُسکی صحبت مین جمع کیا۔ اور اُنھین ترقی و اظہار کمال پر آمادہ کر دیا۔ پرکلیس کو پرکلیس بنایا اور اثینہ کو اثینہ۔

ان باکمالون شاعرون۔ مورخون۔ فیلسوفون۔ اور کامیابیون کے ساتھ اسپاسیا کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اثینہ کی رہنے والی نہ تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ پرکلیس کی جائز بی بی نہین تسلیم کی جاتی تھی۔ وہان تو نکاح کے لیے شرط تھی کہ باہر کی لڑکی نہ ہو۔ پھر اسپاسیا کو کوئی اپنے لیڈر کی شریف اور شرعی بی بی کیونکر خیال کر سکتا تھا مگر باوجود اسکے اُسکی عظمت و شان۔ اُسکے حسن و جمال۔ اُسکی عقل و دانائی۔ اُسکی دلربائی و رعنائی۔ اُسکی مربی گری علم۔ اور اُسکی اسی طرح کی صدہا خوبیون نے عام لوگون مین اُسے ایسا ہر دلعزیز بنا دیا تھا کہ کسی کو اُسپر اعتراض کرنے یا طعن و تشنیع کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مدت تک یہی حال رہا۔ اور کوئی اُسکے خلاف نہ تھا۔ مگر تھوڑے زمانے کے بعد بعض لوگون کو اُس پر حسد آیا۔ اُنھون نے اُسکے خلاف ایک سازش کی۔ اور یکایک شہر مین مشہور ہو گیا کہ اسپاسیا کے مزاج مین بے انتہا غرور آ گیا ہے اور اُسکی نخوت اس درجے کو پہونچ گئی ہے کہ اثینہ کی شریف بیگموں اور معزز خاتونون کو اپنے سامنے ذلیل سمجھتی ہے۔ باہل عورتون مین یہ خیال آگ کی طرح پھیلا اور تمام اثینہ والیون کو یقین آ گیا کہ وہ ہماری تحقیر و تذلیل کرتی ہے۔ عورتون کی عادت ہمیشہ بے بنیاد باتون کو جھٹ سے پر لگا دیا کرتی ہے۔ اور پھر اندر ہی اندر اس مین نئی نئی باتین پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہین۔ چنانچہ اب آناً فاناً شہرت دی گئی کہ اسپاسیا سے انکسوریس فلسفی اور فیدیاس مصور سے ناجائز تعلق ہے۔ یہ خبر روشور سے پرکلیس کے گوشگذار کی گئی۔ مگر اُس نے اسے محض اتہام خیال کیا۔ جلوت و خلوت مین اور اندر باہر ہر جگہ اسپاسیا کو اپنے پہلو مین دکھایا کرتا تھا

بدگمان ہوتا تو کس بنا پر؟ مگر لوگوں کو اس پر چین نہ آیا اور برہم مزاج لوگوں نے
مشتعل ہو کے ایسا ہنگامہ مچا دیا کہ وہ بیگناہ حکیم تو جان سے مار ڈالا گیا۔ اور
ہمیشہ کے لیے جلا وطن کر دیا گیا۔ پرقلیس نے اُن دونوں کے بچانے کے لیے لاکھ
جتن کیے۔ کوئی کوشش اور تدبیر اُٹھا نہ رکھی۔ مگر عام شورش کو کسی طرح نہ دبا سکا
اور وہ دونوں قابل قدر صاحبانِ کمال اُس سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئے۔

اب لوگوں نے خود اسپاسیا کو ملزم قرار دے کے سزا دینا چاہی۔ پرقلیس کو
اس سے بے انتہا آزار پہونچا۔ اور آریوس پاغوس کے سامنے بی بی کی برأت
کرنے کے لیے اُس نے اپنی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان کا کمال دکھا دیا۔ ایسی
تقریر کی کہ سامعین محو اور نقشِ حیرت تھے۔ پرقلیس بڑا بہادر اور ضابط و متحمل مشہور
تھا مگر اس موقع پر جب اُس نے دیکھا کہ میرے الفاظ دشمنوں کے دل پر اثر نہیں
کرتے تو تقریر کرتے کرتے دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس سے
پہلے اُس کی بہن اور کنواری بیٹی پر یہی الزام عائد کیے گئے تھے۔ اُن کی برأت میں
بھی اُسے تقریر کرنا پڑی تھی۔ اور بڑی بے رحمی و سفاکی کے ساتھ اُس سے چھڑا کے
جلا وطن کی گئی تھیں۔ مگر اُس کے استقلال میں فرق نہ آیا تھا۔ لیکن پاکدامن و پر کمال
محبت والی بی بی کی حمایت کرتے وقت دل اختیار سے باہر ہو گیا۔ اور زار و قطار
رونے لگا۔ اور آخر رو دھو کے اُسے سزا سے بچا ہی لیا۔ پرقلیس کی نسبت کہتے
ہیں کہ ساری عمر میں فقط دو بار رو دیا تھا۔ ایک تو اس موقع پر اور دوبارہ اپنی
چھوٹی لاڈلی بیٹی کے مرنے پر۔

دشمنوں کو اسپاسیا کے خلاف شورش مچانے کا زیادہ تر موقع اس لیے مل
گیا کہ وہ پرقلیس کی دوسری بی بی تھی جس سے اثینیہ کی بیاہتا بی بی کو طلاق
دے کے اس نے شادی کی تھی۔ اسپاسیا نے اگرچہ اپنے اخلاق، اپنی
فیاضیوں اور اپنی نیکیوں سے سارے اہل اثینیہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ مگر پھر بھی
وہ باہر کی عورت تھی۔ قومی اور وطنی مخالفت کا ہنگامہ بلند ہوا تو سب خلاف اور
دوست دشمن ہو گئے۔

پرقلیس پر اُس کا اس قدر اثر پڑا ہوا تھا کہ تاریخ میں بعض الزامات جو اُ

لیے گئے ہین وہ بھی اسپاسیا ہی کی جانب منسوب کیے جاتے ہین - پرقلیس کی پالیسی یہ تھی کہ اسپارٹا والون سے ہمیشہ لڑائی جاری رکھی جائے - اِس اصول پر اُس نے جو سلسلۂ جنگ چھیڑا تھا ستائیس برس تک جاری رہا - یہ لڑائی جنگ پلوپونیشیا کہلاتی ہے اور اکثر مورخین کا خیال ہے کہ اسکو پرقلیس نے اسپاسیا ہی کے کہنے سے چھیڑا تھا - مگر محقق مورخون کو مستند بناؤن پر اس سے قطعًا انکار رہے -

اسی لڑائی کے دوران مین اثینہ مین ایک طاعون پیدا ہوا اور یہ حالت ہوئی کہ مکانات درکنار سڑکین اور تہخانے تک لاشون سے پٹے پڑے تھے - اسی طاعون مین پہلے پرقلیس کے تمام اعزا و اقارب مبتلا ہو کے مرے - اور آخر سنہ قبل محمد (سنہ ۴۲۹ قبل مسیح) مین وہ خود بھی اُسی طاعون کی نذر ہو گیا -

اسپاسیا زندہ بچ رہی - اور اُسوقت اُس کی عمر اکتالیس سال کی تھی - بیوہ ہونے کے چند روز بعد اُس نے ایک تاجر سے شادی کر لی - اُس مین کوئی ذاتی خوبی نہ تھی مگر اسپاسیا ایسی نامور عورت تھی کہ اُسکی وجہ سے اُسکے شوہر کو بھی لوگ عزت کی نظر سے دیکھنے لگے - اور تھوڑے ہی زمانے مین بی بی کی تعلیم سے وہ بھی ایک زبردست مقرر اور نامور اسپیکر ثابت ہوا - جسکی یونان مین بڑی شہرت تھی -

اپنے اس دوسرے شوہر کو بھی اسپاسیا نے اگرچہ ایک ذی کمال نامور بنا لیا مگر اُس کی اصلی نمود اور کامیابی کا زمانہ وہی تھا جو پرقلیس کے ساتھ گذرا - اور جس طرح دنیا اُس کے اُس دور کو کبھی نہ بھولے گی ویسے ہی وہ بھی اپنے اُس ترقی و ناموری کے عہد کو کبھی نہ بھولی ہو گی -

حمیدہ بنت نعمان بن بشیر

یہ اُس زمانے کی ایک صاحب جمال خاتون ہے جب عربون نے ترقی اسلام کے طفیل مین دنیوی عروج حاصل کر کے اپنی سوسائٹی کو نہایت ہی متمدن اور اپنی معاشرت کو تہذیب و آداب کا بہترین معیار بنا لیا تھا - حمیدہ ہجرت کی پہلی ہی صدی مین تھی اور سوسائٹی کے آداب و اخلاق مین شہرت حاصل کرنے کے ساتھ ایک بےمثل شاعرہ خیال کی جاتی تھی - باپ کے گھر مین جو اکثر ممالک کے گورنر رہے تھے -

اپنی دو بہنوں ہند اور عمرہ کے ساتھ پل کے بڑی ہوئی۔ پڑھا لکھا۔ اور شعر گوئی میں نمود حاصل کی۔ جب اُس کے اشعار لوگوں میں پسند کیے جانے لگے تو اپنے حسن و جمال اور اپنی قابلیت پر ناز کرنے لگی۔ اور دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ "ہمچو من دیگرے نیست" کسی کو اپنے برابر اور اپنا ہم پلہ نہ جانتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شوہر کو خطرے میں نہ لاتی۔ اُسے اپنے سے ذلیل و حقیر خیال کرتی۔ اور جس کسی سے شادی ہوتی اُس کا ناطقہ بند کر دیتی۔ اُس میں کوئی عیب نظر آیا۔ اور اُس نے اُسے طشت از بام کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُس کی شوخ زبان سیفِ بُرّاں کا کام دینے لگی۔ اور شرفائے عرب اُس کے ہجو کے حربے سے خوف کھانے لگے۔

اتفاقاً حارث بن خالد جو امرائے عرب میں سے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان سے ملنے کے لیے دمشق میں آئے۔ نعمان بن بشیر اُن دنوں شام کے شہر حمص کے والی تھے۔ حمیدہ باپ کے پاس تھی مگر اُس کے حسن و جمال اور اُس کی طباعی و سخن سنجی کی دمشق میں دھوم ہو رہی تھی۔ حارث نے جو اُس کے صفات سُنے تو نکاح کا شوق ہوا۔ اور بغیر اس کے کہ کسی سے مشورہ کریں نعمان کے پاس حمیدہ کے لیے اپنا پیام بھیجدیا۔ نعمان نے فوراً منظور کر کے عقد کر دیا۔ اور حارث اُسے رخصت کرا کے اپنے گھر لے گئے۔ نکاح کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ میاں بی بی میں بگڑی۔ اور حمیدہ نے چھوٹتے ہی میاں کی ہجو کہہ ڈالی۔ جو اُس کی زبان سے نکلتے ہی تمام لوگوں میں مشہور ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ اشعار عبدالملک کے بھی گوش گزار ہوئے۔ حارث نے بھی جواب میں ہجو کہی۔ مگر اُن کے اشعار میں وہ لطافت اور شوخی کہاں سے آتی۔ اُن کے شعر ایسے پھیکے اور بدمزہ رہے کہ کسی کو لطف نہ دیتے۔ اور حمیدہ کے اشعار ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی زبان پر ہوتے۔ جب کچھ بس نہ چلا تو حارث نے جھنجھلا کے اُسے طلاق دیدی۔ مگر افسوس جو رسوائی ہو چکی تھی وہ قیامت تک کے لیے لوحِ زمانہ پر لکھ گئی۔

اب روح بن زنباع سے جو اُس عہد کا نامی سپہ سالار اور ارکانِ دولت میں سے تھا حمیدہ نے شادی کی۔ ابھی اُس کو زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا کہ روح کے گھر میں کوئی تقریب پیش آئی۔ اُس میں اُن کے قبیلۂ بنی جذام کے تمام لوگ جمع ہوئے۔ اور حمیدہ اُن فقیروں کو پردے سے تاک جھانک کے دیکھنے لگی۔ یہ بات

روح کو ناگوار ہوئی۔ برہمی کے ساتھ اندر آئے اور اُسے بُرا بھلا کہا۔ اس کا جواب حمیدہ نے تمسخر کے لہجے میں یہ دیا کہ "تمہارے قبیلے والوں سے حلال تعلق پیدا کرنا تو مجھے گوارا ہی نہیں ہے حرام بھلا کیا کروں گی؟" روح کو یہ فقرہ بہت ہی ناگوار ہوا۔ اور پھرے رہنے لگے۔ رُکا دیکھا تو حمیدہ نے اُنکی بھی ہجو کہہ ڈالی۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ باہر اندر جہاں روح کی جو صورت دیکھتا بے اختیار وہ شعر اُسکی زبان پر جاری ہو جاتے۔ روح بھی ایک مسلم ادیب اور شوخ طبع شاعر تھا۔ جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ اور لوگوں کو اُسکے شعروں میں خوب مزہ آیا۔ حمیدہ نے اور شعر کہے۔ روح نے بھی زیادہ زور طبع دکھایا۔ اور میاں بیبیوں میں خوب نوک جھونک ہونے لگی۔ دور اور پرے والے لطف اُٹھانے لگے۔

آخر کار دو بدو کی نوبت آگئی۔ اور دونوں میاں بیبیوں نے آمنے سامنے بیٹھ کے ہجو کہنے میں بدیہہ گوئی کا کمال دکھانا شروع کیا۔ حمیدہ ایک شعر کہتی تو اُسی دم اُسی قافیے میں جواب دیتا۔ ہوتے ہوتے روح کی طبیعت داری نے جواب دے دیا۔ اور بی بی کی سخن آفرینی کے مقابل بغلیں جھانکنے لگا۔ یہی دن تھا جب سب کو نظر آگیا اور یقین ہوگیا کہ روح کی شاعری حمیدہ کو نہیں پہنچتی۔ اس مقابلے میں غالب آنے کے بعد حمیدہ نے دو شعر فی البدیہہ اپنی تعریف اور اپنی فضیلت میں کہے۔ اُن کا جواب طبیعت پر زور ڈال کے روح نے ایسا دیا کہ حمیدہ لاجواب ہو گئی۔

ایسے میاں بی بی زمانے نے کبھی کا ہے کو دیکھے ہونگے جو گھر میں ہم بغل اور پہلو میں ایک دوسرے کے حریف و دشمن ہوں۔ مذکورۂ بالا مناظرے کے بعد بھی دونوں میں برابر چوٹیں چلتی رہیں۔ اور اب پھر حمیدہ نے ہجو گوئی میں ایسا زور باندھا کہ روح کا ناطقہ بند ہو گیا۔

ایک دن حمیدہ نے روح کی طرف خطاب کر کے کہا "تم بھی جذامیوں جیسے ہو؟ حالانکہ تم میں تین باتیں ایسی ہیں جو قبیلۂ بنی جذام کے کسی شخص میں نہیں ہو سکتیں۔ اول تو تم ٹھگنے اور سانولے ہو اور بنی جذام سانولے نہیں ہوتے۔ دوسرے تم بزدل اور نامرد ہو۔ اور بنی جذام کے لوگ اکثر بہادر ہوتے ہیں۔ تیسرے

تم مین حسد اور رقابت کا مادّہ بہت ہے - یہ بھی بنی جذام مین نہین ہوا کرتا" روح نے جواب دیا" تم بکا کرو - مین قبیلۂ جذام کے شریف ترین گھرانے کی یادگار ہون - اور شرافت مین کوئی میرا مقابلہ نہین کر سکتا - رہی بزدلی - تو سنو - میرے پاس فقط ایک جان ہے - دو ہوتین تو ایک کو بے جگری سے خرچ کر ڈالتا - لیکن جب ایک ہی ہے تو پھر اُس کی حفاظت نہ کرون تو کیا کرون ؟ اب تیسری بات کا بھی جواب سن لو - بیشک مجھ مین جوش رقابت ہے - مین نہین چاہتا کہ میری چیز پر کوئی اور بھی تصرف کرے - اور عورت کے بارے مین تو میرا جوش حد سے گذر جاتا ہے - کیونکہ جورو اور عورت چیز ہی ایسی ہے کہ اُس مین دوسرے کی ذرا سی شرکت بھی انسان سے نہین برداشت ہو سکتی - خصوصاً جس مرد کی جورو تمھاری سی گدھی ہو جو نیک و بد کو کبھی نہین جانتی تو وہ ہر وقت اُس کی نگرانی نہ کرے تو کیا کرے ؟"

بہرحال روح سے اُس سے روز جھگڑا رہتا - لیکن با وجود ان تمام جھگڑون کے روح کو حمیدہ کی یہ سرکشی کی ادا کچھ ایسی بھا گئی تھی کہ سب باتین گوارا کرتا مگر طلاق نہ دیتا تھا - ایک دن حمیدہ کی شوخ ادائون پر ایسا بگڑا کہ کہا " یا اللہ ! اگر حمیدہ میرے بعد زندہ رہے تو اسے ایسے شوہر سے سابقہ پڑے جو کس کس کے اسکے منہ پر تھپڑ لگائے اور اسکے آغوش مین بیٹھ بیٹھ کے قے کرے " بعض وقت زبان سے جو کلمہ نکل جاتا ہے بے پورا ہوے نہین رہتا - یہ بھی اُسی قسم کی بات تھی جو روح کی زبان سے نکلتے ہی حمیدہ کی قسمت مین لکھ گئی -

مگر باوجود اس طرح کوسنے کے روح حمیدہ کو چھوڑتا نہ تھا جو شاید اس خیال سے ہو کہ اگر مین طلاق دون گا تو یہ مہر کی رقم کھڑے کھڑے وصول کر لیگی - مگر حمیدہ عاجز آ گئی تھی - اور اس اُدھیڑبُن مین تھی کہ اُس سے طلاق لے کے کسی اور سے نکاح کرے - چنانچہ جب روح نے کسی طرح نہ چھوڑا تو قاضی کے سامنے اُس نے خلع کی درخواست پیش کر دی - قاضی نے وجوہ سُن کے فیصلہ اُس کے موافق کیا - اور اُسے روح کے عقد سے آزادی ملی -

روح کے پیچھے سے چھوٹنے کے بعد مدت تک حمیدہ اکیلی رہی اور اُسے بیوہ کی سی زندگی بسر کرنا پڑی - جس کا سبب یہ تھا کہ اُسکے لیے کسی کا پیام ہی نہ آتا تھا

گرچہ اُسکے حسن و جمال کے سب معترف تھے۔ اُس کی قابلیت اور علمی خوبیون کا بھی سب کو اعتراف تھا۔ مگر اُسکی زبان درازی اس قدر مشہور ہوگئی تھی کہ سب پناہ مانگتے اور کسی کو پیام دینے کی جرأت نہ ہوتی۔ اُس کی شاعری۔ اُسکے ادبی کمالات اُس کی فصاحت و بلاغت۔ اُس کی نازک خیالی۔ اور اُس کی نفاست مزاج کا سکہ دنیاے اسلام مین اس قدر بیٹھ گیا تھا کہ بڑے بڑے شعرا اور عالی مرتبہ فضلا اُس کی زیارت کے آرزومند تھے۔ مگر اُسکے غرور و ناز اور اُسکی خودداری و خودپرستی سے سب ایسے خائف تھے کہ کوئی پاس نہ پھٹکتا۔ یون تو اُس کے لیے ساری دنیا آنکھین بچھانے کو تیار تھی مگر اُس کی زبان کے چرکے اس بلا کے ہوتے کہ اُنکے برداشت کرنے کی کسی مین تاب نہ تھی۔ اور کسی کو نکاح کا پیام دینے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ جو کوئی جا کے ملتا وہ اُس سے مناظرہ شروع کر دیتی۔ مردون پر اپنی فوقیت جتاتی۔ اگر وہ اُسکے دعوے تسلیم کرنے مین کچھ عذر کرتا تو لتے لے ڈالتی۔ دھجیان اُڑا کے رکھدیتی۔ اور سخت ذلیل کرتی۔

لیکن اُس مین خوبیان بھی ایسی ایسی تھین کہ باوجود ان اندیشون کے ایک عاشق صادق پیدا ہی ہوگیا۔ یہ فیض بن محمد بن حکیم بن عقیل تھا جو نو عمر و نوخیز نہایت ہی خوبرو اور بڑا دولتمند تھا۔ اُسے حمیدہ کے عیوب معلوم تھے اور نہ بھی معلوم تھے تو لوگون نے بتا دیے اور روکا مگر وہ اس قدر فریفتہ ہوگیا تھا کہ ایک کی نہ سُنی اور کہا "اگر ایسی معشوقہ شوخ ادا میرے عقد مین آجائے تو مجھے سب گوارا ہے۔ حمیدہ نے اُسکی پیاری صورت ظاہری وجاہت و صلاحیت دیکھی تو چھوٹتے ہی قبول کر لیا۔ اور عقد ہوگیا۔ مگر نکاح کے دو ہی چار روز بعد کُھلا کہ فیض کو جیسا سمجھی تھی ویسا نہین ہے۔ بلکہ سخت درشت مزاج۔ جھگڑالو۔ لڑنے اور گالیان دینے والا اور شرابی ہے۔ وہ خوب شرابین پی پی کے بدمست ہوتا۔ مدہوش و مخمور اُس کے پاس آتا۔ اگر وہ ملنے مین رُکتی تو بگڑتا گالیان دیتا۔ اور اکثر مارتا پیٹتا۔ اور اگر پاس بٹھالتی تو بدمستی کی ناشائستہ حرکتین کرتا اور اُسکے آغوش یا پہلو مین بیٹھ کے قے کرتا۔ اور جب کبھی اس کی نوبت آتی تو حمیدہ دل مین کہتی "روح سے خدا سمجھے یہ اُسی کی بد دعا ہے" لیکن باوجود اسکے صبر کرتی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حمیدہ فیض کی صورت کی عاشق تھی۔ اُسکے عنفوان

شباب پر اُسے پیار آتا - اور خاموشی کے ساتھ ہر تلخی و ترشی کو برداشت کرلے جاتی - مگر کب تک؟ آخر زندگی سے عاجز آگئی - اور پھر اپنے قدیم حربے سے کام لینا شروع کردیا یعنی فیض کی بھی ہجو کہنے لگی - اُس کی یہ شوخ اور بیباکانہ نظمین لوگون مین فوراً مشہور ہو جاتین - اور بازار کے لونڈے تک فیض کی صورت دیکھ کے وہ اشعار پڑھنے لگتے - نتیجہ یہ ہوا کہ فیض باہر نکلنے اور لوگون کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہا -

اسکے بعد ہمین خبر نہین کہ کیا ہوا - حمیدہ آخر تک فیض ہی کے عقد مین رہی یا اُس سے بھی طلاق لی - مگر معلوم ہوتا ہے کہ دونون نے آخر تک نباہی - کیونکہ حمیدہ کے بطن سے فیض کی ایک لڑکی ہوئی جس کے ساتھ قصاب عرب حجاج ابن یوسف ثقفی نے نکاح کرلیا تھا - اس لڑکی سے پہلے حمیدہ کی بہن اُم ابان بنت نعمان بن بشیر حجاج کے عقد مین تھی - حمیدہ اب اگرچہ حجاج کی ساس تھی مگر داماد کی بے اعتدالیان سُن کے بگڑتی اور اُس کی ہجو مین بھی زور طبع دکھاتی - اتفاق سے ایک مرتبہ حمیدہ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے عراق مین آکے حجاج کی مہمان ہوئی - یہان اُسے اپنے قابو مین پا کے حجاج نے کہا "تم میری ساس ہو - اسی وجہ سے مین تمھاری تمام زیادتیان برداشت کرتا رہا - مگر اب مین عراق کا حاکم ہون - اور تم یہان میرے بس مین ہو - اسکے ساتھ یہان کے لوگ نہایت ہی بُرے - بد طینت - اور بیوقا ہین - اگر تم نے کچھ بھی کہا تو میرا مضحکہ اُڑانے لگین گے - اس لیے صاف صاف کہے دیتا ہون - اگر یہان تم نے میری نسبت کچھ کہا تو تم ہی جانوگی" حمیدہ بولی "اچھا جب تک یہان ہون نہ کہون گی - لیکن جب تمھارے علاقے سے باہر ہو جاؤن تب تو تمھارا کچھ اجارہ نہ ہوگا؟" حجاج کو خاموش ہو جانا پڑا - اور حمیدہ نے عراق سے نکلتے ہی پھر ہجوون کی بھرمار شروع کردی -

عراق سے نکل کے وہ سیدھی دمشق شام مین گئی - اور آخر تک وہین رہی یہان تک کہ عبدالملک بن مروان کے آخر عہد مین سفر آخرت کیا -